تذکرۂ شورش

(رموز الشعرا)

از

غلام حسین شورش

مرتبہ

ڈاکٹر محمود الٰہی

اتر پردیش اردو اکادمی

سلسلۂ مطبوعات: ۱۴۳

تذکرۂ شورش

(رموز الشعراء)

از

غلام حسین شورش

مرتّبہ

ڈاکٹر محمود الٰہی

اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ

(c) اتر پردیش اردو اکادمی

تذکرۂ شورش

(رموز الشعراء)

غلام حسین شورش مرتبہ ڈاکٹر محمود الٰہی

پہلا اڈیشن ـــــــــــــ ۱۹۸۴ء
تعداد اشاعت ـــــــــــــ ۶۰۰
قیمت ـــــــــــــ ۳۴/=

ستیش چندر سریواستوا سکریٹری اتر پردیش اردو اکادمی نے نامی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر اتر پردیش اردو اکادمی قیصر باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

انتساب

ڈاکٹر عبدالحق، استاد شعبۂ اردو
دہلی یونیورسٹی کے نام

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

مندرجات

حرفِ آغاز

تذکرۂ شورش کے زیرِ نظر خطی نسخے کی دریافت کوئی غیر معمولی بات نہیں لیکن اس دریافت کی کہانی دل چسپ بھی ہے اور تکلیف دہ بھی میں بوجوہ اس اجمال کو تفصیل تک نہیں لے جانا چاہتا۔

میں خانقاہ رشیدیہ، جون پور میں دیوان حافظ کے اس نادر نسخے کو تلاش کر رہا تھا جس کی کتابت ۸۲۴ھ میں ہوئی اور اب جسے پروفیسر نذیر احمد صاحب نے مرتب کرکے ایران سے شائع کرا دیا ہے۔ دیوان حافظ کا مذکورہ نسخہ تو مجھے بعد میں ملا لیکن اس کی تلاش کے دوران تذکرۂ شورش ہاتھ آگیا —— اور اب یہ اہلِ علم کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

جون پور کے اس علمی سفر میں ڈاکٹر عبدالحق، استاد، شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی میرے ساتھ تھے۔ موصوف اس وقت گورکھپور کے شعبۂ اردو میں زیرِ تعلیم تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر میرے ساتھ نہ ہوتے تو ۱۹۶۵ء میں تذکرۂ شورش پر تعارفی نوٹ مرتب کرنا میرے لیے بڑا مشکل کام ہوتا۔ یہ تعارفی نوٹ میرے مجموعۂ مضامین 'بازیافت' میں شامل ہے۔

مشہور محقق قاضی عبدالودود صاحب نے تعارفی نوٹ کی اشاعت کے بعد مجھے مشورہ دیا کہ اس نسخے کا مکمل متن منظرِ عام پر لانا زیادہ مناسب ہے، قاضی صاحب نے صرف میری حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ اس کی ترتیب کے دوران بعض اہم نکات پر مفید مشورے بھی دیے، میں قاضی صاحب کا شکر گزار ہوں۔

میں اپنے دوست اور خانقاہ رشیدیہ، جون پور کے متولی جناب سید

ہاشم علی سبزپوش کا شکریہ ادا کرنا واجبات میں شمار کرتا ہوں کہ انھوں نے خانقاہ رشیدیہ کے کتب خانے سے استفادے کا بھرپور موقع مجھے فراہم کیا اگر ان کا کرم شامل حال نہ ہوتا تو یہ دونوں نادر خطی نسخے (دیوان حافظ اور تذکرۂ شورش) اشاعت سے محروم رہ جاتے۔

تذکرۂ شورش کئی برس پہلے مرتب ہو چکا تھا مگر اس کی اشاعت کی نوبت اب آ رہی ہے۔ میں اتر پردیش اردو اکادمی کی مجلس انتظامیہ کا شکر گزار ہوں کہ اس نے اس تذکرے کی اشاعت کو بھی اپنے پروگرام میں شامل کیا۔

محمود الٰہی

پروفیسر و صدر شعبۂ اردو

گورکھپور یونیورسٹی، گورکھپور

۱۰ فروری ۱۹۸۳ء

تذکرۂ شورش

مقدمۂ مرتب :-

بہار میں اُردو شعرا کے جو تذکرے لکھے گئے ہیں، اُن میں "تذکرۂ شورش" کو کئی حیثیتوں سے اہمیت حاصل ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تقدم زمانی کے لحاظ سے یہ سرفہرست ہے۔ دوسری یہ کہ بہار میں اُردو شاعری کے آغاز اور اس کے ابتدائی نشو ونما پر اس سے زیادہ مستند بیانات کہیں اور نہیں ملتے۔ شورش کا نام ان لوگوں میں شامل نہیں ہوگا جنھوں نے بہار میں اردو شاعری کی بنیاد ڈالی لیکن یہ ان لوگوں میں سب سے زیادہ ممتاز ہیں جنھوں نے خود بنیاد کو اور بنیاد ڈالنے والوں کو کبھی دور سے اور کبھی بہت قریب سے دیکھا، انھوں نے عمارت سازی کا عمل بھی دیکھا اور کبھی کبھی اس عمل میں وہ خود بھی شریک ہو گئے۔ اگر تذکرۂ شورش کچھ اور پہلے منظر عام پر آجاتا تو گزشتہ نصف صدی سے بہار میں اردو شاعری کے آغاز و ارتقا پر جو اختلاف رائے پایا جاتا ہے، اس کی شدت بڑی حد تک کم ہو جاتی کیونکہ اس اختلافی موضوع پر اسے اصل ماخذ کی حیثیت حاصل ہے اور اب تک زیادہ تر ثانوی ماخذ سے کام لیا گیا۔

اگر بعض تذکرہ نگاروں کے مزاج و طبیعت کو ملحوظ رکھا جائے تو پھر یہ امر بحث طلب نہیں رہ جاتا کہ شورش کے جن ہم عصروں نے اردو شعرا کے تذکرے لکھے انھوں نے شورش کی شاعری کا ذکر کرنے کے باوجود اس تذکرے کو قلم انداز کر دیا۔ صاحب گلشن سخن کو جانے دیجئے کہ اس کی ادبی سرگرمیوں کا مرکز صرف بہار نہیں تھا۔ علی ابراہیم خاں خلیل کو اپنے سیاسی بلکہ سرکاری مرتبے

کی وجہ سے اس کی قدرت حاصل تھی کہ وہ شاعروں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات بہم پہنچاتے مگر انھوں نے شورش کی شاعری کے ذکر کے ساتھ ان کی تذکرہ نگاری کا ذکر نہیں کیا۔ یہ تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی رائے شورش کے بارے میں کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی۔ وہ پہلے اور ان کے بعض متبعین کو چھوڑ کر آخری شخص ہیں جنھوں نے دوسری روایات کے برخلاف شورش کو برا بھلا کہا ہے۔[1] علی ابراہیم خاں خلیل صرف معاصرانہ چشمک کے شکار نہیں ہوئے بلکہ شورش کے خلاف انھوں نے جو زہر اگلا ہے، اس کے کچھ سیاسی اور ثقافتی اسباب بھی ہو سکتے ہیں جو ممکن ہے کبھی نہ کبھی منظرِ عام پر آئیں۔

بہر حال، معاصر تذکرہ نگاروں کا رویہ ان کے ساتھ کچھ بھی رہا ہو، یہ حقیقت ہے کہ "تذکرۂ شورش" اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ شورش نے اپنی وفات (شعبان ۱۱۹۵ھ جولائی ۱۷۸۱ء)[2] سے کوئی چار سال قبل ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ء) میں یہ تذکرہ لکھا۔ تذکرے کی تکمیل اور ان کی وفات کے مابین ان کی مصروفیات کیا تھیں، یہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ مرض الموت کے شکار کب ہوئے۔ ممکن ہے کہ تذکرے کو عام کرنے سے پہلے وہ اس پر نظر ثانی کرنا چاہتے ہوں اور پھر کچھ ایسے مواقع آ گئے کہ ان کا ارادہ قوت سے فعل میں نہیں آسکا اور ان کی وفات کے بعد کسی نے، اس کا مقصد و محرک جو بھی رہا ہو،

---

(۱) بحوالہ گلشن ہند۔ (۲) تذکرۂ مسرت افزا (ترجمۂ شورش)

اس میں مسخ کی حد تک تصرفات کیے۔ وہی مسخ شدہ تذکرہ باڈلین، آکسفورڈ میں محفوظ ہے اور جس کی نقل پروفیسر کلیم الدین احمد نے "دو تذکرے" میں شامل کر کے استفادے اور غور و فکر کی راہیں کھول دی ہیں۔

اصل نسخے (نسخۂ زیر بحث) کے علم سے پہلے قاضی عبدالودود نے نسخۂ آکسفورڈ کے بارے میں کہا تھا:

"تذکرۂ شورش کے نسخۂ آکسفورڈ میں کسی شخص نے تصرف کیا ہے (رجوع بہ ترجمہ شورش") (۲)

اب جو اصل نسخہ دریافت ہو گیا ہے تو قاضی صاحب کا خیال صحیح ثابت ہوا۔ تصرف ترجمہ شورش تک محدود نہیں ہے بلکہ اکثر مباحث اس عمل کے شکار ہوئے ہیں۔ یہ تصرف کب کیا گیا، اس کے بارے میں قطعی طور پر کوئی بات نہیں کہی جا سکتی ہاں ایک قرینہ ایسا ضرور ملا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۲۰۱ھ میں بھی اس میں تصرف کیا گیا ہے یا اسے دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ تذکرے کی تالیف کے کوئی دس سال بعد بھی اس میں ترمیم کی گئی ہے۔ شاہ غلام قلندر کے بارے میں نسخۂ آکسفورڈ اور اصل نسخے کے بیانات کا تضاد قابل غور ہے نسخۂ آکسفورڈ میں درج ہے:

"قریب سی سال است کہ بہ طرف دہلی می باشند"

یہی بات اصل نسخے میں اس طرح بتائی گئی ہے:

"قریب بست سال است کہ طرفِ مغرب تشریف می دارند"

---

(۲) نوائے ادب، بمبئی اپریل ۱۹۵۹ء ص ۴۸

تصرفات کے پیش نظر نسخۂ آکسفورڈ کو شورش کا اصل تذکرہ نہیں کہا جا سکتا اس لئے اب میں اس نسخے کو "تذکرۂ شورش آکسفورڈ" کے نام سے یاد کروں گا اور تذکرۂ شورش سے مراد وہ تذکرہ ہے جس کا متن پیش کیا جا رہا ہے۔

یہاں میں یہ واضح کرتا چلوں کہ نسخۂ آکسفورڈ کے بعض بیانات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، بات صرف اتنی ہے کہ یہ بہت کچھ ہے مگر تذکرۂ شورش نہیں۔

شورش نے یہ تذکرہ ۱۱۹۱ھ میں لکھا جس کا سب سے بڑا ثبوت ترجمہ غلام علی اظہر ہے۔ شورش ان کے بارے میں لکھتے ہیں :

"قریب پنجاہ غزل ریختہ طرح فرمودہ۔ قبل ازیں ارادۂ تحریر تذکرہ نہ بود و الآنہ جمع می ساخت۔ الحال در ۱۱۹۱ھ مزاج احقر بایں طرف مائل شدہ۔ دو غزل بدست آمدہ، برائے یادگار مرقوم ساختہ"

سیاق عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شورش کے علم میں تو یہ بات تھی کہ غلام علی اظہر نے تقریباً پچاس غزلیں کہی تھیں لیکن شورش نے انھیں محفوظ نہیں رکھا کیونکہ ان کا ارادہ تذکرہ لکھنے کا نہیں تھا۔ اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہے کہ شورش نے تذکرہ ۱۱۹۱ھ میں لکھنا شروع کیا۔ ان کا انتقال ۱۱۹۵ھ میں ہوا۔ تذکرے میں ایک بھی ایسا اندراج نہیں ہے جس سے اس بات کی نشاندہی ہو سکے کہ انھوں نے ۱۱۹۱ھ کے بعد بھی اس میں کچھ اضافے کیے۔ موجودہ مواد کی روشنی میں یہی بات حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے کہ ۱۱۹۱ھ میں یہ تذکرہ حیطۂ تحریر میں آیا، سال آغاز بھی یہی ہے اور یہی سال اختتام بھی!

اس اجمال کی تفصیل کے لیئے شورش کے بیانات کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ ناظمان عظیم آباد کی فہرست میں ایک ایسا کردار بھی ملتا ہے جو اپنی سادہ لوحی اور بے عملی کی وجہ سے مورد عتاب بنا، اس کا نام ہے میر محمد کاظم خاں، احترام الدولہ۔ یہ میر جعفر کا بھائی تھا اور رجب دسمبر ۱۷۶۳ء (۱۱۷۷ھ) میں میر قاسم کی معزولی کے بعد میر جعفر کو مسند نشیں کیا گیا تو اس نے اپنے بھائی میر محمد کاظم خاں کو بھی نوازا اور عظیم آباد کی نیابت کے لئے اس کا نام منظور کیا لیکن میر کاظم کی نیابت کا غلغلہ اس وقت بلند ہوا جب میر جعفر کی وفات (شعبان ۱۱۷۸ھ، فروری ۱۷۶۵ء) کے بعد اس کے بیٹے نجم الدولہ (میر پھلوری) کو اس کا جانشین بنایا گیا، اور اس کی جانشینی کے چند دن بعد عظیم آباد کے صاحب کلاں نے نجم الدولہ کے چچا میر کاظم کو بہار کی نظامت پر، جسے اصطلاحی طور پر، نیابت کہنا چاہیئے مامور و متمکن کیا، نجم الدولہ اور میر محمد کاظم خاں کا تقرر لارڈ کلائیو کی مرضی سے نہیں ہوا تھا اور ہوتا بھی کیوں کر، میر جعفر کی وفات کے وقت وہ تو ملک سے باہر تھا۔ جب مئی ۱۷۶۵ء میں وہ کلکتہ واپس آیا تو اسے نجم الدولہ کے تقرر کی تائید کرنا پڑی۔ لارڈ کلائیو اس کے بعد عظیم آباد آیا اور یہاں آتے ہی اس نے جو صورت حال کا مطالعہ کیا تو یہ نتیجہ نکالا کہ بہار کی نظامت کے لیئے میر محمد کاظم خاں[1] مناسب نہیں ہے۔ اس نے میر کاظم کو معزول کرنے کا ارادہ کر لیا مگر معزولی اس وقت عمل میں آئی جب لارڈ کلائیو اپنا سفر الہ آباد پورا کر کے کلکتہ جاتے ہوئے پھر

---

(۱) میر محمد کاظم خاں کے تفصیلی حالات کیلئے دیکھیے سیر المتاخرین: صفحات ۷۵۹، ۷۷۱، ۷۷۳، ۷۷۴، ۸۰۹۔

عظیم آباد آیا۔ یہ بات اواخر ۱۷۶۵ء (۱۱۷۹ھ) کی ہے۔

ابھی جن سنین (۷۷-۱۱۷۹ھ، ۶۵ - ۱۷۶۳ء) کی نشاندہی کی گئی ہے، ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ میر کاظم کا دورِ نیابت زیادہ سے زیادہ دو سال کی مدت کو محیط ہے اور اس کا یہ مختصر دورِ نیابت اُردو شاعری کا ایک سنگ میل تسلیم کیا جائے گا۔ شورش نے اپنے علمی و ادبی مصروفیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"حسب اتفاق در صوبہ داری میر محمد کاظم خاں احترام الدولہ بصلاح دوستاں و آشنایاں محفل مشاعرہ بروز جمعہ قرار یافتہ و در آں اکثر صاحباں بمہربانی فکر اشعار فارسی و ریختہ می فرمودند"

یہ مشاعرہ کوئی ایک سال تک جاری رہا اور رمضان کی وجہ سے اس کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ قرائن یہ بتاتے ہیں کہ یہ ۱۱۷۹ھ کے رمضان کی بات ہے۔

مشاعرے کی ان محفلوں میں جو شعرا شریک ہوتے تھے، ان کی نشاندہی شورش نے اپنے تذکرے میں کی ہے۔ مشاعرے کو حضرت شاہ رکن الدین عشق عرف مرزا گھسیٹا کی سرپرستی بھی حاصل تھی۔ وہ بہ نفس نفیس اس کی نشستوں میں شرکت کرتے تھے۔

مشاعرے کے ذریعہ شورش نے شاہ رکن الدین عشق کا تقرب حاصل کیا اور جب سلسلۂ مشاعرہ منقطع ہوگیا تو شورش نے خود ان کی مجلسوں میں شرکت شروع کردی اور شورش کی عقیدت ان سے اتنی بڑھ گئی کہ وہ ان کے ملفوظات قلم بند کرنے لگے۔

اس دوران ایک دن شاہ صاحب نے شورش سے ایک تذکرہ شعرا

لکھنے کی فرمائش کی لیکن اس زمانے میں انھیں بعض دوسری کتابوں کی تالیف کی دھن تھی اس لئے امتثال امر کا موقع انھیں نہیں ملا۔ جب کتابوں کی تالیف سے انھیں فرصت ملی تو شاہ رکن الدین عشق کے مشورے سے انھوں نے اپنا دیوان درست کیا۔ ایک دن شاہ صاحب نے پھر وہی تذکرے والی فرمائش دہرائی اور آخر کار شورش اس پر آمادہ ہو گئے اور تذکرہ قلم بند کر دیا۔
اتنی شرح وبسط کے ساتھ شورش کی مصروفیات کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اس کی روشنی میں تذکرے کی تحریر کا زمانہ مجہول نہیں رہ جاتا، مثنوی شورش اور تذکرۂ شورش کے درمیان کوئی بارہ ۱۲ سال کا وقفہ ہے، کہا جا سکتا ہے کہ اسی وقفے میں انھوں نے تذکرہ نگاری کا کام شروع کر دیا ہوگا لیکن شورش نے اپنی جو مصروفیات بتائی ہیں اور پھر یہ جو لکھا ہے کہ :

"قبل ازیں ارادۂ تحریر تذکرہ نبود ..... الحال (۱۱۹۱ھ)
مزاج احقر بایں طرف مائل شدہ"

اس سے آخری اور حتمی طور پر تذکرے کی تحریر کا زمانہ ۱۱۹۱ھ قرار پاتا ہے۔

— ۲ —

بہار میں اُردو شاعری کے آغاز اور اس کے ارتقا کے باب میں تذکرۂ شورش کو سب سے قدیم اور سب سے مستند ماخذ سمجھنا چاہئے۔
اس سے بعض مسلمات کی تردید اور بعض قیاسات کی توثیق ہوتی ہے۔ اس سے بعض غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا ہے اور اس کا مطالعہ بعض نئے مقدمات و مباحث کو جنم دیتا ہے اور غور و فکر کی نئی راہیں کھول دیتا ہے، یہی بات اس طرح بھی کہی جا سکتی ہے کہ تذکرۂ شورش بہار میں اُردو شاعری کی ایک نئی تاریخ کی

ترتیب و تدوین کا متقاضی ہے بلکہ اس کے لئے یہ نیا مواد بھی فراہم کرتا ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں غارت گری اور کشت و خون کا ایک نام نادر شاہی بھی ہے۔ نادر شاہ لگ بھگ دو ماہ کے قیام کے بعد صفر المظفر ۱۱۵۲ھ میں دہلی سے نکلا اور کچھ ایسا کر کے نکلا کہ پھر کبھی مرکزی حکومت کو استحکام نصیب نہیں ہوا، اس کے کوئی ایک سال کے بعد بنگال کی نظامت میں انقلاب آیا۔ مہابت جنگ علی وردی خاں علاء الدولہ سرفراز خاں سے اقتدار چھیننے میں کامیاب ہو گیا اور ۱۱۵۳ھ کے اوائل میں وہ بنگال، بہار اور اڑیسہ کا ناظم بن گیا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب ایک طرف دہلی میں اُردو شاعری کی رفتارِ ترقی تیز تر ہوئی اور دوسری طرف بہار میں اُردو شاعری کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور پھر ماہ بماہ و سال بسال اس کی عمارت کا نقشہ واضح ہوتا گیا۔

یہ بات خارج از امکان نہیں کہ نادر شاہی سے پہلے بہار میں اردو کے بعض شعر کہے گئے ہوں مگر اس کی حیثیت تبرک سے زیادہ نہیں ہوگی، وہ ایک استثنا ہوگا جس کا تاریخ کے تسلسل سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ یہاں یہ حقیقت پیش نظر رہے تو اچھا ہے کہ بہار کھڑی بولی کا علاقہ نہیں تھا۔ وہ تو اردو اور مشرقی ہندی میں جذب و انجذاب کی اتنی صلاحیت تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے بہار میں اردو کا سکہ چلنے لگا ورنہ گیارہویں اور بارہویں صدی کے بعض خطی نسخوں کے مطالعے سے مترشح ہوتا ہے کہ بہار کے علاقے میں جو تہذیبی زبان رائج تھی وہ اردو کے مقابلے میں مشرقی ہندی سے زیادہ قریب تھی!

یہ تو کوئی کہنے کی بات نہیں ہے کہ شورش کا عہد بہار کی اُردو شاعری کے نقطۂ آغاز سے زیادہ قریب تھا۔ شعرا سے ربط و ضبط بڑھانا اور اسے قائم رکھنا

شورش کا مزاج ثانیہ تھا۔ اس نے اپنے زمانے میں جو سنا ہوگا اور جس کا خود تجربہ کیا ہوگا، اس کو بیان کرنے میں اسے عار نہیں تھا۔

شورش کے بیان کے مطابق بہار کی سرزمین پر شروع شروع میں جن شاعروں نے قدم رکھا وہ ہیں فقیر صاحب دردمند اور بساون لعل بیدار یہ دونوں نواب غلام حسن خاں خلف نواب اعظم خاں کے ہمراہ نادر شاہی سے پہلے عظیم آباد آئے اور مختصر قیام کے بعد پھر دہلی چلے گئے۔ نواب غلام حسن خاں اواخر ۱۱۵۵ھ میں پھر عظیم آباد آئے اور فرائض منصبی کی انجام دہی کے لئے مرشد آباد چلے گئے۔ اس دوسرے سفر میں بھی یہ دونوں شعرا ان کے ساتھ تھے اور ان کے ساتھ ہی مرشد آباد گئے جہاں ان دونوں کو شہامت جنگ کی سرکار سے توسل حاصل ہوا۔ اس کے ثبوت میں شورش اور علی ابراہیم خاں خلیل کے یہ بیانات پیش کیے جا سکتے ہیں :

تذکرۂ شورش ما ترجمہ بیدار :

"منشی بساون لعل بیدار ... برفاقت غلام حسن خاں خلف نواب اعظم دیوان پادشاہی، پیش از نادر شاہی تشریف آوردہ ... تا خدمت دیوانی خان موصوف بہ عظیم آباد ماندہ و باز تشریف بہ شاہجہاں آباد برد۔ بعد ازاں روزیکہ غلام حسن خاں صاحب موصوف ہمراہ نواب صفدر جنگ وزیر برآمدہ، در مرشد آباد استقامت ورزیدہ ونشی صاحب دبساون لعل بیدار، را بخدمت نواب شہامت جنگ سپرد فرمود"

تذکرۂ شورش کا ترجمہ دردمند :

" محمد فقیہ دردمند ... ہمراہ دیوان غلام حسن خاں سلمہٗ
بہ عظیم آباد تشریف آوردہ ... بعد تغیر خدمت دیوانی خان
موصوف در شاہجہاں آباد تشریف بردہ۔ چند روز آنجا استقامت
نمودہ ، باز ہمراہ خان مذکور بخدمت سرادلی خزانہ تشریف آوردہ
و در مرشد آباد مع قبائل مسکن اختیار نمودہ ۔ "

گلزار ابراہیم بحوالہ گلشن سخن ترجمہ دردمند :

" دردمند ... حسب الطلب نواب شہامت جنگ
از دہلی بہ مرشد آباد آمد۔ تا زندہ بود از منسلکان نواب
مسطور بود ۔"

ان بیانات سے نواب غلام حسن خاں ، بساون لعل بیدار اور فقیہ صاحب دردمند
کی عظیم آباد میں دو بار آمد ثابت ہوتی ہے۔ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یہ لوگ جب دوسری
بار عظیم آباد آئے تو وہاں سے مرشد آباد چلے گئے اور بساون لعل بیدار و فقیہ صاحب
دردمند نواب شہامت جنگ کی سرکار سے متوسل ہوئے ۔
یہ لوگ مرشد آباد کب گئے اس سوال کا جواب کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے

شورش نے مندرجۂ بالا بیان میں صفدر جنگ کا ذکر کیا ہے جس سے یہ سوال اور بھی آسان ہو جاتا ہے۔

محمد شاہ کے حکم سے صفدر جنگ ۱۱۵۵ھ کے اواخر شوال یا اوائل ذی قعدہ میں عظیم آباد کے لئے روانہ ہوئے۔ معاملات کچھ ایسے پیش آئے کہ مہابت جنگ کی مداخلت نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ وہ صفدر جنگ کو عظیم آباد سے واپس بلا لے۔ اس طرح صفدر جنگ کا عظیم آباد میں قیام بے حد مختصر تھا، وہ ۱۱۵۵ھ کے اواخر یا ۱۱۵۶ھ کے اوائل میں عظیم آباد سے واپس چلے گئے (۱) ــــــ اور یہی زمانہ بساون لعل بیدار اور فقیہ صاحب دردمند کی مرشد آباد روانگی کا ہے!

پہلی بار یہ تینوں (نواب غلام حسن، بساون لعل بیدار، فقیہ صاحب دردمند) عظیم آباد کب آئے، اس کا تعین حتمی طور پر موجود مواد کی روشنی میں نہیں کیا جا سکتا ہاں قرائن یہ ضرور بتاتے ہیں کہ ان کی آمد نادر شاہی سے بہت پہلے کی بات نہیں ہے۔ عظیم آباد سے دہلی کی واپسی اور پھر دوبارہ دہلی سے عظیم آباد میں آمد کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ شورش کا یہ قول کہ 'چند روز آنجا استقامت نمودہ' قیام کے اختصار کی غمازی کرتا ہے۔

ایک قابل ذکر بات اور ہے۔ فقیہ صاحب دردمند کی آمد سے پہلے عظیم آباد میں ان کے "ساقی نامہ" کو رواج مل چکا تھا، یہ کوئی تعجب کا مقام نہیں، ابھی تک فقیہ صاحب دردمند کے ساقی نامے کے زمانۂ تصنیف

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے سیر المتاخرین : صفحات ۲۲ ــــ ۵۲۰ نیز تاریخ اودھ (جلد اول) از نجم الغنی صفحات ۶۲ - ۵۷

کا تعین نہیں کیا گیا ہے۔ راقم سطور کے پاس اس کا ایک مستند خطی نسخہ ہے جس کی کتابت ۱۱۴۷ھ میں ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہر حال میں ۱۱۴۷ھ میں یا اس سے پہلے تصنیف ہو چکا تھا اور اس طرح نادر شاہی سے پہلے عظیم آباد میں اس کا رواج پانا غلط نہیں ہے۔

جس شاعر کا شاہکار (ساقی نامہ) عظیم آباد میں پہلے پہنچ چکا تھا جب وہ بنفس نفیس وہاں پہنچا ہوگا تو اس کا ادبی حلقوں میں بلاشبہ خیر مقدم ہوا ہوگا۔ یہی بات اس طرح بھی کہی جا سکتی ہے کہ عظیم آباد میں پہلے پہل جس بڑے شاعر کی آواز سنی گئی اور اس کی جس تخلیق کو شہرت ملی، اس کا گہرا ربط مرزا مظہر جان جاناں سے رہ چکا تھا۔ ساقی نامے میں اپنے استاد مرزا مظہر جانجاناں کو درد مند نے اس طرح خراج تحسین پیش کیا ہے:

خدیو سخن، میرزا جان جاں
کہ حکم اس کا ہے ناطقے پر رواں
ہے اس کا لقب ذوالجلال سخن
کہ بندے ہیں سب اس کے ارباب فن
کوئی آج اس کے برابر نہیں
وہ سب کچھ ہے اِلّا پیمبر نہیں!

بساون لعل بیدار بنیادی طور پر فارسی کے شاعر تھے مگر وہ بھی 'ذوالجلال سخن' کے شاگرد تھے اور طرز مظہر جانجاناں کو سرزمین بہار میں مقبول بنانے میں انھوں نے بھی دل چسپی لی ہوگی۔

یہ تو ان دو شاعروں کا ذکر تھا، بہار میں جن کی آمد کی اولیت مسلّم ہے۔

شورش نے بیدار اور درمند کے ساتھ ایک اور نام لیا ہے، وہ ہیں میر باقر حزیں۔

باقر حزیں عظیم آباد کے رہنے والے تھے اور یہ پہلے آدمی ہیں جو دہلی گئے اور وہاں سے شاعر بن کر اور اپنے استاد مرزا مظہر جانجاناں سے تخلص (حزیں) پاکر واپس لوٹے۔ شورش کے جملے بطور خاص قابلِ لحاظ ہیں:

"میر محمد باقر... تشریف بہ شاہجہاں آباد برد...
وشاگردِ مرزا مظہر گردیدہ وحزیں تخلص یافتہ۔... بعد نادر شاہی
میر باقر موصوف از شاہجہاں آباد تشریف بہ عظیم آباد آوردہ...
گفتگوئے شعر وشاعری بطور مرزا موصوف رواج یافتہ"

شورش نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اردو شاعری کو بہار میں سب سے پہلے جس نے رائج کیا وہ باقر حزیں ہیں۔

یہیں میر باقر حزیں سے ہیبت قلی خاں حسرت نے اور خود شورش نے سلسلۂ تلمذ استوار کیا۔ حسرت کے بارے میں تو وہ یہاں تک کہہ دیتے ہیں:

"اول بنائے ریختہ در عظیم آباد ایشاں ریختہ۔ حسب اتفاق
بعد نادر شاہی میر باقر موصوف غفرلہ از شاہجہاں آباد بہ
عظیم آباد تشریف آوردہ، میر محمد حیات شاگردی میر مسطور
اختیار نمودہ"

اپنے بارے میں شورش یہ تو نہیں کہتے کہ بانیوں میں میرا نام بھی شامل سمجھا جائے لیکن باقر حزیں سے اپنی شاگردی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"دبہ تفضل برادر گرامی قدر میر محمد رضائے جرأت .. میلان
طبیعت احقر طرف ریختہ آمدہ، غزل گفتہ۔ بعد ازاں برادر
مسطور ایں عاصی را بہ میر باقر سپردہ تا بیت غزل اصلاح
از میر باقر موصوف گرفتہ"۔

باقر حزیں نے دہلی کے دوران قیام میں اتنی شہرت حاصل کرلی تھی کہ میر تقی میر نے اپنے تذکرے "نکات الشعرا" میں انھیں جگہ دی اور اس تذکرے کے نسخۂ پیرس کے مطابق ان کے دس شعر تذکرے میں نقل کئے جبکہ میر نے عادتاً نکات الشعرا میں مظہر جان جاناں کے شاگردوں کو بے رتبہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے

دہلی سے روانہ ہونے کے بعد باقر حزیں کو شعر و شاعری کی خدمت کا زیادہ موقع نہیں ملا، وہ اس کے بعد ۵ ا سال سے زیادہ زندہ نہیں رہے اور اس مدت میں بھی انھیں عظیم آباد میں جم کر رہنا نصیب نہیں ہوا، انھیں ڈھاکہ اور پورنیہ میں بھی قیام کرنا پڑا۔ اس کے باوصف یہ بات کچھ کم اہم نہیں کہ تھوڑی سی مدت میں ان کے کئی شاگرد داد سخن دینے لگے اور شاعری کا جو مذاق وہ دہلی سے لائے تھے، ان کے شاگردوں نے اسے عام کرنا شروع کیا۔

باقر حزیں کے قیام بہار کے دوران دہلی سے ایک اور مشہور شاعر عظیم آباد آئے، وہ ہیں اشرف علی خاں فغاں۔ فغاں نے عظیم آباد کا سفر دو بار کیا۔ پہلی بار وہ محمد شاہ کے آخری عہد میں آئے، یہ قیام بہت مختصر رہا کیونکہ اپنے رضاعی بھائی احمد شاہ کی ۱۱۶۱ھ میں تخت نشینی کے بعد یہ دہلی واپس چلے گئے۔ احمد شاہ کے زوال (۱۱۶۷ھ) کے بعد یہ عظیم آباد دوبارہ آئے اور پھر یہیں کے ہو کے رہ گئے۔

باقر حزیں کی وفات اور فغاں کی عظیم آباد میں دوبارہ آمد کے درمیان زیادہ وقفہ نہیں۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ عظیم آباد کی ادبی سرپرستی فغاں کے حصے میں آتی لیکن غالباً ان کے ظریفانہ مزاج کی وجہ سے انھیں وہ مسند نہیں دی گئی۔ عظیم آباد کا ادبی حلقہ بالواسطہ مرزا مظہر کا تربیت یافتہ تھا جہاں شاعری کے ساتھ ساتھ صوفیانہ سنجیدگی اور وسیع المشربی تھی۔ اسے حسنِ اتفاق ہی کہا جائے گا کہ جلد ہی بہار کو باقر حزیں کا نعم البدل شاہ رکن الدین عشق کی صورت میں مل گیا۔ شاہ صاحب ۱۱۷۰ھ میں بہار آئے، چند سال انھوں نے مرشد آباد میں گزارے اور پھر احترام الدولہ میر محمد کاظم خاں کے عہد نیابت میں مستقل طور پر عظیم آباد آگئے۔ یعنی ان کے عظیم آباد آنے کا زمانہ وہی ہے جب شورش نے ہفتہ وار مشاعرے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ قیاس یہ ہے کہ میر قاسم کے عہد نظامت میں وہ مرشد آباد آگئے اور اس کے زوال کے بعد ہی عظیم آباد واپس آگئے۔

شاہ رکن الدین عشق کا زمانہ بہار میں اردو شاعری کے فروغ کا زریں زمانہ ہے۔ جس طرح مرزا مظہر جان جاناں کو دہلی میں اپنے روحانی اور صوفیانہ اکتسابات کی وجہ سے ایک مرکزیت حاصل تھی، اسی طرح شاہ رکن الدین عشق کی خانقاہ کو روحانی اور شاعرانہ فیوض کے سرچشمے کی حیثیت حاصل تھی۔ وہ اپنے عہد کے ایک محترم اور بزرگ روحانی پیشوا مانے جاتے تھے اور دوسرے معتقدات کے لوگ بھی انھیں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ عظیم آباد میں شاہ صاحب کے مستقل قیام نے وہ خلا پورا کر دیا جو باقر حزیں کی وفات سے واقع ہوا تھا، یہاں شاعروں کی تعداد بڑھتی گئی اور ان کے

تلانذہ کا سلسلہ وسیع ہوتا گیا۔ شورش نے جب اپنا تذکرہ تحریر کیا تھا تو باقر حزیں اور شاہ رکن الدین عشق کے تربیت یافتہ شعرا کا نام دور دور تک پہنچ چکا تھا اور بارہویں صدی کے اواخر میں عظیم آباد کے باہر جو تذکرے لکھے گئے، ان میں ان شعرا کی قابل لحاظ نمائندگی ملتی ہے۔ ان میں سب سے اچھی مثال میر حسن کے تذکرہ شعرائے اردو کی ہے جس میں عظیم آباد کے شاعروں کے خط و خال نظر آتے ہیں۔

— ۳ —

تذکرۂ شورش کے بیانات کو دو خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو وہ بیانات جو جزوی یا کلی طور پر، رطب و یابس کا لحاظ کئے بغیر نکات الشعرا یا تذکرۂ گردیزی سے لے لئے گئے ہیں۔ یہاں ان سے بحث نہیں۔ دوسرے وہ بیانات ہیں جو شورش کی اپنی فراہم کردہ اطلاعات پر مبنی ہیں۔ یہ بیانات زیادہ تر ان شعرا سے متعلق ہیں جن کا کسی نہ کسی طرح کا ربط عظیم آباد سے ثابت ہے۔ یہی وہ بیانات ہیں جن کی وجہ سے تذکرۂ شورش کا مطالعہ آج بھی ذہن کے دریچے کھول دیتا ہے۔

تذکرہ شورش تک بہاریں اردو شاعری نے عمر کی تقریباً چالیس منزلیں طے کر لی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شورش نے قطع منازل کے اس عمل کو بہت قریب سے دیکھا تھا بلکہ کبھی کبھی تو وہ اس کا ہم عنان و ہم رکاب بھی رہا ہے، تذکرۂ شورش میں ایسے شعرا کی تعداد ۷۰ سے کم نہیں جنھیں پہلی بار اردو شعرا کے کسی تذکرے میں جگہ ملی، ان میں بھی اکثریت ان کی ہے جن سے شورش مل چکے تھے یا اگر ملے نہیں تھے تو ان کے بارے میں ذاتی معلومات

رکھتے تھے۔ اس گروہ کے شعرا کے بارے میں شورش کے بیانات بہت اہم ہیں اور یہی بیانات بظاہر بہار کی اردو شاعری کی مختلف بکھری ہوئی کڑیاں ہیں جب انھیں آپس میں مربوط کر دیا جائے گا تو وہاں کی ادبی تاریخ کے خط و خال واضح ہو جائیں گے۔

کسی شاعر کے بارے میں شورش کے بیانات، وہ مختصر ہوں یا طویل بڑی حد تک عبارت آرائی سے معرا ہیں۔ ان کے سامنے شعرائے اردو کے دو تذکرے تھے جن کا صرف انھوں نے مطالعہ ہی نہیں کیا تھا بلکہ ان سے اپنے تذکرے کا حجم بھی بڑھایا۔ میری مراد نکات الشعرا اور تذکرۂ گردیزی سے ہے مگر نہ تو شورش نے میر کے تعریضی انداز کو اپنایا اور نہ گردیزی کی عبارت آرائی کو۔ انھوں نے صاف گوئی اور بے تکلفی سے کام لیا۔ کسی کے بارے میں جتنا اور جو بھی وہ کہنا چاہتے تھے۔ انھوں نے کسی اہتمام کے بغیر کہا۔ کہیں کہیں ان کی عبارت اکھڑی اکھڑی یا بے مزہ اور پھیکی معلوم ہوتی ہے مگر شعرا کے تذکروں کا مطالعہ اس لئے تو نہیں کیا جاتا کہ اس سے تذکرہ نگار کی انشا پردازی کا جوہر پرکھا جا سکے۔ ان کے مطالعے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم حقائق تک پہنچ سکیں۔ اس نقطۂ نظر سے شورش ایک کامیاب تذکرہ نگار ہیں۔ انھوں نے جو حقائق ہمارے سامنے پیش کئے، ان سے شاعری کی تاریخ مرتب کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اس خیال کی توثیق مندرجۂ ذیل مثالوں سے ہو جاتی ہے۔

بہار میں اردو شاعری کی ترویج و ترقی کے باب میں شاہ رکن الدین عشق کی شخصیت ناقابل فراموش ہے۔ ابھی تک یہ واضح نہیں ہو سکا تھا کہ بہار کی سرزمین میں انھوں نے کب قدم رکھا۔ شورش کے بیانات سے اس کے

تعین کی راہیں آسان ہو جاتی ہیں۔

شورش قطعیت کے ساتھ کہتے ہیں کہ عظیم آباد میں وہ بائیس[۲۲] سال سے مقیم ہیں، یہ بیان ۱۱۹۱ھ کا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شاہ رکن الدین عشق ۱۱۶۹ھ میں عظیم آباد آئے۔ اس کی تائید شورش کے ایک دوسرے بیان سے ہوتی ہے۔ محترم کے ترجمے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ عظیم آباد میں ۲۲ سال سے مقیم ہیں یعنی محترم کی آمد بھی ۱۱۶۹ھ قرار پاتی ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ دوسرے ذرائع اتنا پہلے بتا چکے ہیں کہ شاہ رکن الدین عشق خواجہ محمدی کے ساتھ عظیم آباد آئے اور خواجہ محمدی اپنے خاندان والوں کے ساتھ عظیم آباد آئے تھے جس میں محترم بھی شامل ہیں۔

۱۱۶۹ھ کی توثیق ایک اور ذریعے بھی ہوتی ہے۔ نسخۂ آکسفورڈ میں خواجہ محمدی کے صاحبزادے خواجہ مکرم خاں حریف کے ترجمے میں یہ درج ہے:

"…. والد بزرگوار ایشاں در وقت سلطنت احمد شاہ بہادر بہ تقریب خدمت پلچ و مالدہ در صوبہ بہار تشریف آوردہ"

یہ 'پلچ و مالدہ' والی بات یہاں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ صاحب سیر المتاخرین نے شتاب رائے کی عظیم آباد میں آمد کا مقصد بھی خدمت پلچ و مالدہ بتایا ہے وہ کہتے ہیں:

"راجہ شتاب رائے …. پروردۂ خاندان صمصام الدولہ …. چوں صمصام الدولہ برحمت حق رفت و در شاہ جہاں آباد انقلاب بسیار پدید ار گشت، بودن خود دراں ملک صلاح نہ دید، دیوانی پادشاہی صوبہ عظیم آباد و خدمات محالات جاگیر صاحب

زادہ خود کہ پرگنہ پلچ و مالدہ بود، گرفتہ دریں نواح آمد "
اس عبارت سے شتاب رائے کی خدمت پلچ و مالدہ کا زمانہ متعین ہوجاتا ہے اور وہ ہے صمصام الدولہ خاں دوراں کی وفات۔

صمصام الدولہ کی وفات ۱۱۶۹ھ میں ہوئی۔ ریسناتھ سنگھ[1] بیدار نے " حیف بیست و چارم شوال بود " کو مادۂ تاریخ وفات قرار دیا۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہیں کہ شتاب رائے اور خواجہ محمدی خاں خدمت پلچ و مالدہ کے مقصد سے ۱۱۶۹ھ میں عظیم آباد آئے۔ خواجہ صاحب کے ساتھ ان کے اعزہ بھی تھے اور شاہ رکن الدین عشق بھی۔ رہ گئی نسخۂ آکسفورڈ کی " در وقت سلطنت احمد شاہ بہادر " کی بات تو دوسرے قرائن سے اس کی تائید نہیں ہوتی اس لئے یہ قابل اعتنا نہیں۔ تذکرۂ شورش کی روایت زیادہ صحیح ہے اور اس کی تائید دوسرے ذرائع سے بھی ہوتی ہے۔

تذکرۂ شورش سے ہیبت قلی خاں حسرت کے بارے میں بعض ایسی معلومات فراہم ہوتی ہیں جن کی روشنی میں حسرت کا مرتبہ متعین کرنے میں بڑی مدد ملے گی، شورش نے عظیم آباد میں شاعری کی بنیاد رکھنے والوں میں صرف حسرت کا نام لیا ہے۔ انھوں نے بساون لعل بیدار اور نقیہ صاحب دردمند کے بارے میں یہ بتایا کہ باہر سے عظیم آباد آنے والے ریختہ گو حضرات میں انھیں اولیت حاصل ہے، پھر یہ بتایا کہ یہاں سے باقر حزیں باہر گئے اور شاعر بن کر لوٹے جہاں تک ہیبت قلی حسرت کا سوال ہے تو وہ عظیم آبادی شاعروں کے

---

(۱) خطی نسخہ مملوکہ پروفیسر نورالحسن ہاشمی۔

اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو نہ باہر سے آئے اور نہ شاعری کے باب میں استفادے کی غرض سے باہر گئے۔ وہ پہلے عظیم آبادی شاعر ہیں جنھوں نے سرزمین بہار میں اس فن کی بنیاد رکھی۔ وہ کہتے ہیں :

" ہیبت قلی خاں حسرت عرف میر محمد حیات سلمہ اللہ تعالیٰ کہ اول بنائے ریختہ در عظیم آباد ایشاں ریختہ بحسب اتفاق بعد نادر شاہی میر باقر موصوف غفرلہٗ از شاہجہاں آباد تشریف آوردہ، میر محمد حیات مذکور شاگردی میر مسطور اختیار نمودہ "

حسرت حزیں کے شاگرد تھے، صاحب گلزار ابراہیم، صاحب گلشن سخن اور بعض متاخرین نے یہ جو کہا ہے کہ وہ مظہر جان جاناں کے شاگرد تھے، شورش کے بیانات کی روشنی میں درست نہیں قرار پاتے۔ حزیں اور حسرت میں استادی اور شاگردی کا جو مستحکم رشتہ تھا، اس کی دو مثالیں شورش نے پیش کی ہیں۔ انھوں نے حسرت کے رشتۂ تلمذ کا ذکر کرتے ہوئے، ان کا ایک شعر نقل کیا ہے :

فخر کرتا ہے ظہور اپنے پہ حسرت بر جا !
مل گیا اس کے تئیں ایسا ہی استاد کہ بس

اس شعر کو شاعرانہ تعلی پر محمول نہیں کرنا چاہئے اس کے پیچھے جو حقیقت مضمر ہے وہ حسرت کی شعری صلاحیت کے بارے میں حزیں کے حسن ظن کی بہترین مثال ہے۔

شورش نے میر تقی میر کے ان ایرادات کی تردید کرتے ہوئے کہ انعام اللہ خاں یقیں کا کلام ان کا اپنا نہیں ہے بلکہ ان کے استاد مرزا مظہر

جان جاناں کا ہے، استاد و شاگرد کے باہمی رشتوں پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، ضمنی طور پر انھوں نے یہ بھی بتایا کہ میر باقر حزیں نے اپنا دیوان اپنے شاگرد ہیبت قلی خاں حسرتؔ کے سپرد کر دیا تھا کہ اسے درست کر دیں اصل عبارت یہ ہے :

" اکثر بزرگان بعد وفات دیوان استاد خود درست نمودہ اند۔ چنانچہ .... میر باقر حزیں دیوان و ساقی نامہ وغیرہ را حوالہ میر محمد حیات حسرتؔ پیش از انتقال خود بایں نیت نمودہ بودند کہ درست نمایند و ہر جا کہ غلطی ماندہ باشد آں را رفع سازند۔ لکن کمال شاگرد عین کمال استاد است کہ درست نمودہ "

حسرتؔ کے ترجمے میں چند ایسے اشارے بھی ہیں جن پر دوسرے تذکرہ نگار خاموش ہیں مثلاً یہی کہ انھیں خطاب خانی اور جاگیر سراج الدولہ سے ملی تھی۔
حزیں کا مجموعۂ کلام ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے' نسخہ آکسفورڈ' میں ان کے دو دواوین کا ذکر ہے جو ان کے قیام دہلی کے دوران مرتب ہوا تھا مگر تذکرۂ شورش کے مندرجہ بالا بیان سے اس کی توثیق نہیں ہوتی، حقیقت حال کچھ اس طرح ہے :

" میر باقر .... تشریف بہ شاہجہاں آباد بردہ، شاگرد مرزا مظہر گردیدہ، حزیں تخلص یافتہ چنانچہ مشہور و معروف است کہ صاحب دیوان بودہ .... دیوان دیگر در ڈھاکہ درست فرمودہ و تخلص ظہور قرار دادہ "

اشرف علی فغاںؔ کا شمار مشہور شعرا میں ہوتا ہے، بہار میں اردو شاعری کی ترویج و ترقی میں ان کی خدمات بھی قابلِ لحاظ ہیں۔ ان کے سفر عظیم آباد کے بارے میں تذکرہ نگاروں اور محققین میں اختلاف رائے ہے، تذکرۂ شورش سے یہ گرہ کھلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ دراصل فغاںؔ نے بہار کا دو بار سفر کیا۔ پہلی بار احمد شاہ کی تخت نشینی سے قبل یہ آئے تھے، شورش نے اس پہلے ورود کا زمانہ بھی متعین کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"در عشرۂ ماہ محرم قبل از شمشیر خانی در عظیم آباد تشریف آورد ... چند روز نہ گزشتہ بود کہ بہ موجب طلب احمد شاہ بادشاہ روانۂ طرف دہلی گردیدہ۔ بعد تخلل سلطنت شاہ موصوف باز تشریف بہ عظیم آباد آورد"

جس طرح 'نادر شاہی' غارت گری اور کشت و خون کے لئے سارے ملک میں بدنام ہے، اسی طرح 'شمشیر خانی' بہار میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکی تھی، شمشیر خاں اور سردار خاں، علی وردی خاں، مہابت جنگ کے دو فوجی افسر تھے جنھیں مہابت جنگ نے معزول کر دیا تھا۔ ان دونوں نے مہابت جنگ کے چہیتے داماد اور بہار کے نائب ناظم احترام الدولہ ہیبت جنگ کو قتل کر کے اپنی معزولی کا انتقام لیا۔ ہیبت جنگ ایسے زمانے میں قتل ہوا جب مہابت جنگ کا رعب اور دبدبہ اپنے شباب پر تھا۔ شمشیر خاں نے جب ہیبت جنگ کے خلاف صف آرائی کی تو اس کی فوج نے عظیم آباد میں کچھ نادر شاہی قسم کی قیامت برپا کر دی۔ شورش نے 'شمشیر خانی' کی تلمیح سے یہی قیامت مراد لی ہے۔ (۱)

---

(۱) مزید تفصیل کیلئے دیکھئے (الف) تاریخ بہار و اڑیسہ، از سید اولاد حید صفحات ۵، ۶۔ ۲۶۵
(ب) سیر المتاخرین صفحات ۵۰ —— ۵۵۲۔

یہ واقعہ ۱۱۶۲ھ کے اوائل میں پیش آیا اور فغاں سالِ مذکور کے ابتدائی ایام میں عظیم آباد پہنچے لیکن پہنچنے کے چند دنوں کے بعد احمد شاہ کی تخت نشینی دہلی میں عمل میں آئی اور اس نے فغاں کو اپنے پاس دہلی بلا لیا۔ احمد شاہ کی معزولی (۲ جون ۱۷۵۴ء) کے بعد فغاں کو بھی پریشانی لاحق ہوئی اور وہ عظیم آباد واپس آگئے۔

جب فغاں دوبارہ عظیم آباد آئے تو یہاں مہاراجہ شتاب رائے کا توسل انھیں حاصل ہوا۔ اپنی ظریفانہ روش سے فغاں نے شتاب رائے کو اس درجہ رام کیا کہ اس نے فغاں کو ظریف الملک، مصاحب الدولہ، یکہ تاز جنگ کے خطاب اور النعماء سے نوازا۔

اب تک ان شعرا کے بارے میں تذکرۂ شورش کے معلومات افزا بیانات کا ذکر کیا گیا جن کا بہار میں اردو شعر و شاعری کی ترویج و ترقی میں نمایاں حصہ رہا ہے۔ دوسرے شعرا کے بارے میں بھی شورش کے بعض بیانات سے کچھ نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں مثلاً غلام یحییٰ حضور کے کسی استاد کا نام نہیں معلوم تھا۔ شورش نے بتایا کہ علم طب میں یہ محمد اسمٰعیل مستند کے شاگرد تھے۔ اسی طرح ضیاء الدین ضیا کے بارے میں انھوں نے بتایا کہ شتاب رائے سے وہ اس لئے خفا ہو گئے تھے کہ ہولی کی ایک محفل میں اس نے ان کی شان میں بعض گستاخانہ جملے ادا کئے تھے۔ تذکرۂ شورش کے مطالعے سے اور کچھ انکشافات بھی سامنے آئیں گے۔

۴

تذکرۂ شورش وجود میں کیوں کر آیا، اس سوال کا جواب شورش نے بہت واضح الفاظ میں دیا ہے۔ شورش کے زیر اہتمام ہر ہفتہ محفلِ مشاعرہ

منعقد ہوتی تھی، اس میں شاہ رکن الدین عشق بھی شریک ہوتے تھے۔ یہی مشاعرہ دونوں کے ربط باہمی کا سبب بنا، مشاعرے کا سلسلہ کوئی ایک سال کے بعد جب ختم ہو گیا تو شورش شاہ رکن الدین عشق کی مجالس میں شرکت کرنے لگے یہاں وہ شاہ صاحب سے اس قدر قریب آگئے کہ ان کے ملفوظات قلمبند کرنے لگے۔ یہاں یہ یاد دلا دینا بے محل نہ ہوگا کہ تصوف کی دنیا میں ملفوظات نویسی ایک بڑا اعزاز ہے اور یہ اعزاز ہر مرید کے حصے میں نہیں آتا۔ اس موضوع پر صاحب گنج ارشدی نے حضرت فریدالدین گنج شکر کا مندرجۂ ذیل قول جو نقل کیا ہے، وہ قابل ذکر ہے:

"مریدیکہ یک لفظ از فرمودۂ پیر خود بنویسد، ثواب آں زیادہ از اطاعت و عبادت ہزار سال است و بعد از وفات مقامش اعلیٰ علیین باشد" (۱)

ایک دن شاہ رکن الدین عشق نے شعرا کے ایک تذکرے پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ اس میں سودا کے قصیدے کا صرف ایک شعر نقل ہوا ہے۔ تذکرۂ شورش کے مجموعی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کا اشارہ میر کے نکات الشعرا کی طرف تھا، اس میں سودا کے قصیدے "تضحیک روزگار" کے صرف ایک شعر کو جگہ ملی ہے۔ شاہ صاحب کے ارشاد کے بعد ہی شورش کو خیال آیا کہ ایک تذکرہ انھیں خود مرتب کرنا چاہئے مگر اس زمانے میں یہ بعض دوسری کتابوں کی تالیف میں مصروف تھے اس لئے ان کی

---

(۱) گنج ارشدی (مخطوطہ) کتب خانہ سید ہاشم علی سبزپوش، ص ۲

طبیعت تذکرہ نگاری کی طرف مائل نہیں ہوئی۔ یہی بات ایک بار پھر شاہ صاحب نے کہی اور اب کے ذرا شدت کے ساتھ اور تفصیل سے کہی، انھوں نے کہا :

" مرداں کاہ را کوہ و کوہ را کاہ می نمایند، اشعار ہر یک بقدر ہر یک نمی نویسند۔ اگر شما تذکرہ بنویسید خوب است "

گویا یہ ایک حکم تھا اور سچ بات یہ ہے کہ شورش نے شاہ صاحب کے امتثال امر میں یہ تذکرہ لکھا ورنہ انھیں اپنی صلاحیت پر اعتماد نہیں تھا۔

تذکرے کے بارے میں شاہ رکن الدین عشق کے قول سے دو باتیں مترشح ہوتی ہیں، اول یہ کہ میر تقی میر نے انتخاب اشعار کے باب میں انصاف نہیں کیا اور دوم یہ کہ شورش جو تذکرہ لکھیں، اس میں اشعار کا انتخاب شاعر کے مرتبے کا لحاظ رکھتے ہوئے کرنا چاہئے۔ شورش کے سامنے تذکرہ نویسی کا ایک اور مقصد بھی تھا وہ یہ کہ اس میں 'ہندوستان' کے شعرا کے ساتھ ساتھ عظیم آباد کے شاعروں کے احوال و اشعار کو بھی جگہ ملنی چاہئے۔ شورش اپنے اس مقصد میں کامیاب نظر آتے ہیں اور تذکرۂ شورش اس لحاظ سے ایک تاریخی حیثیت کا مالک ہے کہ یہ عظیم آباد کے شعرائے اردو کا پہلا تذکرہ ہے۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ تذکرۂ شورش کا ایک حصہ ان شعرا سے متعلق ہے جنھیں تذکرۂ میر، تذکرۂ گردیزی میں جگہ مل چکی تھی۔ چند مستثنیات سے قطع نظر، ان شاعروں کے احوال و اشعار متعلقہ تذکرے سے نقل کر لئے گئے ہیں — اور شورش کی علمی دیانت داری کی اس سے بڑی مثال کیا ہوگی کہ انھوں نے اکثر مقامات پر اپنے ماخذ کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ زیادہ تر شورش نے

ان تذکرہ نگاروں کے بیانات پر نہ تو کوئی تبصرہ کیا ہے اور نہ اضافہ۔
گویا ان شاعروں کا ذکر محض اس دعوے کے ثبوت میں کیا گیا ہے کہ اس میں "ہندستان" کے شاعروں کے احوال و اشعار بھی ہوں گے۔
میں نے ابھی مستثنیات کا ذکر کیا ہے تو ان کے ذیل میں وہ شعرا آتے ہیں جو دہلی سے عظیم آباد چلے آئے تھے یا جن کے بارے میں شورش نے اپنے ذرائع سے کچھ اور معلومات بھی فراہم کرلی تھیں مثلاً اشرف علی فغاں قدرت اللہ قدرت وغیرہ۔

شاہ رکن الدین عشق نے شورش سے تذکرے کے بارے میں جو کچھ کہا تھا، اسے میر کے نکات الشعرا پر تنقید سمجھنا چاہیے۔ شورش نے اس باب میں شاہ صاحب کے جذبات و خیالات کو ملحوظ رکھا اور اپنے تذکرے میں جہاں انھیں موقع ملا، میر پر سخت سے سخت حملہ روا رکھا۔
میں نکات الشعرا[1] کے دیباچے میں اپنے اس خیال کا اظہار کرچکا ہوں کہ میر کے زمانے میں شاعروں کے دو مخالف گروہ بن گئے تھے اور میر کا تعلق جس گروہ سے تھا، اس کو انھوں نے خوب اچھالا ہے اور اپنے مخالف گروہ کو جس کی قیادت مرزا مظہر جان جاناں کر رہے تھے، ہدف تنقیص بنانے میں انھوں نے کسی تکلف سے کام نہیں لیا۔ نکات الشعرا کی اس روش کے خلاف پہلے جس نے آواز اٹھائی وہ تھے سید فتح علی گردیزی مگر ان کی مخالفت جارحانہ نہیں تھی۔
شاہ رکن الدین عشق کا اور نتیجے کے طور پر خود شورش کا تعلق بھی

---

(1) نکات الشعرا مرتبہ محمود الٰہی

مرزا مظہر جان جاناں کے گروہ سے تھا یہی سبب ہے کہ شورش نے اپنے تذکرے میں میرؔ پر سخت حملے کئے ہیں۔ میرؔ نے بطور خاص جن شاعروں پر اعتراضات کئے تھے، شورش نے ان کا دفاع بھرپور طریقے سے کیا ہے۔

میرؔ نے نکات الشعرا میں سخت ترین الزام یقینؔ پر عائد کیا تھا۔ بظاہر یہ الزام یقینؔ پر ہے لیکن بالواسطہ مظہرؔ جان جاناں اس کی زد پر آتے ہیں۔ میرؔ پہلے تو بہت خوب صورت طریقے سے انعام اللہ یقینؔ کا تعارف کراتے ہیں کہ :

"محتاج بہ تعریف و توصیف نیست۔ تربیت کردۂ
مرزا جان جاناں مظہر است" (۱)

اس کے بعد اپنے ترکش کا سب سے مسموم تیر یہ کہتے ہوئے خالی کرتے ہیں :

"میاں یقینؔ را مرد ماں ہی گفتند کہ مرزا مظہر او را شعر گفتہ
می دہد و وارث شعرہائے ریختہ خود گردانیدہ۔ از قبول کردن
ایں معنی بندہ راخندہ می آید کہ ہمہ چیز بوارث می رسد الا شعر۔"

اس کے بعد 'رعونت' کا ذکر کرتے ہیں اور پھر یہ بھی بتاتے ہیں کہ انھیں شعر فہمی کا سلیقہ نہیں ہے اور ان کا کلام نقص سے خالی نہیں ہے پھر میرؔ اپنے دعوے کے ثبوت میں چند واقعات سناتے ہیں جو طنز و تعریض سے معمور ہیں۔ میرؔ اسی پر اکتفا نہیں کرتے، مثال میں یقینؔ کے جو اشعار نقل کئے گئے ہیں، ان میں سے چند پر اعتراضات بھی کئے گئے ہیں۔

شورش نے میرؔ کے بیانات پر سخت ردِ عمل کا اظہار کیا ہے

---

(۱) نکات الشعرا : ترجمہ یقینؔ۔

بڑی تفصیل سے ان کے ایک ایک اعتراض کا جائزہ لیا ہے اور بعض اسے غلط ثابت کیا ہے۔ تذکرۂ شورش میں جتنے شعرا کے تراجم ہیں، ان میں انعام اللہ یقین کا ترجمہ طویل ترین ہے، اس کا سبب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ یقین پر میر کا وار کچھ مسموم نہیں تھا۔

میر نے مرزا مظہر جان جاناں کے گروہ کے جن شعرا کو مورد تنقیص بنایا ہے، شورش نے صرف ان کا دفاع نہیں کیا ہے بلکہ جہاں تہاں میر کے بیانات کا مذاق بھی اڑایا ہے۔ میر کے حالات کے بیان میں تو شورش نے میر کی سیادت کا قضیہ بھی لا کھڑا کیا ہے اور نسب میں ہیر پھیر کرنے والوں پر لعنت بھی بھیجی ہے۔!

۵

تاریخ اور تذکرے سے شورش کی دل چسپی فطری تھی، تذکرہ لکھنے سے پہلے وہ تاریخ کی ایک کتاب بھی لکھ چکے تھے جس میں بعض مغل بادشاہوں کا ذکر تھا۔ تاریخ کی یہ کتاب ناپید ہے لیکن اس سے اتنا تو اندازہ ہو ہی جاتا ہے کہ تاریخ نویسی سے انھیں خاص مناسبت تھی۔ تذکرے کو کسی نہ کسی انداز سے تاریخ کی ایک شاخ کہا جا سکتا ہے۔ اس طرح شورش کے لئے یہ فن بالکل اجنبی نہیں تھا اور سچ بات تو یہ ہے کہ شورش نے عظیم آباد سے تعلق رکھنے والے جن شعرا کے حالات لکھے ہیں، وہ انھیں ایک بڑے تذکرہ نگار کی صف میں پہنچا دیتے ہیں۔ ان کے سامنے اردو شعرا کے صرف دو تذکرے تھے، ان دونوں تذکرہ نگاروں نے اکثر ایسے شعرا پر قلم اٹھایا تھا جو نہ صرف یہ کہ ان کے ہم عصر تھے بلکہ کسی نہ کسی طور پر ان سے

ذاتی واقفیت بھی رکھتے تھے مگر یہ دونوں تذکرہ نگار متعلقہ شاعروں کی صحیح تصویر کھینچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ میر کی تصویر کشی ان کی ذاتی پسند کی مداخلت کا شکار ہو گئی۔ وہ کسی شاعر کی سیرت کا وہی پہلو پیش کرنا چاہتے تھے جس سے ان کے موضوع کی مثبت یا منفی اہمیت واضح ہو سکے۔ ہر چند گردیزی نے شاعروں کے ساتھ انصاف کرنا چاہا ہے مگر ان کے بیانات پر انشاپردازی حاوی ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلوص نیت کے باوصف وہ شعرا کے اصل خط و خال واضح نہیں کر سکے۔ تذکرۂ شورش کا حصۂ زیر بحث ان دونوں تذکروں پر فوقیت رکھتا ہے۔ ایک تو ان کے یہاں عبارت آرائی نہیں ہے، وہ جو کہتے ہیں، اسے آمد سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح صوفیہ اپنے رہن سہن اور طور طریقے میں تکلفات بے جا سے دور رہتے ہیں بلکہ اسی طرح شورش اپنے بیانات میں بے تکلف نظر آتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی ان کے بیانات سے زبان کا لطف نہ اٹھا سکے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان بیانات کی تہ تک ہر کوئی پہنچ سکتا ہے۔

شورش کے اکثر بیانات ان کی اپنی معلومات پر مبنی ہیں۔ جن لوگوں کو انھوں نے جتنا قریب سے دیکھا، ان کے بیانات حقیقت سے اتنا ہی قریب معلوم ہوتے ہیں۔ میں اوپر کہیں لکھ چکا ہوں کہ تذکرے میں کوئی ۷۵ ایسے شعرا کا ذکر ہے جن کے بارے میں شورش ذاتی معلومات رکھتے تھے، ان میں سے کم از کم ۲۵ ایسے ہیں جن سے وہ مل چکے تھے۔

حزیں، حسرت، حیرت، حریف، حیراں، ذاکر، دردمند، رضا، رند، فغاں، محترم، مصیب، مست، اظہر، امین، آگاہ، بیدار، بسمل، تمنا

جوشش وغیرہ سے ان کا تعارف ملاقاتوں پر مبنی تھا۔ ان کے ترجمے میں شورش نے بعض نئی معلومات فراہم کی ہیں۔ حضور، حال، ذوق، دل دیوانہ، اباحی، عزت، سائل وغیرہ سے انھوں نے اپنی ملاقات کا ذکر نہیں کیا، لیکن انداز بیان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ ان سے بہت قریب ہو کر گزرے ہیں اس لئے ان شاعروں کے بارے میں بھی ان کے بیانات کی اہمیت کم نہیں۔

شورش کی بے لوث تذکرہ نگاری کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ماخذ کا حوالہ دیتے ہوئے شرماتے نہیں۔ انھیں اس کی پروا نہیں کہ وہ اپنے تذکرے میں دوسروں کے بیانات نقل کر رہے ہیں۔ بیان ثقہ ہے کہ نہیں، اس کی ذمہ داری وہ اصل راوی کے سر ڈال دیتے ہیں۔ مجھے اردو شاعروں کا یہ پہلا اور آخری تذکرہ نظر آیا جس میں ماخذ و منابع کی نشاندہی کا اہتمام ذمہ داری کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ایک سے ایک ثقہ تذکرہ نگار دوسروں کے بیانات اس طرح نقل کر دیتے ہیں جیسے یہ ان کے اپنے بیانات ہیں، مگر شورش نے تذکرہ نگاری کے ایک بنیادی تقاضے کو پورا کیا اور یہ عنصر ان کی شخصیت کو بلند کر دیتا ہے۔

شورش کے سامنے جو تذکرے تھے، ان کے بیانات عام طور پر مختصر ہیں۔ شورش کے یہاں بھی اختصار کو راہ ملی ہے مگر وہ انتہائی مختصر بیانات سے مطمئن نظر نہیں آتے، ان کی اس بے اطمینانی کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب وہ میر کا کوئی بیان نقل کر دینے کے بعد یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ بس میر نے اتنا ہی لکھا تھا۔ ان کی تذکرہ نگاری کا ایک مقصد یہ بھی

تھا کہ اشعار شعرا کے مرتبے کے لحاظ سے منتخب کیے جائیں۔ اصول تو اچھا تھا لیکن اس پر عمل شورش کو ممکن نظر نہیں آیا اور اپنے عجز کا اعتراف بھی کہیں کہیں انھوں نے کیا ہے۔ بعض مواقع پر تو یہ بھی وعدہ کر لیا ہے کہ جب اس شاعر کے مزید شعر مل جائیں گے تو انھیں درج کر دیا جائے گا۔

:۶:

جس طرح تذکرۂ شورش تقریباً دو سو سال تک گوشۂ گمنامی میں پڑا رہا۔ اسی طرح شورش کے حالاتِ زندگی اور اس کے معمولات و مشاغل اہلِ علم کی نگاہوں سے اوجھل رہے ہیں۔ شورش کا تذکرہ تو دریافت ہو گیا مگر ان کے حالاتِ زندگی آج بھی پردۂ خفا میں ہیں۔ تذکروں نے ان کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں، ان پر برائے نام اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ 'گلشنِ سخن' 'مسرت افزا' اور 'گلزارِ ابراہیم' اردو شعرا کے یہ تین تذکرے ایسے ہیں جن کے لکھنے والے شورش کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کر سکتے تھے کیونکہ یہ شورش کے ہم عصر بھی تھے اور شعرائے عظیم آباد کا ذکر ان کے مقاصد میں شامل تھا مگر تذکرہ نگاروں کی عام روش کے مطابق یہ تینوں بھی اختصار کو ترجیح دیتے ہیں، یہی سبب ہے کہ ان کے بیانات سے شورش کے ایسے خط و خال واضح نہیں ہوتے جن کی بنیاد پر ان کی تصویر کشی کی جا سکے، بہر حال مختلف تذکروں سے ان کے بارے میں مندرجۂ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:-

(الف) میر غلام حسین نام عرف میر بھینا۔ شورش تخلص تھا۔

(ب) والد کا نام میر محسن تھا۔

(ج) وطن عظیم آباد تھا۔

(ھ) ملا وحید کے بھانجے تھے۔

(و) میر باقر حزیں کے شاگرد تھے۔

(ز) شاہ رکن الدین عشق عرف مرزا گھسیٹا سے مشورۂ سخن کرتے تھے اور ان کے ارادت مندوں میں تھے۔

(ح) ملازم پیشہ تھے اور علم و فضل نیز ریاست بزرگوں سے ورثے میں ملی تھی

(ط) تقریباً تمام اصناف سخن (غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی) پر قدرت رکھتے تھے۔

(ی) صاحب دیوان تھے اور ان کا کلیات تقریباً چار ہزار اشعار پر مشتمل تھا۔

یہ اجمال محتاج تفصیل ہے مگر ذرائع کے فقدان کی وجہ سے کوئی اضافہ ممکن نہیں معلوم ہوتا ہاں تذکرۂ شورش کے بعض بیانات سے کچھ اور باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کا یہاں ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

قرائن یہ کہتے ہیں کہ ۱۱۶۱ھ سے پہلے شورش عظیم آباد میں میر باقر حزیں کی شاگردی اختیار کر چکے تھے۔ حزیں صولت جنگ کے متوسلین میں سے تھے۔ صولت جنگ ۱۱۶۱ھ کے اواخر میں مرشد آباد گئے، مہابت جنگ نے انھیں پورنیہ کی فوجداری عطا کی تھی، اپنے منصب کے پیش نظر ۱۱۶۲ھ میں وہ مرشد آباد سے پورنیہ چلے گئے۔ صولت جنگ نے جب عظیم آباد کو الوداع کہا تو ان کے ہمراہ علما و فضلا کا ایک قافلہ تھا،(۱) اس قافلے میں حزیں بھی، صولت جنگ کے توسل کی وجہ سے، شامل رہے ہوں گے اور جب صولت جنگ پورنیہ

---

(۱) سیر المتاخرین ص ۵۷۳

چلے گئے تو ان کے متوسلین بھی مرشد آباد سے پورنیہ پہونچے ہوں گے ۔ اگر یہ صحیح مان لیا جائے کہ شورش نے حزیں کی شاگردی تقریباً بیس سال کی عمر میں ۱۱۶۱ھ میں یا اس سے کچھ قبل اختیار کی تو اس طرح ان کی پیدائش کا زمانہ ۱۱۴۰ھ کے لگ بھگ متعین ہوتا ہے ۔

میر محمد وحید شورش کے ماموں تھے اور اس طرح ان کے بیٹے میر محمد رضا جرأت شورش کے ماموں زاد بھائی تھے ۔ شورش کے انداز بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ اپنے ان دونوں قریبی اعزہ سے وہ بے حد متاثر تھے اور کیا عجب ہے کہ ان دونوں نے ہی ان کی پرورش کی ہو ۔ یہ میر محمد رضا جرأت ہی تھے جنھوں نے شورش کو میر باقر حزیں کے سپرد کیا کہ ان کے کلام کی اصلاح کر دیا کریں ۔ میر محمد وحید بھی صولت جنگ کے متوسلین میں تھے اور یہ توسل اتنا مضبوط تھا کہ ان کی سفارش پر صولت جنگ نے میر باقر حزیں کو بھی اپنے زمرۂ متوسلین میں شامل کر لیا ۔ میر محمد رحید بھی صولت جنگ کے ہمراہ مرشد آباد گئے اور پھر پورنیہ ۔ میر محمد وحید کے صاحبزادے میر محمد رضا بھی پورنیہ گئے اور ان کا تو انتقال بھی وہیں ہوا اور پھر ان کے جسد خاکی کو عظیم آباد میں لاکر مدفون کیا گیا ۔ شورش کا بھی پورنیہ جانا ثابت ہے ۔ وہ رنگین کے ترجمے میں کہتے ہیں :

" در پورنیہ دیوان او بہ نظر آمدہ بود "

یہ بات قرین قیاس ہے کہ وہ اپنے ماموں میر محمد وحید اور ماموں زاد بھائی میر محمد رضا جرأت کے ہمراہ پورنیہ گئے ۔

میر محمد رضا جرأت کا انتقال ۱۱۶۲ھ میں پورنیہ میں ہوا اور تقریباً اسی زمانے میں باقر حزیں کی وفات بھی پورنیہ میں ہوئی ۔ اب ان حقائق کی

روشنی میں شورش کا یہ بیان دیکھئے :

" وبعدہ میر باقر حزیں و میر محمد رضا سے جرأت رحلت از عالم فانی بعالم جاودانی نمودہ۔ صحبت شعر و شاعری برہم خوردہ زندگی بے حلاوت گردیدہ "

اپنے رنج کے حالات بیان کرتے ہوئے وہی شخص "صحبت شعر و شاعری برہم خوردہ و زندگی بے حلاوت گردیدہ" کہہ سکتا ہے جو خود اس صحبت کا ایک کردار رہا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ ۱۱۶۲ھ سے ۱۱۶۷ھ تک شورش نے پورنیہ میں قیام کیا اور اپنے ماموں زاد بھائی میر محمد رضا جرأت کے انتقال کے بعد عظیم آباد واپس چلے آئے۔ غالباً پورنیہ کے دوران قیام میں ہی انھوں نے دو مثنویاں لکھیں۔ مثنوی درد و الم اور مثنوی باغ و بہار۔

حزیں اور جرأت کے انتقال کے بعد شورش نے تیسری مثنوی لکھی جو "علی باغ" کی تعریف میں ہے اور جس کے ذیل میں میر محمد وحید اور زائر حسین خاں کی بھی مدح کی گئی ہے۔

شاد عظیم آبادی نے نواب علی ابراہیم خاں خلیل کے بیان میں "علی باغ" کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :

" نواب علی ابراہیم خاں کے پرانے آثارات میں سے پٹنہ میں ایک پشتہ دیوان محلہ میں تھا اور مغل پورہ میں علی باغ نامی باغ اور عمارت تھی۔ " (۱)

علی باغ کا ذکر تاریخ کے کتابوں میں بھی ہے۔ صاحب سیر المتاخرین نے اسے

---

(۱) تذکرۂ شعرائے اردو بزبان سید علی محمد شاد ص ۶۰ بحوالہ معاصر پٹنہ نمبر ۲۰

"علی باغ زائر حسین خاں" کے نام سے یاد کیا ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں
شجاع الدولہ اور میر جعفر کے حلیف کمپنی والوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔
زائر حسین کا نام بہار کی تہذیبی اور ثقافتی تاریخ میں احترام کے ساتھ لیا جاتا
ہے۔ یہ مشہور عالم ملا محمد نصیر کے صاحبزادے تھے اور علی ابراہیم خاں خلیل
کے صرف عزیزوں میں نہیں بلکہ ان کے سرپرستوں میں تھے۔ یہ پہلے داؤد علی
خاں کے نام سے یاد کیے جاتے تھے لیکن عتبات عالیہ کی زیارت کے بعد انھوں
نے داؤد علی خاں کو "زائر حسین خاں" سے بدل دیا اور اس نئے لقب پر وہ
فخر کرتے تھے۔ (۱)

میں جملہ معترضہ کے طور پر اپنے ایک اور قیاس کا اظہار کرنا چاہتا
ہوں۔ اپنے ماموں میر محمد وحید کی مدح کے ساتھ اُسی مثنوی میں زائر حسین
خاں کی مدح شورش نے کسی نہ کسی تعلق کی بنا پر کی ہوگی ، یہ تعلق قرابت
داری کا بھی ہو سکتا ہے۔!

زیر بحث مثنوی باقر حزیں اور میر محمد رضا جرأت کی وفات کے ایک
سال کے بعد کہی گئی۔ شورش لکھتے ہیں :

" بعد یک سال چوں قدرے مزاج درست و بحال شد
مثنوی سوم در تعریف علی باغ مشتمل بر مدح حضرت مولوی
محمد وحید قدس سرہ و زائر حسین خاں صاحب غفرلہ باتمام
رسانیدہ "

سیاق عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً یہ مثنوی عظیم آباد میں کہی گئی۔ اسے

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے سیر المتاخرین ص ۶۱۲ و ۶۴۹

۱۱۶۵ھ یا زیادہ سے زیادہ ۱۱۶۹ھ کی تخلیق کہنا چاہئے۔ اس کے بعد عظیم آباد میں دہلی کے علم دوستوں کا نیا قافلہ آیا، شورش کو نیا ماحول ملا اور آخر کار انھوں نے میر محمد کاظم خاں احترام الدولہ کے عہد نیابت میں سلسلۂ مشاعرہ کا آغاز کیا جس کا قدرے ذکر اوپر کی سطروں میں آچکا ہے۔

یہ مشاعرہ شورش کی ادبی زندگی کا سب سے اہم سنگ میل ہے۔ یہی سبب بنا شورش اور شاہ رکن الدین عشق کے ربط باہمی کا اور اس کے بعد شورش عمر بھر شاہ صاحب کے دامن رشد و ہدایت سے وابستہ رہے۔

یوں تو شورش کا تعلق ابتدائے شعور سے ایسے لوگوں سے رہا جو ملک کے مشہور صوفی شاعر مرزا مظہر جان جاناں کے حلقۂ تلمذ میں شامل تھے مگر یہ تعلق صرف شاعری کے سیاق و سباق میں تھا، اب جو شاہ رکن الدین عشق سے وہ ملے تو وہ سلوک و طریقت سے بھی دلچسپی لینے لگے۔ اس بات کو خارج از امکان نہیں ٹھہرایا جا سکتا کہ میر بھینا کی عرفیت مرزا گھسیٹا کی رعایت سے اپنالی گئی ہو۔ اس طرح کی عرفیت حلقۂ صوفیہ میں رائج رہی ہے!

شورش نے عشق کی مجالس میں شرکت شروع کی اور ان سے ارادت اتنی بڑھی کہ انھوں نے عشق کے ملفوظات قلم بند کیے جس کا ذکر شروع کے صفحات میں کہیں آچکا ہے۔ انھوں نے مشہور بزرگ پیر دستگیر ابوالفیاض قمرالحق کے ملفوظات 'گنج فیاضی' کا انتخاب کیا۔ اسی دوران ایک اور کتاب انھوں نے لکھی جس کا نام 'ارشاد العارفین' ہے اور عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا موضوع بھی تصوف ہے۔ شورش نے اپنی ایک اور کتاب 'صیقۃ النجات' کا بھی ذکر کیا ہے، کیا عجب ہے کہ اس کا تعلق بھی تصوف سے ہو۔ ان متصوفانہ یا مذہبی

کتابوں کے علاوہ انھوں نے مغلیہ سلطنت کی تاریخ پر بھی ایک کتاب لکھی تھی اب یہ ساری کتابیں ناپید ہیں۔ ان کی دریافت کے بعد ہی شورش کے حالات واکتسابات سے بحث کی جا سکتی ہے۔ خلاصے کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شورش نے اپنی جن تصنیفات کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں :

۱۔ مثنوی درد والم (۱)

۲۔ مثنوی باغ و بہار

۳۔ مثنوی در تعریف علی باغ مشتمل بر مدح حضرت مولوی محمد وحید و زائر حسین خاں۔

۴۔ ارشاد العارفین۔

۵۔ احوال بادشاہان ہندوستان از معزالدین تا وقت جلوس شاہ عالم

۶۔ صحیفۃ النجات

۷۔ منتخب گنج فیاضی

۸۔ شرح بیت حضرت شاہ نعمت اللہ ولی :

ہرچہ پیدا وہرچہ پنہاں است
جملہ در یک وجود انسان است

اول الذکر تینوں مثنویوں کو چھوڑ کر باقی کتابیں انھوں نے شاہ رکن الدین عشق

---

(۱) شورش کی ایک مثنوی جو "الٰہی دل عطا کر جلوۂ نور = زباں مجھے ہم زبانِ شعلۂ طور" سے شروع ہوتی ہے اور "سخن ہے عشق کا شورش تو بس کر = بس اے آتش نفس ضبطِ نفس کر" پر ختم ہوتی ہے، خدا بخش لائبریری، پٹنہ میں محفوظ ہے، قیاس کہتا ہے کہ اسی مثنوی کا عنوان 'درد والم' ہے۔

کے زمانۂ ارادت میں تصنیف کیں۔ اس کے بعد شورش نے شاہ صاحب کے مشورے سے اپنا دیوان درست کیا اور آخر میں (۱۱۹۱ھ میں) یہ تذکرہ انھوں نے لکھا۔ شورش نے یہ تذکرہ شاہ رکن الدین عشق کی تحریک پر لکھا اور اس کا نام انھوں نے 'رموز الشعرا' رکھا۔ انھوں نے حاشیے پر اس کی بھی صراحت کر دی کہ اسے 'تذکرۂ شورش' کہنا بھی کوئی مضائقے کی بات نہیں۔ صاحب مسرت افزا نے اس کا تاریخی نام 'یادگار دوستانِ روزگار' بتایا ہے، اس کا امکان ہے کہ شورش نے خود یا ان کے کسی شناسا نے اس کا قطعۂ تاریخ کہا ہو جس کے مذکورہ مصرع سے اس کا مادہ تاریخ برآمد ہوتا ہے۔ بہرحال تذکرے میں اس نام کا کہیں کوئی ذکر نہیں۔

جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے کہ میر کے نکات الشعرا سے بیزاری اور بے اطمینانی اس تذکرے کے وجود میں آنے کا ایک سبب ہے۔ گویا یہ ایک حریفانہ پیش کش بھی ہے اس لیے نکات الشعرا کے مقابلے میں اس کا نام 'رموز الشعرا' رکھنا ایک فطری امر ہے۔

—————— : ۷ : ——————

تذکرۂ شورش میں ۲۶۴ شعرا کا ترجمہ شامل ہے لیکن مرزا غلام شاہ کا ترجمہ 'غ' کے ذیل میں بھی کیا گیا ہے اور 'ش' کے تحت بھی۔ اس طرح شعرا کی اصل تعداد ۲۶۳ رہ جاتی ہے۔

بارھویں صدی ہجری میں لکھے جانے والے شعرائے اردو کے تذکروں میں تذکرۂ شورش اس لحاظ سے بھی سرفہرست ہے کہ اس میں شعر و شاعری سے متعلق ایک طویل خطبہ (مقدمہ) شامل ہے۔ یہ خطبہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ شورش کو شاعری کے مالہ و ماعلیہ سے کسی قدر واقفیت تھی، یہی نہیں وہ تذکرے

کو تاریخ کی ایک کڑی سمجھتے تھے ۔ چونکہ وہ شعرائے بہار کا پہلا تذکرہ لکھ رہے تھے اس لئے وہ اسے زیادہ سے زیادہ جامع بنا دینا چاہتے تھے وہ اپنے خطبے کے ابتدائی اوراق میں کبھی اپنی مصروفیات کے ذیل میں اور کبھی بعض دوسرے اہل علم کے حوالے سے بہار میں اردو شاعری کا ایک خاکہ بھی کھینچ دینا چاہتے تھے اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے ۔ ہو سکتا ہے کہ آج ہمیں ان کے ادبی تاریخ کا تصور خامیوں سے معمور نظر آئے لیکن جس عہد میں یہ تذکرہ لکھا گیا، اس میں تذکرے کو تاریخ سے مربوط کرنے کا چلن کہاں تھا ۔ بہار میں اُردو شاعری کے آغاز و ارتقا کے باب میں تحقیق کی راہیں ہمیشہ کھلی رہیں گی مگر جس دائرے کی نشاندہی شورش نے کر دی ہے ، اسی میں ہر پھر کے رہنا پڑے گا ۔

خطبے میں شاعری کی افادیت کی توجیہ متعدد مثالوں کی روشنی میں کی گئی ہے ۔ ظاہر ہے کہ ان مثالوں کا شمار شورش کے اختراعات میں نہیں ہوگا مگر انھیں ایک مربوط اور منظم شکل میں پیش کرنے کا سہرا ان کے سر ہے ۔

میر نے نکات الشعرا کے آخر میں اختصار کے ساتھ اقسام ریختہ پر روشنی ڈالی ہے شورش نے اس موضوع کی جگہ خطبے میں نکالی اور اس طرح نکالی کہ وہ خطبے کا ایک لازمی حصہ معلوم ہوتا ہے ۔ اس باب میں شورش نے میر کے بیانات پر گراں قدر اضافے کیے ہیں جنھیں اردو میں قواعد سازی کی ابتدائی کاوشوں کا جائزہ لیتے ہوئے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔

میر نے ریختہ کی چھ قسمیں بتائی ہیں ، شورش نے اقسام کی تعداد دس تک پہنچا دی ہے ۔ یہ تقسیم کس بنیاد پر عمل میں آئی ، اس کی نشاندہی نہ تو میر نے کی اور نہ شورش نے ۔ میر نے اس کے دائرے میں زبان کی صرفی ساخت کو بھی

شامل کر لیا ہے اور لفظی و معنوی صنائع کو۔ یہی نہیں، انھوں نے 'انداز' کو ریختہ کی ایک قسم کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور یہ وہ قسم ہے جو تجنیس و ترصیع سے لے کر فصاحت و خیال تک کو محیط ہے۔ شورش نے بھی یہی وتیرہ اختیار کیا ہے۔

اس سے قطع نظر کہ ان دونوں بزرگوں نے ریختہ کی جو تقسیم کی ہے وہ منطق ہے کہ نہیں، ان کے بیانات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ شورش پہلے تذکرہ نگار ہیں جنھوں نے قواعد کے نقطہ نظر سے ریختہ کو موضوع قلم بنایا۔ ان کا یہ بیان :

" مضاف فارسی باشد و مضاف الیہ ہندی باشد، ممنوع است۔ یا مبتدا فارسی باشد و خبرش ہندی باشد و غیر مانوس ریختہ و زبانِ ریختہ باشد، ممنوع است۔ و مبتدا فارسی و خبرش ہندی مانوس زبانِ ریختہ باشد، درست است۔ چنانچہ گفتہ :

مانوگے میری بات بھی یا طنتے نہیں
ہاں ہاں میں تا کجا کروں اور تم نہیں نہیں

ریختہ کو علم قواعد سے مربوط کرنے کی پہلی شعوری کوشش سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ان کا یہ بیان بھی :

" حرف وادات و روابط فارسی و عربی آوردن در ریختہ قبیح است چنانچہ تا و با و در و بر و حرفہائے عربی چوں من و الا و حتی و تا و فعل فارسی چوں بگو و مگو و کن و مکن۔ فعل عربی چوں قل و لا تقل و افعل و لا تفعل الا آنکہ کلمہ باشد کہ آنرا استعمال بہ فعل ہم می کنند و بہ اسم ہم می کنند۔ مبنی اسم

خواہند آورد وبعض فعل نخواہند آورد چنانچہ "خر" اسم است و خواہند آورد وبعضی خریداری نخواہند آورد کہ امر است "
اساتذہ کے مختارات کو قواعد کے سانچے میں ڈھالنے کی ایک کوشش کے نام سے یاد کیا جا سکتا ہے۔

۸

تذکرۂ شورش کا زیر بحث خطی نسخہ ۱۶۳ اوراق یا ۳۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا کم از کم شروع کا ایک اور آخر کا ایک ورق غائب ہے۔ نسخہ قدیم ہے اور دست برد زمانہ سے اس کے اوراق بڑی حد تک محفوظ ہیں۔ آخر کے چند اوراق خستہ ضرور ہو گئے ہیں مگر یہ خستگی بھی اصل متن کو بہت کم متاثر کر سکی ہے مشکل سے ۱۲ الفاظ ہوں گے جو پڑھے نہیں جا سکے۔

تذکرے میں تحریر و کتابت کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ مصنف کا اصل نسخہ ہے۔ کہیں کہیں دو شاعروں کے ترجمے کے درمیان کچھ جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے جس کے ثبوت میں صفحات ۵۵، ۵۰، ۹۷، ۱۰۶، ۱۱۲، ۱۱۷، ۱۲۳، ۱۳۹، ۱۶۸، اور ۲۰۷ پیش کئے جا سکتے ہیں۔ صفحات ۶۲، ۱۴۰ اور ۱۴۱ بالکل سادہ ہیں۔ غالباً ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ یہاں کسی اور شاعر کا ترجمہ درج کرنا مقصود تھا یا شاعر سابق کے کچھ اور اشعار بعد میں درج کرنے کا خیال تھا۔

شاعروں کے حالات میں مسودہ کہیں کہیں معمولی ترمیم کا شکار ہوا ہے۔ جملے کو قلم زد کر کے اس کے اوپر یا حاشیے پر نئے جملے لکھ دیے گئے ہیں قلم اور انداز خط میں کوئی خاص فرق نہیں معلوم ہوتا ہے۔

شعرا کی ترتیب میں حروف تہجی کا لحاظ رکھا گیا ہے اور ہر حرف کو ایک

'باب' تصور کیا گیا ہے۔ بیشتر حروف کے شروع میں اسی لحاظ سے عنوان بھی قائم کیا گیا ہے جیسے باب الحا اور باب الدال۔ کہیں کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ دو حروف کے درمیان کوئی عنوان نہیں ہے اور ایک حرف سے شروع ہونے والے شاعروں کے ذکر کے بعد دوسرے حرف کے شعرا کا ذکر کسی عنوان کے بغیر کر دیا گیا ہے۔

کاتب تذکرہ کو خوشخط نہیں کہا جا سکتا۔ شروع کے کوئی سو صفحے تو اس نے قلم سنبھال کر لکھا ہے لیکن بعد کے صفحات میں اس کا خط شکست کے قریب پہنچ گیا ہے اور کہیں کہیں اس کا خط شکست بدخطی کا نمونہ بن گیا ہے۔ کاتب نے کہیں املا کی غلطیاں کی ہیں اور ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک جگہ کسی لفظ کا املا صحیح لکھا گیا ہے اور دوسری جگہ یہ غلط ہو گیا ہے۔ اغلاط املا کی بعض مثالیں یہ ہیں۔ حوادث کو حوادس؛ احرار کو اہرار؛ اکسیر کو اکثیر اور روضہ کو رُوزہ لکھ دیا گیا ہے۔

تذکرے کا جو متن پیش کیا جا رہا ہے، اس میں املا کی غلطیاں درست کر لی گئی ہیں۔ پہلے زمانے میں حرکات کا اعلان حروف علت کے ذریعہ بھی کیا جاتا تھا، کوشش کی گئی ہے کہ شائع ہونے والے متن کو مروج املا کے مطابق کر دیا جائے مگر اس کی پابندی لازمی طور پر نہیں کی گئی ہے۔ کہیں کہیں ایسا اندازہ ہوا کہ کاتب سے کوئی لفظ قلم انداز ہو گیا ہے جس کی وجہ سے مفہوم خبط ہو گیا یا شعر وزن سے گر گیا۔ ان مواقع پر قوسین میں قیاس کے سہارے مناسب لفظ لکھ دیا گیا ہے۔

شورش نے تذکرۂ میر یا تذکرۂ گردیزی سے جو بیانات اخذ کیے ہیں،

انھوں نے بیشتر اس کا حوالہ دے دیا ہے لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ انھوں نے اپنے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔ کوشش کی گئی ہے کہ شورش اور میر یا گردیزی کے بیانات کا تقابلی مطالعہ کر لینے کے بعد حاشیے میں شورش کے ماخذ کی وضاحت کر دی جائے، یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ شورش نے ان دونوں تذکرہ نگاروں کے بیانات من و عن نقل کر دیے ہوں لیکن اگر راقم السطور کو سیاق و سباق کی روشنی میں یہ محسوس ہوا کہ شورش کے کسی بیان کا ماخذ تذکرۂ میر یا تذکرۂ گردیزی ہے تو اس کا اظہار کر دیا گیا ہے۔

شعرائے اُردو کے بہت کم ایسے تذکرے ہیں جو شورش کے ذکر سے خالی ہیں۔ انھیں معاصر تذکرہ نگاروں نے بھی یاد رکھا اور ان سے جن لوگوں نے تذکرہ نگاری کا چراغ جلایا، انھوں نے بھی مگر شورش کا ذکر ان کی شاعری کی وجہ سے کیا گیا، نہ کہ ان کی تذکرہ نگاری کی بنیاد پر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی شاعرانہ حیثیت کسی نہ کسی خصوصیت کی وجہ سے اصحاب نظر کے نزدیک قابل اعتنا ضرور رہی ہے۔ تذکرۂ مسرت افزا، تذکرۂ عشق، گلشن سخن اور گلزار ابراہیم کا شمار شورش کے ہم عہد یا ان کے قریب العہد تذکروں میں ہوگا۔ یہ چاروں تذکرے شورش کے صاحب دیوان شاعر ہونے کا دعوا کرتے ہیں اور صاحب گلشن سخن نے یہ بھی کہا ہے کہ ان کا دیوان چار ہزار اشعار پر مشتمل تھا —— اور یہ قول کچھ غلط نہیں معلوم ہوتا۔

شورش نے اپنے تذکرے میں تقریباً چار سو غزلوں کے منتخب اشعار پیش کئے ہیں۔ اس وقت کے غالب رجحان کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر یہ قیاس کیا جائے کہ ان کی ہر غزل سات شعر پر مشتمل ہوتی تھی تو لگ بھگ اٹھائیس سو اشعار

کا ثبوت فراہم ہو جاتا ہے۔ انھوں نے کم از کم تین مثنویاں بھی کہیں ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انھوں نے قصیدے بھی کہے۔ رباعیوں کا انتخاب تو متعدد تذکروں میں ملتا ہی ہے۔ اس طرح چار ہزار اشعار کی تعداد کو کسی طرح مبالغہ آمیز نہیں کہا جا سکتا۔

شورش نے اپنے ہم مکتب "حبیب قلی خاں حسرت کو یہ کہکر بہت بڑا خراج عقیدت پیش کیا ہے کہ یہ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے عظیم آباد میں اردو شاعری کی بنیاد رکھی مگر سچ بات یہ ہے کہ اس بنیاد کو مضبوط بنانے میں شورش کا ہاتھ بھی کم نہیں رہا ہے۔

شورش اور حسرت کا شمار باقر حزیں کے صاحب دیوان شاگردوں میں ہے۔ جب باقر حزیں دہلی سے مظہر کی شاگردی اختیار کر کے عظیم آباد لوٹے تو ان دونوں نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا لیکن اس حقیقت کے باوصف یہ کہنا چاہئے کہ حسرت کا شمار صف اول کے شعرا میں ہو گا۔ حسرت کی شاعری 'سواد اعظم' سے الگ نہیں ہوئی، اس کا رنگ اردو کی عام شاعری کے رنگ سے ملتا جلتا ہے۔ وہ عظیم آبادی نہیں، دہلوی معلوم ہوتے ہیں۔

شورش کا معاملہ اس سے کچھ الگ تھلگ ہے، ان کی زبان کچھ اکھڑی اُکھڑی سی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی وہ زبان سیکھ رہے ہیں اور ان کے یہاں چلتے چلتے ٹھوکر کھانے اور گر کر سنبھلنے کا انداز ملتا ہے۔ وہ حسرت کی طرح دوسرے کی زبان کو اپنی زبان بنا لینے کا گر نہیں جانتے۔ ان کی زبان کچھ کھردری سی ہے۔ زبان کی ناہمواری ان کے خیالات کے بہتے ہوئے دھارے کے لئے قدغن بن جاتی ہے۔ خیالات کے ساتھ وہ زبان کو رواں نہیں کر پاتے جس کا

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے قاری کو بھی اٹک اٹک کر اور رک رک کر چلنا پڑتا ہے۔

شورش کے اس انداز کو بظاہر ایک بڑا عیب گردانا جائے گا مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اردو میں جذب و انجذاب کی ایک ایسی صلاحیت ہے جو دوسری زبانوں میں کم ہی ملتی ہے، اردو کو وسعت اس کی اسی صلاحیت کی وجہ سے ملی۔ یہ جہاں بھی گئی، اس نے مقامی اثرات ضرور قبول کئے۔ یہی عمل شورش کے یہاں واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔

جہاں تک کلام شورش کی مجموعی قدر و قیمت کا سوال ہے تو اس کا جواب اس کلیے میں مل جائے گا کہ تصوف سے شاعری کو کچھ ملا ہو یا نہ ملا ہو، کم از کم سنجیدگی اور رکھ رکھاؤ اسے ضرور ملا ہے۔ شورش کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے خصوصیت کے ساتھ کہا ہے کہ ان کا مذاق صوفیانہ تھا، اب جبکہ ان کی شاعری کا معتدبہ نمونہ سامنے آگیا ہے تو تذکرہ نگاروں کے خیال کی توثیق ہو جاتی ہے۔

شورش کی شاعری میں نہ تو پھکڑپن ہے اور نہ ابتذال۔ ان کے یہاں عامیانہ طنطنہ بھی نہیں ہے، وہ واردات قلبی کا بیان بڑے سیدھے سادے مگر موثر انداز میں کرتے ہیں، ان کے خیالات میں بھی پختگی ہے اور اظہار خیالات میں بھی، وہ ضبط کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے، وہ عشق کو ایک ایسے تجربے کے روپ میں پیش کرتے ہیں جس سے عبرت بھی حاصل کی جا سکتی ہے اور جسے دوبارہ آزمایا بھی جا سکتا ہے۔ فرسودہ ہونے کے باوجود ان کے تصور عشق میں ایک تازگی ہے اور یہی تازگی ان کی غزلوں کی جان ہے۔

مقدمۂ مصنف

(۱)

(.......... وانعام اللہ خاں یقین وحضرت مرزا جان جان مظہر وساقی نامہ فقیہ صاحب رواج یافتہ۔ بعد نادرشاہی میر باقر موصوف از شاہجہان آباد تشریف بعظیم آباد آوردہ۔ بعد چندے فقیہ صاحب در دمند ومنشی بساون لعل بیدار نیز ہمراہ نواب غلام حسن خاں رونق بخش زین صوبہ بہار گردیدہ۔ گفتگو (ے) شعر و شاعری بطور میرزا موصوف رواج یافتہ۔

وبتفضل برادر گرامی قدر میر محمد رضاے جرأت ، کہ فاضل جید بودند و در نثر ونظم مہارت کمال داشتند، گاہے غزل فارسی بہ مشورۂ فقیہ صاحب مذبور می فرمودند، میلان طبیعت احقر طرف ریختہ آمدہ، غزل گفتہ۔ بعد ازاں برادر مسطور ایں عاصی را بہ میر باقر مذکور سپرد فرمودہ، تا بیت غزل اصلاح از میر باقر موصوف گرفتہ۔ بعدہ مزاج احقر مائل طرف مثنوی شد۔ مثنوی "درد والم" و "باغ وبہار" گفتہ۔ بعدہ میر باقر حزیں ومیر محمد رضاے جرأت رحلت از عالم فانی بعالم جاودانی نمودہ، صحبت شعر وشاعری برہم خوردہ وزندگی بے حلاوت گردیدہ۔ بعد یک سال چوں قدرے مزاج درست وبحال شدہ، مثنوی سیوم در تعریف علی باغ، مشتمل بر مدح حضرت مولوی محمد وحید قدس سرہ ومرزا محمد حسین خاں قتال غفر لہ، باتمام رسانیدہ۔ وگاہے غزل ہم می گفت ودیوان خود درست می ساخت دریں ضمن نسخۂ میرزا محمد رفیع سودا اسلہ اللہ تعالیٰ کہ ایں مصرع یقین غفر لہ،

کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

---

(۱) زیر نظر خطی نسخہ اس عبارت سے شروع ہوتا ہے۔ قیاس ہے کہ اس سے پہلے کم از کم ایک ورق اور تھا جو دست برد زمانہ کی نذر ہو گیا۔

مصرع پنجم او بوده، شہرت دریں شہر یافتہ۔ بعد غزل مرزا و اشعار حضرت خواجہ میر درد وغیرہ از دہلی رسیدہ و شہرت یافتہ و طرز سخن بطور دیگر گردیدہ۔

حسب اتفاق در صوبہ داری میر محمد کاظم خان بہادر احترام الدولہ بصلاح دوستاں و آشنایاں محفل مشاعرہ بروز جمعہ قرار یافتہ۔ دراں وقت اکثر صاحبان مہربانی فکر اشعار فارسی و ریختہ می فرمودند۔ ان شاء اللہ تعالیٰ احوال ہر یک بزرگاں آیندہ مرقوم خواہد ساخت۔

دریں عرصہ شاہ ساکن از محمد آباد بنارس و خواجہ عبد اللہ آگاہ سلمہ اللہ تعالیٰ از مرشد آباد تشریف آوردند۔ میر غلام علی اظہر گفتند کہ حضرت شاہ رکن الدین عشق عرف حضرت میرزا گھسیٹا صاحب مدظلہ العالی از مرشد آباد ترک روزگار نمودہ نیز بعظیم آباد تشریف آوردہ اند۔ اگر دریں محفل مشاعرہ تشریف آرند، اطلس است۔ احقر فخر مجلس تصور نمودہ، ہمراہ میر مذکور رفتہ، ملازمت نمودہ، متصدع خدمت گرامی شدہ۔ از راہ نوازش قبول فرمودند و تا محفل مشاعرہ کم از یک سال نماندہ تشریف مع میر محمد امین صاحب دیوانہ غزلہا ارزانی می فرمودند۔

چوں تفضل آں حضرت در دل ایں عاصی جا یافتہ و محفل مشاعرہ بہ جہت ماہ مبارک رمضان برہم خوردہ، احقر بیشتر بخدمت حضرت مرزا صاحب می رفت۔ دراں وقت اکثر مردم بخدمت عالی مثنوی حضرت مولوی روم قدس سرہ و لمعات و شرح رباعیات مولوی جامی نور مرقدہ می خواندند۔ ایں عاصی ہم از دور سماعت می نمود۔ و سوائے ازیں ہرچہ ارشادی فرمودند، آں را بطور ملفوظ قلم بندی می ساخت۔

روزے ارشاد شد کہ شخصے در تذکرۂ خود یک شعر از قصیدۂ مرزا

محمد رفیع سودا نوشتہ است، دیگر خیر۔ در دل خطرہ گزشت کہ تذکرۂ نویسد لیکن
دراں ایام طبیعت احقر مصروف بہ تالیف کتب بودہ چنانچہ اول ارشاد بنفاذ نفس
تالیف نمودہ، بعدہ احوال پادشاہان ہندوستان از معزالدین سام تا وقت
جلوس شاہ عالم قدرے قدرے نوشتہ۔ بعدہ صحیفۃ النجات، بعدہ ملفوظ حضرت
پیر دستگیر قمر الحق قدس سرہ کہ مسمیٰ بہ گنج فیاضی است منتخب ساختہ و بعدہ در شرح
ایں بیت حضرت شاہ نعمت اللہ ولی :

ہر چہ پیدا و ہر چہ پنہاں است
جملہ دریک وجود انساں است

رسالۂ بہ تحریر آمدہ۔ چوں ازیں کارہا فراغت کشیدہ، در اصلاح دیوان
مصروف گشتہ۔ چنانچہ بصلاح حضرت مرزا صاحب درست ساختہ۔ اما
بباعث پریشانی کارے کمال دریں فن حاصل نہ کردہ، حسرت عظیم در دل ماندہ
روزے بار حضرت مرزا صاحب ارشاد فرمودند کہ مرداں کاہ را کوہ و
کوہ را کاہ می نمایند؛ اشعار ہر یک بقدر ہر یک نمی نویسند، اگر شما تذکرۂ بنویسید
خوب است۔ در دل خطرہ گزشت کہ طاقت انتخاب تا حالت تحریر بہم نرسیدہ است
ایں را کمال فہمید بباید چنانچہ فرمودہ :

شعر گفتن گرچہ در سفتن بود
لیک فہمیدن بہ از گفتن بود

شاید حضرت برائے تربیت ایں عاصی می فرمایند کہ بسبب اشتغال ایں کار فہم
پیدا خواہد شد۔ امر عالی را سعادت دارین تصور نمودہ، تحریر می نماید والا ایں ہیچ
مداں را دریں فن چہ شعور و چہ مقدور کہ دم زند۔

قال اللہ تعالیٰ : خلق الانسان اطوارا۔ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ستفرق امتی من بعدی ثلاثۃ وسبعین فرقۃ۔ یعنی بعد من ہفتاد و سہ فرقہ در امت من خواہند شد چنانچہ شدند و ہر یک مذہب خود ہا را از کلام اللہ و احادیث اثبات می نمایند و راہ می روند۔ ازیں سبب کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ و تقدس در کلام قدیم خود فرمودہ : لا رطب ولا یابس الا فی الکتاب المبین۔ و بیشتر ازاں ہفتاد و سہ فرقہ طالب دنیا اند و کمتر ازاں طالب عقبیٰ و کمتر کمتر ازاں طالب مولیٰ اند۔ و طالب مولیٰ فقرا اند چنانچہ حضرت علاء الدین سمنانی فرمود :

ما مقیمان کوے دلداریم

رخ بدنیا و دیں نمی آریم

حرف راست اینست کہ فقرا از قرآن شریف مغز گرفتہ اند چنانچہ فرمودہ : من ز قرآن مغز را برداشتم۔ و دیگراں یابس گرفتند۔ لکن در ہر سہ فریق شاعر اند۔ ایشاں نیز دلیل از کلام اللہ و احادیث می آرند چنانچہ این عاصی نیز می آرد۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : الشعراء تلمیذ الرحمٰن یعنی شاعر شاگرد حق باشد، سخن او از سخنہاے مردم عوام رتبہ تمام و کلام شاگرد کلام استاد بتواں گفت ازیں جہت کہ ہرچہ استاد می فرماید، شاگرد رشید بعمل می آرد چنانچہ حضرت خواجہ حافظ شیراز قدس سرہ می فرماید۔ شعر

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند

آنچہ استاد ازل گفت، ہماں می گویم

خواجہ امین الدین سلمہ اللہ تعالیٰ گفتہ :

از اہل سخن بے مدد غیب چہ خیزد
نے ہیزم خشک است چو دمساز نہ باشد

در ذات ستودہ صفات حضرت انسان ہمہ خوبیہاست آمادہ و چیز از فضل الٰہی درظاہر بسیار عجیب و غریب است ــــ یکے دیدن نبض و دریافت نمودن احوال اعتدال و اختلاف وغیرہ آن ؛ دویم موزوں نمودن سخن، باین فصاحت و بلاغت و نزاکت ترکیب می دہند کہ باعث یادگار و موجب زندگانی نام در روزگار ناہنجار می گردد ۔

ملا ظہوری در تعریف شعرا می فرماید :

زحیواں بہ نطق آدمی برتر است
بس آدم تر آں کو سخن ور تر است

در تعریف سخن سرخوش می نویسد و می گوید کہ سخن قدیم و لایزال زیرا کہ کلام از جملہ صفات پیوستہ الٰہی است، صفاتش نیز باید کہ قدیم و لایزال باشد۔ شعر:

سخن جانست و دیگر گفتگو جانا زمن بشنو
اگر ہر لحظہ جان تازہ خواہی، سخن بشنو

و در ثنائے معنی غنی گوید :

آب بودہ معنی روشن غنی!
خوب اگر شستہ شود، آں گوہر است

و نسبت شعرائے کرام و انبیا علیہ السلام اقرب واقع است زیرا کہ رجوع این ہر دو طائفہ عالیہ بہ مبدأ فیاض و عالم غیب است و ناصر علی غفر لہ می فرماید:

شاعری جزویست از پیغمبری
جاہلانش کفر خوانند از خری

شعر و شرع و عرش باہم خواستند
باغ گیتی زیں سہ حرف آراستند

و شعر کہ عبارت از کلام با معنی و موزوں و با قافیہ بشرط ارادۂ شاعر خواہ در زبان عربی و یا پارسی و یا ترکی و یا ریختہ و یا ہندوی محض وغیرہ باشد، بذاتہ راہ از کلام اللہ وارد۔ واقعی دلیل قوی ایں شعر با اول مصرع در قرآن مجید و فرقان حمید بسم اللہ الرحمٰن الرحیم است۔ اکثر بزرگان مصرع دیگر رسانیدہ اند۔ از آں جملہ یک مصرع حضرت امیر خسرو رسانیدہ اند۔

خازن گنجینۂ گنج عظیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

و در مدح ایں مصرع صائب بیتے گفتہ است۔ شعر

اگر نہ مد بسم اللہ بودے تاج عنوانہا
نگشتے تا قیامت تو خط شیرازہ دیوانہا

و مصرع دیگر را قطب الاقطاب شمس الحق شیخ محمد رشید عرف حضرت دیوان جی قدس سرہ مصرع ثانی رسانیدہ چنانچہ در دیوان شمسی مرقوم است۔ شعر

ہر کہ دل نیست بود بگذر از و
لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا

و بیت اینست :

ثم اقررتم و انتم تشہدون
ثم انتم ہٰؤلاء تقتلون

و دو حدیث نیز در کتب احادیث موزوں است :

انا النبی لا کذب، انا ابن عبدالمطلب، ودوم است:
اذا تحیرتم فی الامور، فاستعینوا باہل القبور۔ ویک شعر من جملہ
اشعار غالب کل غالب حضرت امیر المومنین علی ابن طالب علیہ السلام
نیز بجہت دلیل مرقوم می شود:

انما الدنیا کبیت
نسجتہ العنکبوت

وشعر اکذاب نیز واقع اند اما این حدیث در حق مشرکان است کہ ایشان
در مذمت اسلام واہل اسلام شعری گفتند وپیروان یاد کردہ بجناب رسالتمآب
علیہ السلام می خواندند چنانچہ در سورۂ شعرا مفصل مرقوم است، قدرے از آں
از تفسیر حسینی مرقوم می شود۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاَکْثَرُہُمْ کَاذِبُوْن۔ وبیشتر ایشاں دروغ گویانند۔
ودر انوار فرمودہ کہ بعضے "اکثر" را بہ "کل" تفسیر کردہ اند یعنی ہمہ ایشاں
بصفت کذب موصوف اند۔

قولہ تعالیٰ: وَالشُّعَرَاءُ۔ وشاعران مشرک چوں ابن زبعری وہبیرہ
ومسافع وامیہ ثقفی۔ یَتَّبِعُہُمُ الْغَاوُوْن۔ متابعت کنند ایشاں را گمراہاں۔
اَلَمْ تَرَ اَنَّہُمْ فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّہِیْمُوْن۔ آیا نمی بینی کہ ایشاں در ہر وادی از فنون کلام
سرگرداں می شوند۔ در تفسیر کواشی آوردہ: بعد از نزول ایں آیت حسان و
ابن رواحہ وجمعے از شعراء صحابہ رضی اللہ عنہم بجناب نبوت پناہ آمدہ، بوقف
عرض رسانیدند کہ حق سبحانہ میداند کہ ما شاعریم۔ وابن رواحہ گفت: می ترسم کہ بروصف
شعر بمیرم۔ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمودہ کہ مومن جہاد کند بشمشیر و

زبان خود۔ شعرے کہ شما در شان کفار می گوئید بر ایشان سخت تر است از تیر و ایں آیت نازل شد۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شعرا تبوع سفہا در ہمہ وادی سرگرداں اند مگر آنہا کہ ایمان آوردہ اند۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، و عملہا ئے ستودہ کردند۔ یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم را ستائش فرمودند و بہجو و مذمت کفار اشتغال نمودند۔

دیک مصرع سید الشہدا امام الہمام حضرت امام حسین علیہ السلام کہ داخل اخیر بند پنجم محتشم رحمت اللہ علیہ است، نیز بجہت دلیل مرقوم می نماید و مردمان اہل اسلام از سعادت دارین مستفید می سازد۔ بند ایں است :

چوں خون حلق تشنۂ او بر زمیں رسید
جوش از زمیں بذروۂ عرش بریں رسید

نزدیک شد کہ خانۂ ایماں شود خراب
از بس شکستہا کہ بہ ارکان دیں رسید

نخل بلند او چو خساں بر زمیں زدند
طوفاں بہ آسماں زغبار زمیں رسید

باد آں غبار چوں بہ مزار نبی رساند
گرد از مدینہ بر فلک ہفتمیں رسید

یک بار جامہ در خم گردوں بہ نیل زد
چوں ایں خبر بہ عیسیٰ گردوں نشیں رسید

پر شد فلک زغلغلہ چوں نوبت خروش
وز انبیا بہ حضرت روح الامیں رسید

گرد این خیال وہم غلط کار کاین غبار

تا دامن جلال جہاں آفریں رسید

ہست از ملال گرچہ بری ذات ذوالجلال

او در دلست ہیچ دلے نیست بے ملال

شاعر در مدح ایں مصرع گویا بیتے گفتہ است :

بیک مصرع شاعر مسلّم بود

اگر مصرع مصرعے ہم بود

حقا کہ ہمیں مصرع است کہ ناخن بدل می زند یقین است ، اگر کذاب در حق اہل اسلام می بود ، جناب ولایت مآب حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام و تابعان حضرت ایشاں مثل شیخ فریدالدین عطار و مولوی روم و حکیم سنائیؒ وغیرہ چگونہ شعر می فرمودند و کلام حضرت امیر علیہ السلام عین کلام مخبر صادق علیہ السلام است۔ حدیث " لحمک لحمی " شاہد حال است چنانچہ گفتہ :

نبی و علی ہر دو نسبت بہم

دو تا و یکے چوں زبانِ قلم

و ہندوان سلطنت ہندوستان بیشتر مطیع الاسلام اند و اکثر در ظاہر ہنود اند و در باطن مسلمان اند و در شعر وغیرہ حمد و نعت می گویند و پادشاہان آنجا ضابط بودند چنانچہ شخصے ایں بیت گفتہ بود :

بہیں کرامت بت خانۂ مرا اے شیخ

اگر خراب شود خانۂ خدا گردد

عالمگیر بادشاہ غفرلہ از زبان اعظم شاہ شاہزادہ شنیدہ بسیار خفگی فرمودہ و

داراشکوہ شہزادہ احوال ہندوان ہندوستان دریافتہ رسالہ نوشتہ وگفتہ : شعر

کفر و اسلام در رہت پویاں
وحدہ لا شریک لہ گویاں

واول شعر حضرت آدم علیہ السلام فرمودہ چنانچہ صائب می گوید :

آنکہ اول شعر گفت آدم صفی اللہ بود !
طبع موزوں حجت فرزندی آدم بود

بہر حال الحال بہ مدعای پردازد کہ ریختہ بچندیں قسم است ، ازاں جملہ قدرے نوشتہ می شود ۔

اول آنکہ یک مصرعش فارسی و دیگر ہندی باشد چنانچہ حضرت امیر خسرو قدس سرہ فرمودہ :

نقد دل من گرفت و بشکست
پھر نہ کچھ گھڑا نہ کچھ سنوارا

دویم اینست کہ نصف مصرع فارسی و نصف ہندی باشد چنانچہ مرزا معز فطرت کہ موسوی خاں خطاب داشت و استاد میر محمد علیم عظیم آبادی بودہ ، فرمودہ :

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے
در گلشن آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

مردماں بنام ایشاں می خوانند واللہ اعلم ۔ غرض طور دیگر است ۔

وسیوم ایہام آنست ومعنی ایہام اینست کہ لفظے کہ بروبنا بیت بود، آں دو معنی داشتہ باشد یکے قریب ویکے بعید۔ وبعید منظور شاعر باشد دیگرے ترک او چنانچہ کسے گفتہ است :

مداف کا جو لونڈا بیٹھا دوکان اوپر
گالوں کو صاف کیسے بیچے ہے خوب روئی

فراموش است بنا بر آں دیگرے دریافتہ نوشتہ۔

وچہارم آنکہ حرف نفی فعل فارسی کہ در فعل این قبیح است حرف نفی آنکہ ادات و روابط فارسی وعربی آوردن در ریختہ قبیح است چنانچہ تا و با و در و بر و حروف نفی عربی چوں لا و حتی و تا و فعل فارسی چوں بگو و مگو و کن و مکن، فعل عربی چوں قل و لا تقل و افعل و لا تفعل الا آنکہ کلمہ باشد کہ آنرا استعمال بہ فعل ہم می کنند و بہ اسم ہم می کنند۔ بمعنی اسم خواہند آورد و بمعنی فعل نخواہند آورد چنانچہ "خر" اسم است، خواہند آورد و بمعنی خریداری نخواہند آورد کہ امر است چنانچہ گفتہ:

(الف) جہاں سے کس طرح ہووے یہ رسم نوحہ "نیست"

(ب) زپارۂ دل من ہیچ گوشہ خالی "نیست"
کدام سنگ دل این شیشہ بر زمیں زدہ است

"نیست" اول بمعنی نیست و نابود است و اسم است۔ درست در ریختہ داشتہ اند و "نیستِ" مصرع ثانی بہ معنی فعل است، در فارسی درست، در ریختہ درست نیست۔

پنجم اکثر ترکیب فارسی کہ مناسب زبانِ ریختہ افتد، آں جائز است۔ چنانچہ گفتہ:

میر گم کردہ چمن زمزمہ پرداز ہے ایک

ششم ترکیبی کہ نامانوس زبان ریختہ باشد، اینست:

دل دادہ ام زلفِ رخِ دلبر ندیدہ ہوں

و یا مضاف فارسی باشد و مضاف الیہ ہندی باشد، ممنوع است و یا مبتدا فارسی و خبرش ہندی باشد و غیر مانوس ریختہ و زبان ریختہ باشد ممنوع است۔ و مبتدا

فارسی وخبرش ہندی مانوس زبان ریختہ باشد درست است چنانچہ گفتہ :

مانوگے میری بات بھی یا مانتے نہیں
ہاں ہاں میں تا کجا کروں اور تم نہیں نہیں

ہفتم شعر تشبیہ چنانچہ گفتہ :

ہم دل گرفتہ کیسے آزار کھینچتے ہیں !
لیتے ہیں سانس یوں ہم جوں تار کھینچتے ہیں

ہشتم شعر توشیح۔ توشیح آنرا گویند کہ از حرف اول ہر مصرع نام خود یا دیگرے برآرند چنانچہ خلیفہ شاہ محمدی گوید و نام خود برمی آرد :

خاطر آشفتہ دارم و دل سرد
لعل سانم بداغ محنت و درد
یدمن بر مراد دل نہ رسید
فرحت از من برخ نقاب کشید
ہیچ گاہے ز فعل نا محمود
شاہد نیکوئے رخسم ننمود
از سموم غمم بباغ وجود
ہرگز ایں غنچۂ الم نہ کشود
مثل من نیست در جہاں ثانی
حرف خالی ز لوح نادانی
منکہ جسم ہمہ ز سرتا پا
در ہنر کے شوم سخن آرا

از سر مصرع ار تو گیری حرف
فہم نام کنی بباغ شگرف

احقر ہم ہمیں طور گفتہ در منتخب گنج فیاضی بنام پیر دستگیر حضرت غلام رشید قدس سرہ مرقوم ساختہ است۔ واز آخر مصرع ہم حرف می گیرند واز مصرع ثانی ہم حرف اول وآخری گیرند، منحصر بطور اول نیست۔

نہم از صنائع شعر لف ونشر مرتب است چنانچہ مولوی جامی فرمودہ

نالۂ وزاری وفریاد تو گوئی کہ مکن
نتوانم، نتوانم، نتوانم چہ کنم

دہم قطعہ فردوسی غفرلہ :

بوقت نبرد آں یل ہوش مند
بہ تیغ وبہ خنجر وگرز وکمند
برید ودرید وشکست وببست
یلاں را سر وسینہ وپا ودست

وبرخلاف آں را غیر مرتب گویند۔

ودہم تجنیس است چنانچہ محمد حسین آشوب گفتہ : شعر

اے شدہ نام خوش تو تاج بخش
بر سر ہر نامہ ازاں تاج بخش

ایں شعر ذو بحرین است، بازمی گوید :

در ہمہ جا جور تو مظلوم گاہ
آتش کیں دور تو مظلوم گاہ

ایں شعر ذو قافیتین است۔ و باز می گوید :

نرگسِ جادوے تو جام مدام
حلقۂ گیسوے تو دام بدام

ایں شعر مشتمل بر چہار بحر است و سہ قافیہ مع تجنیس۔ و بحر چہارم می نویسند کہ موجد نامیدہ شد۔ اول بحر "مخزن اسرار" و ایں بحر را سریع مطوی مکفوف گویند بروزنِ مفتعلن مفتعلن فاعلان؛ دوم بحر مثنوی مولوی و ایں بحر را رمل مسدس مقصور گویند بروزن "فاعلاتن فاعلاتن فاعلات"، سوم بحر حدیقہ و ایں بحر را مخبون محذوف گویند بروزن "فاعلاتن مفاعلن فعلن" چہارم بحر سبحہ ایں بحر را رمل مسدس مخبون مقصور گویند بروزن "فاعلاتن فعلاتن فعلن"۔ و رباعی را بسیار بحر است اما سہ بحر معتبر است۔ بحر کامل "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" و دو بحر کم تر ازاں است۔ و در رباعی مرداں قافیہ در مصرع سیوم نمی دارند، ایں ہم درست است و اگر دارند، ایں ہم درست۔ و در قطعہ اکثر مردم بمصرع اول قطعہ، قافیہ نمی آرند ایں ہم درست است، اگر آرند، آں ہم درست است۔ و در شعر مثنوی در ہر مصرع قافیہ ضرور است چنانچہ مولوی روم قدس سرہ می فرماید۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

و ترکیب بند آں را گویند کہ بند و بے جدید باشد چنانچہ محتشم غزلہ گفتہ د در ترجیع بند بند جدید درست نیست، یک بند کفایت می کند چنانچہ در ما مقیماں

فرموده :

گر بچشمان دل مبیں جز دوست
ہر چہ بینی بدانکہ مظہر اوست

ونیز باید دانست کہ بعد مخمس تا معشر ترکیب بند است ویا ترجیع بند وبعد معشر غزل وقصیدہ ومثنوی است اما غزل را تا سہ بیت گفتہ اند، یکے مطلع، دوم مقطع، سیوم بیت الغزل، وبعضے پنج بیت فرمودہ اند، یکے مطلع و دیگر حسن مطلع وبیت الغزل و حسن مقطع ومقطع۔ ازیں کمتر غزل نمی شود۔ زیادہ تا نوزدہ بیت بلکہ بست وپنج بیت دیدہ شد ونیز باید دانست کہ غزل با قافیہ وردیف خوب می شود وردیف آں را گویند کہ بعد قافیہ آید چنانچہ در بیت مثنوی حضرت مولوی روم قدس سرہ، حکایت وشکایت، قافیہ است، می کند، ردیف است۔ اما ردیف آں را گویند کہ داخل معنی وخارج قافیہ باشد ومرزا محمد رفیع سودا در ردیف تصرف فرمودہ :

اب تجھ سے کہوں جو کچھ ہے میرے دل میں
سب تجھ سے کہوں جو کچھ ہے میرے دل میں
پہلے کہہ لو کہ ہم برا نہ مانیں گے
تب تجھ سے کہوں جو کچھ ہے میرے دل میں

وحضرت خواجہ میر درد می فرماید :

اے درد شب قدر ہے ہر زلف رسا ــــــ گر دل میں ہو راہ
ہر خط میں لکھے ہوئے ہیں آیات خدا ــــــ گر شکستو نگاہ
جیوں آئینہ حیران ہوں میں سر تا پا ــــــ ہے عشق کو آہ
آتا ہے نظر حسن میں جلوہ کیا کیا ــــــ اللہ اللہ

ایں صنعت را استزادی گویند۔ ہر چند معنی شعر تا قافیہ اول تمام بود و ایں لفظ کہ زیادہ بر شعر نمودند، شریک معنی گشت بلکہ معنی را ترقی داد۔

مثال شعر ترصیع من کلام مولوی جامی :

زشرم خامہ را شکر زباں کن
زعطرم نامہ را عنبر فشاں کن

وایں شعر مولوی روم جامع تجنیس و ترصیع است :

چوں از وگشتی ہمہ چیز از تو گشت
چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت

وسوائے ازیں شاعر را می باید کہ تصرف در مثل نکند و صحت لفظ ہندی و فارسی و عربی کہ داخل محاورہ فصحائے اردوئے معلی است نگاہ دارد و در پئے تلاش ایں باشد، ہرگز تغافل نکند و برائے تلاش لفظ فصاحت و بلاغت را از دست ندہد و اگر ہر دو میسر آید اولا۔

و "تھ" و "دھ" یک حرف ہندیست۔ ایں را دو نہ شمارند و ایں قافیہ سودا درست دارند :

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

و 'نام' و 'تھام' قافیہ درست است چرا کہ "تھ" یک حرف ہندی ست و در نوشتن کہ ہمراہ او "ہا" می نویسند ......

و بہترین شعر انداز است و آں محیط ہمہ صنعتہا است۔ ہر صنعت کہ فرض کنند داخل انداز است، خارج نیست۔ و مثال انداز سرو دست مصرع مرزا محمد رفیع سودا

است :

سودا جو سنا کسی کا نام یہی ہے

احقر ایں را تضمین نمودہ است :

شورش تجھے گر شوق ہے ملنے کا تو مل لے
'سودا جو سنا ہے کسی کا نام یہی ہے'

و در ہندوستان اکثر بزرگان تذکرہ نوشتہ اند و اشعار شاعران قدیم و جدید بقید قلم آوردہ اند مگر درین شہر گاہے کسے تذکرۂ فارسی ہم نہ نوشتہ، بہ ہندی چہ رسد۔ بنابریں محنت برخود اختیار نمودہ کہ احوال و اشعار شاعران ایں جامعہ اشعار شاعران ہندوستان بقید قلم آورد کہ در زمانہ حال و استقبال یادہ گردد و اگر شاید بہ سمع اہل دل برسد و خوشی دل او شود، یک گونہ باعث نجات ایں عاصی بود۔ و احقر دریں کلام ہر گزارادۂ دانشانہ کردہ است و نہ خواہد نمود۔ صاف مطلب نوشتہ است و خواہد نوشت۔ اگر جائے سہوے و خطائے یابند، بد نظر بشریت، معاف نمایند کہ ہیچ نفس بشر خالی از خطا نبود۔ و ہر تصنیف را نام لازم است، لہٰذا نام ایں تذکرہ ' رموز الشعرا ' داشتہ[1] (و اگر تذکرۂ شورش ہم گویند، مضائقہ ندارد) و بطول طویل نہ پرداختہ۔

---

(۱) قوسین کی عبارت حاشیے پر درج ہے۔

آفتاب

شاہ عالم بادشاہ، آفتاب تخلص، ولد عالمگیر ثانی بن معز الدین بادشاہ ہندوستان
ایں بیت بر سکہ مرقوم است :

سکہ زد بر ہفت کشور سایۂ فضل اللہ
حامی دین محمد، شاہ عالم بادشاہ

زیادہ ازیں احوال خیر مآل کسے چہ خواہد نوشت کہ از نسل امیر تیمور است۔ لکھا مردم از اندک توجہ بندگان ایشاں بہ مرتبۂ پنج ہزاری و ہفت ہزاری و وزارت رسیدند۔
در عظیم آباد تشریف آوردہ و بر سریر سلطنت نشستہ و چندے در قلعۂ عظیم آباد قیام فرمودہ، کوچ طرف مغرب نمودہ و از مشاہدۂ جمال مبارک خود عالمے را سرفراز ساختہ۔ از دست :

سوز شب فراق زباں پر جو لائیے
جیوں شمع تا سحر گئے مجلس رلائیے

تصور ترا جس کو اے یار ہوگا
اسے غیر سے کب سروکار ہوگا

کلام الملوک ملوک الکلام بجاست وسوائے ازیں در مدح حضرت محبوب سبحانی و غوث صمدانی سید عبدالقادر جیلانی حسنی الحسینی خمسۂ خوب گفتہ و بوجہ احسن سربراہ فرمودہ۔ بزبانِ میاں اخلاص خواجہ سرائے معلوم شدہ، مصرعِ پنجم یاد ماندہ، تبرکاً بقید قلم آوردہ :

انجام

نواب امیر خاں بہادر عمدۃ الملک، انجام تخلص، عفرلہ۔ از فرزندان حضرت شاہ نعمت اللہ ولی قدس سرہ است۔ والد ایشاں نواب امیر خاں چوں رحلت از عالمِ فانی بعالمِ جاودانی نمود، خطابِ وے بادشاہ بایشاں مرحمت فرمود۔ باوجودیکہ دیگر برادران ہم ہفت ہزاری و پنج ہزاری بودند امّا از ہمہ عقل و فراست درست داشت در وقت محمد شاہ بادشاہ فردوس آرام گاہ صوبیدار الہ آباد بود۔ و در شعر فارسی[1] شاگرد میرزا بیدل و در علم درسی و علم موسیقی و تیر اندازی و ریختہ گوئی و ہندوی دہیلی و لطیفہ گوئی و بدیہہ سرائی و حاضر جوابی وغیرہ از صاحب کمالاں شنیدہ کہ بے بدل بودہ۔ وگاہے کم از لکھ روپیہ دستخط نفرمودہ و در آخرِ سلطنت فردوس آرام گاہ شہید شدہ۔ از دست:

اب بھی احساں ہے ترا جو نہ ہوں آزاد ہم
پھر چمن میں جائیں کیا منہ لے کے اے صیاد ہم

نہ سن واعظ کی بات ہرگز جو اپنی دھن میں پکّا ہے
خدا حافظ ترا دوزخ بھی اک شرعی ڈرکا ہے

آرزو

شمع دودمان گفتگو، سراج الدین علی خاں آرزو۔ مردے بود صاحب کمال

---

(۱) گردیزی ص ۲۰

از فرزندان شیخ محمد غوث گوالیاری قدس سرہ۔[1] از ابتداے بہار جوانی تا آخر زندگانی
در شاہجہاں آباد استقامت ورزیدہ و تمام دیوان فغانی و سلیم را جواب گفتہ و جواب ایاز
محمود و زلالی بہ مثنوی مسمی شور عشق دادہ و در آں تلاش ہاے بسیار فرمودہ و در آخر کار
تنبیہ الغافلین نوشتہ۔ سخن او در فصاحت و بلاغت چناں سر کشیدہ کہ ملک الشعراے
ہندوستان گردیدہ۔ و شہرۂ علم و فضل تا بہ اصفہان رسیدہ و بزور علم بہ محاورہ و زبان
و اصلاح چناں قادر گشتہ کہ بخدمت گرامی وے کسے در ہندوستان غیر از حصول
استفادہ نہ نشستہ۔ گاہ گاہ براے تفنن طبع ریختہ ہم گفتہ۔ از دست:

بھر کر نظر نہ آیا ہم کو سجن ہمارا
گویا کہ تھا چھلاوا وہ من ہرن ہمارا
تیرے دہن کے آگے دم مارنا غلط ہے
غنچہ نے گانٹھ باندھا آخر سخن ہمارا

ہر صبح آ تا ہے تیری برابری کو
کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

میخانہ بیچ جا کر شیشہ تمام توڑے
زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے

جان تجھ پر کچھ اعتماد نہیں
زندگانی کا کیا بھروسہ ہے

(۱) گردیزی ص ۷۳ ۔ ۷۶

رکھے سیپارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

وعدہ تھے سب خلاف جو تجھ لب سے ہم سے
یہ لعل قیمتی دیکھو جھوٹھا نکل گیا

آبرو

شاگرد سراج الدین علی خاں آرزو، شیخ نجم الدین مبارک آبرو، نبیرۂ حضرت شیخ محمد گوالیاری است۔ مدتے در نارنول بفکر سخن اوقات بسر بردہ و معنی تلاشی را بر طاق بلند گزشتہ۔ درکار خود یکتای دہر بودہ و از راہ انصاف تمام جہاں را از یک چشم می دید۔ در عہد فردوس آرام گاہ ودیعت حیات سپردہ۔ اشعار مثنوی در ایہام در وقت خود خوب گفتہ۔ از دست :

رہتے ہیں دل میں مصرع دلچسپ کی طرح
گھر بار ہو سے سرو قداں کا برائے بیت

آیا ہے صبح نیند سے اٹھ رسمسا ہوا
جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ہوا

جدائی کے زمانے کی میاں کیا زیادتی کہیے
کہ اس ظالم کی جو ہم پر گھڑی بیتی سو جگ بیتا

بوسہ لبوں کا دینے کہا، کہہ کے پھر گیا
پیالہ بھرا شراب کا افسوس گر گیا
قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤں گا اس گلی
ہو کر کے بے قرار دیکھو آج پھر گیا

کیا ہوا گر جو مر گیا فرہاد
روح پتھر سے سر پٹکتی ہے

مجھ ناتواں کی حالت واں جا کہے ہے اُڑ کر
میرا یہ رنگ رو ہے گویا مکھی کبوتر

نیں یہ تارے بھرے ہیں شک کے نقط
اس قدر نسخہ فلک سے ہے غلط

تقی میر نویسند[1] کہ بجائے اس قدر "کس قدر" می گفت، ایں شعر بآسمان می رسید۔ شعر گفتن کار بیست مشکل۔ باوجود اصلاح خان آرزو لفظ اصلاح باقی بود کہ بدست تقی میر آمدہ۔ و در مصرع اول ہم صفائے گفتگو نیست۔ شاید غلطی کاتب باشد والا نہ میر البتہ اصلاح می فرمود۔

---

(۱) نکات ص ۳۱

اشتیاق

مرد بے نفاق، شاہ ولی اللہ اشتیاق عفرلہ۔ از نبائر[1] شیخ مجدد الف ثانی است۔ و طبعش موجد معانی۔ باوصف ذکر و فکر دینی گاہے شغل شعر ہم می کرد۔

از دست:

لڑکوں کے پتھروں کی لگے کیونکے اس کے چوٹ
ہر ایک گرد باد ہے مجنوں کو دھول کوٹ

در تذکرۂ میر مرقوم است[2] نبیرۂ شاہ محمد گل، مولد او سرہند است، در کوٹلہ فیروز شاہ سکونت داشت، گاہے فکر ریختہ می نمود:

بتاں جو ہجر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں
کچھ ان کا دوش نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں

ہر دو شعر از شاہ موصوف است، سبحان اللہ، ناخن بدل می زند۔

آگاہ

محبت دستگاہ، محمد صلاح آگاہ[3] شعرش دل پذیر است و فکرش بدل جا گیر

از دست:

پیری میں کروں سیر جہاں کی تو بجا ہے
ہوتا ہے ڈھلے دن سے تماشا گزری کا

---

(۱) گردیزی ص ۸
(۲) نکات ص ۲۸
(۳) گردیزی ص ۱۶

انسان

عمدہ امرائے ہندوستان جنت نشان، نواب اسداللہ انسان تخلص غفرلہ درعہد بادشاہ محمد شاہ فردوس آرام گاہ منصب ہفت ہزاری داشت، بکمال امارت رسیدہ و ممتاز بہ چشم ہم چشمان روزگار گردیدہ۔ گاہے شعر ریختہ(۱) می گفت و در معنی در تصوف می سفت، عجب مردے بود، حق تعالیٰ بیامرزد۔ اوصاف باطن از کلامش پیدا است از دست:

نہ دیکھی اک جھلک بھی آپ کے تن بیچ اندھوں نے
اگرچہ اس بن موسے بدن سارا شبکا ہے
زمیں اور آسماں اور مہر و مہ سب تجھ میں ہیں انساں
نظر بھر دیکھ، مشت خاک میں کیا کیا جھمکتا ہے

آزاد

خوش فکر بلند استعداد(۲) محمد فاضل آزاد دکھنی، ہم طرح ولی بود، بسیار بصفا حرف می زد۔ از دست:

آئیں جہاں کی ساری آزاد صنعتیں، پر
جس سے کہ یار ملتا، ایسا ہنر نہ آیا

احسن اللہ

صداقت پناہ احسن اللہ۔ بہ آبرو(۱) ہم طرحے بودہ و در سخن تلاش معنی تازہ نمودہ

---

(۱) گردیزی ص ۱۷
(۲) گردیزی ص ۱۷
(۳) گردیزی ص ۱۸

شعر را بطرز ایہام می گفت۔ تقی میری نوشت[1] کہ ازیں جہت شعر او بے رتبہ ماندہ دیگر احوالش معلوم نیست۔ از دست:

یہی مضمون خط ہے احسن اللہ
کہ حسنِ خوب رویاں عارضی ہے

صبا کہیو، اگر جاوے ہے تو، اس یار دل بر سوں
کہ کر کر قول پرسوں کا گیا برسوں، ہوئے برسوں
تو قاصد واعدا کرتا ہے پرسوں کا کہ پھر آؤں
کبوتر بھی نہیں آوے گلی اس کی سیتے برسوں

مگر الحان داؤدی ہے نعمت خاں کی تانوں میں
کہ آہن سے دلوں کو بین لے کر موم کرتے ہیں

آشنا

بندۂ خدا، میر زین العابدین آشنا۔ بسیار طبع[2] سلیم و ذہن مستقیم دارد۔ فتح علی تبریزی در تذکرۂ خود می آرد۔ از دست:

کہیو صبا تو اتنا مرے تند خو کے تیں
آخر کسی بھی وجہ دکھا دے گا رو کے تیں

---

(1) نکات ص ۴۴
(2) گردیزی ص ۱۸

گر مجھ سے دیوانے کو تم آزاد کروگے
ویرانے، میاں کتنے ہی آباد کروگے

صاحب[1] تذکرۂ مذکور معترض است کہ از یک دیوانہ آبادی متصور نیست، اگر این مصرع باین نمط باشد ہیچ عاید نمی شود :

گر ہم سے دیوانوں کو تم آزاد کروگے
ویرانے میاں، کتنے ہی آباد کروگے

سبحان اللہ، چہ اصلاح فرمودہ و بکدام سلیقہ سخن بانجام رسانیدہ۔ خدانخواستہ اگر کسے باد فروش می بود، ہزار کلمہ در مدح خود می نوشت و در مذمت این بیچارہ می نمود۔

آوارہ

عاشق بے چارہ،[2] میر کاظم آوارہ۔ برادر حقیقی میر زین العابدین آشنا است۔ جودت طبع کمال داشت۔ از دست :

اے عندلیب جا کے چمن میں کرے گا کیا
باد خزاں سے سب گل گلزار جھڑ گئے

الہام

واقف کلک و کلام، فضائل بیگ الہام۔ از تربیت[3] کردۂ سید عبدالعلی عزلت است، و دوبیت در ہجو کلاونت بچی گفتہ۔ از دست :

کلاونتی! ترے گانے سے دق ہوں
بہت نیچے سروں میں بولتی ہے

(1) گردیزی میں یہ بیان نہیں ہے
(2) گردیزی ص ۱۹
(3) گردیزی ص ۱۹

احمد گجراتی

متلاشی جوہر ذاتی، احمد گجراتی۔ سوائے ازیں ہیچ احوال ایشاں در تذکرۂ میر مرقوم نیست:

ہوئے دیدار کے طالب، خودی سے خود گزر نکلے
نہ پائی راہ دانش میں خرد شاں بے خبر نکلے
(۱) نشان بے نشاں پانے چلے ہیں ملک یک رنگی
(خبر سر پاؤں کی چھوڑی، دوئی کا ست نگر نکلے)
رہے نادر خیالاں میں، سلے شوریدہ حالاں میں
ہوئے صاحب کمالاں میں، کدھر سے آ کدھر نکلے

اثر

شاعر گرامی قدر، خواجہ میر محمد اثر برادر و مرید حضرت خواجہ میر درد مدظلہ العالی۔ بزرگی ایشاں از زبان خاص و عام بسمع فقیر رسیدہ و احوال ایشاں در تذکرۂ ندیدہ شعر چیدہ چیدہ کہ بعظیم آباد رسیدہ، مرقوم ساختہ:-

آہ کے ساتھ جی نکل نہ گیا
آہ اے آہ یہ خلل نہ گیا

اب توقع کسے بھلائی کی
دل نہ ہوتا تو کچھ بھلا ہوتا

---

(۱) متن میں دوسرا مصرع نہیں ہے۔ شعر کی تکمیل نکات الشعرا نسخۂ برن سے کی گئی ہے کیونکہ شعر کا پہلا مصرع نسخۂ برن کے متن کے مطابق ہے۔ نکات ص ۹۹

خوب دنیا میں خوش رہا ہو گا
جو کہ عاشق ترا ہوا ہو گا

دل سے فرصت کبھی جو پائے گا
حال اپنا تجھے سنائے گا

جوں صبا کب لگ پھروں میں آہ کوچہ میں ترے
اس سرے کا اُس سرے اور اس سرے کا اس سرے

کچھ اثر کا علاج کرتے ہم
رات کی رات گر جیا ہو گا

ایسے کہ خیر خواہ ہوئے ہم کہ جس کو آہ
بدخواہ میں ہے فرق نہ کچھ خیر خواہ میں

حال اپنا کسی سے کیا کہیے
ایک دل تھا سو وہ بھی کھو بیٹھے

اظہر

خلف رشید میر محمد جعفر، میر غلام علی اظہر سلمہ اللہ تعالیٰ۔ روزے می فرمود بر سبیل حکایت کہ جدّ من ہمراہ رکاب امیر تیمور آمدہ، در دہلی سکن اختیار نمودہ تا وقت

محمد شاہ فردوس آرام گاہ نمط نوکری و خاوندی بجا بود۔ باعثِ تخلل سلطنت تفرقہ نمودہ،
ہمراہ رکاب شاہ عالم بادشاہ غازی احقر بہ عظیم آباد آمدہ۔ بعد فتح راجہ رام نارائن صوبیدار
عدم حصول زر بموضع سیلاداندک فرصت گرفتہ، بعدہ بشہر آمدہ، ذوق شعر و شاعری
از صبح شعور بود، شاگردی سید شمس الدین فقیر غفرلہ اختیار نمودہ بود۔ برائے استحکام ایں
فکر از میزان تا مطول خواندہ وگاہے ہیئت وگاہے ہندسہ وغیرہ بمطالعہ آوردہ۔ بہر حال
ایں دولت علم عربی در عظیم آباد بہم رسانیدہ۔ واقعی در فن شعر فارسی الحال دریں شہر ذات
والاصفات ایشاں غنیمت است و از لوازم ایں، اطلاع کلی دارد۔ در محفل مشاعرہ
فقیر غزل طرحی بوجہ احسن سر براہ فرمودہ و بہ پاس خاطر دوستاں دو سہ غزل ریختہ نیز گفتہ
بعد چندے باعثِ صحبت و اتحاد قدیم حضرت عشق مدظلہ العالی قریب پنجاہ غزل ریختہ
طرح فرمودہ۔ قبل ازیں ارادۂ تحریر تذکرہ نہ بود و الا البتہ جمع می ساخت۔ الحال در
سنہ ۱۱۹۱ ہجری مزاج احقر بایں طرف مائل شدہ، دو غزل بدست آمدہ، برائے یادگار
مرقوم ساخت۔ از دست، امّا ایں ہر دو غزل انتخاب است :-

کروں صبح کیوں کر شبِ تار کو
بھلایا مجھے کیا کہوں یار کو

نہیں دام سے پھر اس کو خبر
تڑپھتا ہے چھوڑا گرفتار کو

کھلیں غنچۂ و گل کے گوشِ زباں
سنے گر ترے لب سے گفتار کو

خراماں کسے دیکھ کبکِ دری
گیا بھول یک بار رفتار کو

نہ ہو گا مگر میکدے میں گزر
کہ باندھے ہے پھر شیخ دستار کو
وفا آشنائے مروت ہے یہ
چلے راہ میں چھوڑ بیمار کو
میں دیکھوں تجھے اور تو غیر کو
کوئی گل کو چاہے کوئی خار کو
ترے بن نہیں ہے کسی جا قرار
رکھوں کس طرح اس دل زار کو
ہما کو نہ دینا مری استخواں
یہ تحفہ ہے اظہر سگ یار کو

جب گھر سے وہ مست خواب نکلے
سو فتنہ سے ہم رکاب نکلے
ساقی نے جہاں قدم دھرا ہو
تا حشر وہاں شراب نکلے
دل ہجر سے آپ جل رہا ہے
آنکھوں میں کہاں سے آب نکلے
شبنم کو کہاں ہے نسبت اشک
ہم رو دیں تو آفتاب نکلے
دل دشمن جاں بغل سے میری
جائے کہیں، اضطراب نکلے

جس بزم میں رات کو کہ تو ہو
منہ دیکھو جو ماہتاب نکلے
اظہرؔ مجھے دیکھ شیخ بولا
مے خانے سے یہ خراب نکلے

المؔ

خواجہ صاحب میر المؔ تخلص پسر خواجہ میر دردؔ مدظلہ العالی۔ برائے سیر بطرف مرشد آباد تشریف بردہ بودند۔ وقتیکہ در شہر عظیم آباد رسیدند، میاں محمد روشن جوشش و میاں محمد وارث نالاں برائے ملاقات او رفتند واز کلام ایشاں مستفید شدند۔ دو مطالع کہ در شہر شہرت تمام داشت نوشتہ . . . . نزد فقیر فرستاد۔ ازدست :-

ایک بوسہ تو مجھ کو دو صاحب
سنتے ہی منہ بھر آیا لو صاحب

کچھ ان روزوں مرا دل سخت بے آرام رہتا ہے
اسی حالت میں لے کر صبح سے تا شام رہتا ہے

انشاؔ

پسر میر ماشاء اللہ، انشاء اللہ در فیض آباد استقامت دارد، شعر ریختہ می گوید۔ انشاؔ تخلص می نماید۔ ازدست :-

ہوا ہوں کوچہ میں اس کے میں خاکِ رہ انشاؔ
بڑا غضب ہے جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے

گالی سہی، ادا سہی، چینِ جبیں سہی
سب کچھ سہی، پر ایک نہیں کی نہیں سہی

اشرف

از اشرف ہیچ احوال معلوم نیست۔ از دست:

بیا بن میرے تیں بیراگ بھایا ہے، جو ہونی ہے سو ہو جاوے
بھبھوت اب جوگیوں کا رنگ لایا ہے، جو ہونی ہے سو ہو جاوے

احسن

بہمہ وجوہ مستحسن، مرزا احسن احسن، احوال خیر مآل ایشاں ہیچ معلوم نیست، یک شعر بسمع فقیر رسیدہ، از دست:

قتل پر کس کے یہ نکلے ہو مسلح ہو کر
تیغ لے ہاتھ میں اور باندھ کے چار آئینہ

امید

دادرسِ سخن وراں، قزلباش خاں، امید تخلص۔ مردے مغلے بود،[1] شاعر غرائے فارسی، عزیز دلہا، یار باش، خوش اختلاط ہمیشہ خنداں و شگفتہ رو۔ داخل

---

(۱) نکات ص ۲۸

ذیل امرا بود۔ در ہر سیر و تماشا می رفت و صحبتہا می داشت۔ چنانچہ در تذکرۂ نقی میر مذکور است کہ یک روز در عرس سید حسن رسول نما صاحب قدس سرہ العزیز کہ میر ہم بہ تحریک یاران موافق رفتہ بود، او ہم تشریف می داشت۔ چوں میر مذکور را از دور دید، گفت، خوش باش کہ من ہم دریں روز ہا دو شعر ریختہ موزوں کردہ ام، بشنوید۔ از دست :

درو دیوار سے اب صحبت ہے
یار بن گھر میں عجب صحبت ہے

تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں
الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں

احمد شاہ

خلف سید شیخ محمد شاہ، احمد شاہ عرف میاں بساون۔ ساکن موضع کجایاں عملہ پرگنہ شاہ پورمن سرکار صوبہ بہار۔ آراستہ و پیراستہ اخلاق و سخن فہم، قابل مجلس و اختلاط۔ از شعر شوق تمام داشت۔ بر احوال بندہ مہربانی بسیار نمود و در علم موسیقی شعوری داشت۔ باعثِ تحریکِ دوستاں و آشنایاں مزاج طرف شعر بوجہ خوب نہ آمدہ بود کہ در سلطنت احمد شاہ بہادر بادشاہ راہ جنت گرفت۔ دو شعر من کلام او بدست آمدہ، از دست :

سیر کرنے سے چمن کے دل ترا اے عندلیب
ہم نشین سند گل ہو گیا اے عندلیب
جیتے جی تجھ کو خلاصی گل سے ہو، ممکن نہیں
چھوڑتا نہیں آشنا کو آشنا اے عندلیب

امینؔ

نقش نگیں، خواجہ امین الدین، تخلص امینؔ : بزرگان ایشاں از کشمیر جنت نظیر تشریف آوردہ در عظیم آباد استقامت ورزیدہ - مرد یست صاحب سلیقہ و اہل معاش و یار باش - از صبح شعور غیر از فکر شعر فکر دیگر ندارد، لیل و نہار بہ ہمیں کاری گزراند - در محفل مشاعرہ غزل طرح فارسی بطور معقول سر براہ می نمود و بر سر محبت دلیل کلام برجستہ می آورد - از چند سال شعر ریختہ ہم باعث رواج زمانہ می فرماید انچہ می شاید - غرض ریختہ از فارسی اولیٰ و شعر فارسی از ریختہ اولیٰ تر - از دست :

دنیا میں جو آ کر نہ کرے عشق بتاں کا
نزدیک ہمارے ہے یہاں کا نہ وہاں کا

بازار محبت میں جو آیا ہے تو کچھ لے
کرتا ہے پس و پیش عجب سود و زیاں کا

اس ہستی موہوم میں حیراں ہے فلاطوں
کچھ چل نہیں سکتا ہے یہاں وہم و گماں کا

مانند نگیں آپ سے کاوش میں پڑا ہے
مشتاق جو کوئی ہے یہاں نام و نشاں کا

کرتا ہوں ثنا میں تو میں اس کا دلیکن
منھ لال ہوا جاتا ہے خجلت سے زباں کا

پردے سے جو وہ شہرۂ ایام نکلتا
تب دیکھتے خورشید کا بہ نام نکلتا

اک عمر ترے در پہ رہے سر کو پٹکتے
تو گھر سے نکلتا تو مرا کام نکلتا

گھر مرے آنا اگر منظور تھا
آئے ہوتے لطف سے کیا دور تھا
گالیاں جو دیں سو دیں بس کیجیے
سن چکے ہم جب تلک مقدور تھا

خورشید ترا دیکھ کے منہ کانپ کے نکلا
مہ چادر مہتاب میں منہ ڈھانپ کے نکلا

یہ دل خالی نہیں کوئی دم رہے گا
اگر تو جا گا تیرا غم رہے گا
نہ روک اے آستیں آنسو کو میرے
ترے یہ تھامنے سے تھم رہے گا؟

بتاں کے واسطے گھر بار کو اپنے لٹا نکلا
یہ طفل اشک میرا عاشقی میں بے بہا نکلا

شور ہے عالم میں تیرے حسن عالم گیر کا
تو ہی ہوگا گر کوئی ہوگا تری تصویر کا

عشق کی دولت سراپا میں طلا کلدنگ ہوں
اے مہوس دیکھ لے نسخہ ہے یہ اکسیر کا

یار میرا اگر نہ آوے آج
کل جو جانا تھا جی سو جاوے آج

جب نہ تب آتا ہے وہ سر پر مرے شمشیر کھینچ
کچھ بھی تو دل میں ندامت آہ بے تاثیر کھینچ
دل مرا سینے سے یوں لیتی ہے وہ زلف دوتا
جس طرح مجمر سے لے اخگر کو آتش گیر کھینچ

جس طرح شاخ کو ہوتا ہے ثمر سے پیوند
کاش نالے کو مرے ہووے اثر سے پیوند
کشور حسن میں اندھیر ہے کچھ مت پوچھو
نوخطاں شام کو کرتے ہیں سحر سے پیوند

مرتے ہیں ہم تو اس کے لب آبدار پر
گر آب زندگی ہو تو ماریں ہیں دھار پر

بوسہ دیا تھا جی میں جو آوے تو پھیر لو
اتنا خفا ہو کس لئے اس خاکسار پر

اس شمع رو کے سامنے آتا ہے تو پتنگ
بھاری ہوئے ہیں کیا تجھے اپنے دو چار پر

دب نکلتا ہے اگرچہ سب سے ہے بالا پہاڑ
دیکھتا ہے جب ہماری آہ کا کالا پہاڑ
جب تلک ہم تھے عدم میں کیا ہی فارغ بال تھے
زندگی نے سر پہ میرے غم کا لا ڈالا پہاڑ
کھو دیا گو کوہ کن نے جانِ شیریں کے لئے
اس کی فرمائش کا اپنے سر سے توٹالا پہاڑ

تم جو رہتے ہو اس قدر دل گیر
کچھ تو فرمائیے مری تقصیر
عمر یوں جائے اس قد خم سے
جیوں کہ جائے کڑی کمان کا تیر

کیا فائدہ ہے رونے سے لے اہل درد پھر
آیا ہے بعد مرنے کے یاں کوئی مرد پھر
تاثیر اٹھ گئی ہے زمانے سے ان دنوں
مت درد سر کسی کو دے اے آہ سرد پھر
قطعہ
میں نے کہا انہیں سے سبب کیا ہے ان دنوں
چہرے کا دیکھتا ہوں ترے رنگ زرد پھر

کہنے لگا کہ کیا کہوں اے مہربانِ دل
گر میں کہوں تو کس سے کہوں اپنا درد ہجر
کل جو گیا میں یار نے درباں سے کہدیا
میری گلی میں آئے نہ یہ کوچہ گرد پھر

گل سے ٹوٹوں میں خار کی خاطر
جان حاضر ہے یار کی خاطر

(ہے) نہیں جوہر نمایاں (تیغ تیز یار پر)
لکھ رہا ہے نام مقتولوں کا اس تروار پر
یار کے مژگان سے لڑ جائے یوں پھرتی نگاہ
جس طرح ترو ار کوئی آلگے تروار پر

شاداب ہے خط اس کے لب آبدار پر
رہتا ہے گرد چاہ کے اکثر گیاہ سبز

ایک کو ایک دیکھ نہیں سکتا
کیا زمانے کی ہے ہوا صیاد

یار آیا ہے اب نہ بہ اے چشم!
دیکھنے دے ذرا تو رہ اے چشم

یار کے مت ہو دو بد دولے چشم
دیکھ اس کو سکے گی تو اے چشم
ایک کو ایک دیکھ نہیں سکتے
کیا بُری ہے تری اے خولے چشم

جی نکلتا ہے پہ لب یادیں ہلتے ہیں تری
مرتے مرتے بھی ترا نام لیے جاتا ہوں
صاف اور دُرد کی تکرار سے کیا کام امین
جو مجھے دیتا ہے ساقی سو پیے جاتا ہوں

فائدہ کیا ہے بھلا ہم جو کریں فکر معاش!
غم (دکھ) کھاتے ہیں امیں خونِ جگر پیتے ہیں

سرو پر اتنا بھول مت قمری
ہم بھی اک نونہال رکھتے ہیں

مجھے بے چین رکھتا ہے دلِ افگار پہلو میں
وہ سوئے کس طرح جس کے رہے بیمار پہلو میں

مجھے تو کبھی عمر بھر غم نہ ہو
ملاقات تیری اگر کم نہ ہو

حال اپنا جو ہے مجھے کہنا
خواہ تم پوچھو خواہ مت پوچھو

گرتے ہیں مری چشم سے نیسان کے موتی
لے جائے جسے چاہیے پہچان کے موتی
روشن ہے شبِ ہجر میں یہ دیدۂ بیدار
جوں زلف میں چمکے ہے ترے کان کے موتی

دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی
عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی

رنگ چہرے کا زعفرانی ہے
عاشقی کی یہی نشانی ہے

خضر نے اک دم پیا تھا لے کے آبِ زندگی
مانگتے ہیں اب تلک اس سے حسابِ زندگی

ہم کھڑے تھے سامنے اور آپ اغیاروں میں تھے
ٹک تو منصف ہو جیے ہم ہی گنہگاروں میں تھے
جتنے تھے محفل میں تھا سب سے تپاک اور اختلاط
ایک ہم کمبخت واں گویا گنہگاروں میں تھے

تلووں سے آگ میرے اٹھتی ہے اے عزیزاں
مت نام لو وطن کا مجھ بے وطن کے آگے

مجھے ملی ہے جو خون جگر میں کیفیت
نہ پایا ہوگا کسی نے شراب پینے سے

میں گزرا یار کے ملنے سے جاوے جس کا جی چاہے!
غرض اب شوق سے عاشق کہاوے جس کا جی چاہے

چشم گریاں کی دیکھنا خوبی
مجھ کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبی
یار بھی اب گلہ لگا کرنے
یہ بھی اپنے نصیب کی خوبی

زاہد کبھی تو گرد نہ پھر بوئے شراب کے
یاں آگ ہے چھپی ہوئی پردے میں آب کے

رشک گلزار ہوا داغ سے سینہ میرا
یار کی بھاویں تماشا ہی تماشا یہ ہے

رباعی

یہ جور و جفا و بے وفائی کب تک
بس کیجیے، پاس آشنائی کب تک
کرتا ہے کوئی حسن پہ اتنا بھی غرور
دیکھیں تو رہے ہیں یہ خدائی کب تک

اظہار بھلا نہیں ہے گرچہ سر کا
پر بوجھ اتاروں ہوں میں اپنے سر کا
سائل کو جواب تلخ ہرگز مت دے
بھوکا ہے وہ کیا کرے گا لے کر سر کا

امامی

شاعر دل کش خواجہ امام بخش، امامی تخلص۔ از نبایر خواجہ احرار قدس سرہٗ است۔ برادر زادہ خواجہ بدیع الزماں۔ مردے بود صاحب رتبہ۔ یک مرتبہ نواب ہیبت جنگ بہادر بخانۂ ایشاں تشریف آورد و خدمت توپ خانہ نقدی مرحمت فرمودہ۔ جوانے غریب و شائستہ، قابل اختلاط۔ در مرثیہ مہارت کلی دارد۔ ازاں روز کہ خواجہ عزت بخش برادر خرد ایشاں انتقال نمودہ، کسے دیگر بازو بدست نہ آمدہ، ازیں سبب ازیں سعادت محروم ماندہ۔ شعر ریختہ از یک قرن می گوید و محبت تمام ازیں فن دارد اما دریں روزہا بسبب عدم موافقت روزگار ناہنجار مزاجش بحال نیست تاہم فکر نماید، از دست :-

اول اول دل تو کہہ اللہ اکبر کی ثنا
پھر مقابل اس کے کر حضرت پیمبر کی ثنا
لحمک لحمی کہا احمدؐ نے جس کی شان میں
ہے امیر المومنین ساقی کوثر کی ثنا!

آنسو کے برابر کوئی گوہر نہ ہوا ہو گا
کم تر ہی ہوا ہو گا، بہتر نہ ہوا ہو گا
اس عشق کے مشرب کا استاد امامی ہے
دنیا میں کوئی اس کا ہمسر نہ ہوا ہو گا

اس کماں ابرو کا گر تیر جگر میں ٹھہرا
شکر کر دل کہ یہ مہماں نہ ہوا تھا سو ہوا

اس حلق خشک کو قاتل کر آب تیغ سے تر
ترے تصدق سر میں جیا جیا نہ جیا
میں اپنی بندگی میں سر جھکائے حاضر ہوں
سلام کو مرے تو نے لیا لیا نہ لیا

مرا دل ترک کر اسلام کس کافر سے جا اٹکا!
قیامت تک نہ چھوٹے گا صنم کی زلف کا لٹکا
غبار راہ سے مل کر ترے دامن لگے تھے ہم
رقیب رو سیہ نے رشک کھا کر ہاتھ سے جھٹکا

بہار گل گئی، روتا ہے باغباں تنہا
چمن میں دیکھ کے بلبل کا آشیاں تنہا
خدا کے واسطے مجھ کو بھی اپنے لو ہمراہ
چمن کی سیر کرو مت لے گل رخاں تنہا

ہم نے اس عشق میں جب راہ بیاباں پکڑا
آبلے پاؤں پڑے، کانٹوں نے دامن پکڑا
ہم نے چاہا تھا کہ دامن تئیں کر ڈالیں چاک
کیا کریں یار نے آ دست و گریباں پکڑا

ہمارے دل کو ٹکڑے کر وہ ظالم پھر لگا کہنے
پڑا ہے کس کا یہ شیشہ یہاں ٹوٹا وہاں ٹوٹا

زلف تیری مثل شب ہے، رخ ترا ہے ماہتاب
کیوں نہ اس پاس ادب سے دن کو نکلے آفتاب
مصحف رو پہ ترے جب سے یہ خط ہو ا ہے
حسن تیرا تب سے ہے پیغمبر صاحب کتاب

کیا کہوں اے جان تیرے ہجر کی آتش سے آہ
خوب بریاں ہو رہا ہے میرے اس دل کا کباب
راز اس ظالم کا کس نے پایا اور پا و سکا کون
تو کدھر پھرتا ہے حیراں اے دل خانہ خراب

قطعہ

زاہد یہ بیٹھ توڑ کے تو دست و پا کہیں
کا ہے مگس کے صید کو پھر مثل عنکبوت
کیا فائدہ تجھا نشینی سے تیرے تیں
چل پھر تو بارے کچھ بھی چلا جائے تیرا تو

ذرا تو سیر بیاباں کی مجھ کو کرنے دے
پکڑ رکھے ہے تو دامنکو میرے خار عبث
نہ جام ہے نہ وہ مینا نہ مے نہ وہ ساقی
رہا ہے آنکھوں میں اب تک سے خمار عبث

رہے ہے ہاتھ کب نچلا اسے ہو گئی ہے خو ناصح
مرے چاک گریباں کو نہ کرنا تو رفو ناصح

بوسہ تجھ لب کے نمکداں کا ہے جو دل پر لذیذ
مجھ کو اس نعمت سے کوئی نعمت نہیں بہتر لذیذ

اے چشم نہ تھام اس کو ہے اشک تو جوش او پر
مژگاں نہیں رکھ سکتے اس طفل کو دوش او پر

کیوں نہ یوسف تجھے ہو مصر کا بازار عزیز
رکھتی ہے تجھ کو زلیخا سی خریدار عزیز

بلبلیں گر جانتیں ہے دام سراپا قفس
تو نہ پھنستیں دیکھ کر صیاد یہ تیرا قفس

کہا شیریں نے لے فرہاد شاباش
موا تو عشق میں ناشاد شاباش
سر فرہاد کا تو نے کیا کام!
تجھے اے تیشۂ فولاد شاباش

امامی پس گیا میں آہ اس کی گردش سے
فلک نے مجھ کو نہ یک دم رکھا یہاں محفوظ

کہتے ہیں مسجد میں زاہد ہو کے نالاں الوداع
عید سے ہے سستوں کے گھر اے ماہ رمضاں الوداع

وصل کی صورت نہ دیکھی ہجر سے ہے کب فراغ
اس کو کہتے ہیں مرے دل داغ بر بالائے داغ

سلب ہو جائے گا تیرا ایک دم میں شیخ کشف
بزم میخواروں میں کیوں کر بیٹھے تو اے تنگ ظرف

اس قدر دیوانہ کب کا دل ہے ہم رکھتے ہیں شوق
پاؤں بڑی ہیں گی زنجیریں، گلے لگتا ہے طوق

مجھ پر جفا کرے گا ستمگار کب تلک
شدت تری سہے گا گنہ گار کب تلک

گر مزا دیوانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پائے گا دل
جان پر میری نہ جانوں کیا بلا لائے گا دل

مجھے تو یا جلایا مار ظالم
ترے ہاتھوں سے ہوں ناچار ظالم

شگفتہ دلی میں کہاں دیکھتا ہوں
جہاں دیکھتا ہوں، خزاں دیکھتا ہوں

الٰہی ناخن تدبیر گھس گیا آخر
کھلی نہ تو بھی مرے بخت کی گرہ گرہ

دیکھا کسی میں گرم نہ کچھ کار دلبری
کیا سرد ہو گیا ہے یہ بازار دلبری

انتظار

صاحب اقتدار، علی نقی خاں انتظار، از خاک پاک ہندوستان است تشریف باین دیار آوردہ۔ چند شعر بسمع فقیر رسیدہ ازاں جملہ دو سہ شعر نوشتہ از دست۔

جو داغ ہے پہلو میں فرمائش دل ہے
پنہاں نہ کرلے پنبہ کہ آرائش دل ہے

جلوۂ کفر کہیں جھلکے ہے اسلام کہیں!
رُخ نے کی صبح کہیں، زلف نے کی شام کہیں

کیا ہے شمع نے کیا سرفروشی میں ہنر پیدا
کٹاتے دیر نہیں لگتی کہ پھر کرتے ہیں سر پیدا

ہر نظر جب تری پلکوں کو میاں دیکھا ہے
دل کو آویختۂ نوک سناں دیکھا ہے

بھونتا رہتا ہے داغ عشق شعلہ خو مجھے
جوں کباب سیخ اس پہلو سے اس پہلو مجھے

وقف ہے خانۂ دل قصد اگر اس کا ہے
کہو ناوک سے کہ آ بیٹھے یہ گھر اس کا ہے

جوں[1] ہی بہار گل کی قفس میں خبر گئی
بلبل خوشی سے ایسی ہی تڑپی کہ مر گئی

---

(۱) استغنا کا ذکر دوبارہ آیا ہے۔ دوسری بار ''مشہور روزگار ''استغنا'' لکھ کر آخری چار شعر نقل کیے گئے ہیں۔

جوں ہی سنا صبا سے کہ غنچے ہوئے ہیں وا
بلبل نثار کرنے کو لے مشت پر گئی

قطعہ

خاموش دیکھ کر مجھے کل پوچھتا تھا یار
اے انتظار تیری وہ جودت کدھر گئی
مصرع پڑھا فغاں کا میں اٹھ اس کے روبرو
یوں بھی گزر گئی مری دوں بھی گزر گئی

انصاف

از انصاف جونپوری سنی بہ یحیٰی :-

لکھا ہے وام کی تنخواہ قسمت بیچ لیل کی !
دیا سلطان گل نے جا سے منصب نہلوی کا

اختر

شیخ یزداں بخش پسر شیخ جہاں یار سپہ سالار ساکن الہ آباد اختر تخلص۔ از چند سال در عظیم آباد تشریف می دارند وشعر ریختہ می گویند و اصلاح از میاں فدوی می گیر از دست :-

دی آبرو جہان میں ابر بہار کو
رحمت ہماری اس مژۂ اشک بار کو
اختر مجھے نہ پوچھے تو پھر پوچھے کون آہ
جیتا رکھے خدا مرے اس دوست دار کو

امیر

مہربان دوستاں امیراللہ خاں امیرؔ تخلص، شاگرد میر ولایت اللہ خاں،
جوانے بود مالوف بسخن شعر ریختہ بسیار یاد داشت۔ در وقت راجہ رام نارائن از طرف
منزب عظیم آباد وارد شدہ ودر سرکار صوبیدار موصوف نوکر گشتہ۔ بخانہ میر حبیب اللہ
غفرلہ با فقیر ملاقات نمودہ، اشعار اساتذہ مربوط خواندہ وخود ہم فکری کرد اما باکثر مردم
محض داشت۔ بوقت نواب میر محمد قاسم خاں بہادر امتیاز الدولہ عالیجاہ برفاہ بود
چندروز سیر دنیا نمود آخر بجنت شتافت۔ وقت تحریر ایں چند بیت بدست آمدہ،
برائے یادگار قلم بند ساختہ :-

نہ چھوڑا یں جھنجلا کے تار گریباں
رہے تا نہ گردن پہ بار گریباں
جو ہاتھ اس کے بند قبا کھولتے تھے
سو مشغول ہیں اب بکار گریباں

کوہ کن سر کو پٹک مر گیا کہسار کے ساتھ
اور دیا جی کے تئیں حسرت دیدار کے ساتھ
جب سے جاتا تو رہا روٹھ مرے گھر سے میاں
تب سے روتا ہوں میں لگ لگ در و دیوار کے ساتھ

احتشام

نجیب الطرفین سید احتشام حسین ولد سید احمد حسین غفرلہ۔ از نبایر خواجہ

احرار قدس سرہ۔ در محلہ مغل پورہ من محلات بلدۂ عظیم آباد تشریف می داشت۔ جوانے بود صاحب اخلاق و بے نفاق۔ با احقر دوستی و اخلاص کمال داشت وگاہ وگاہ شعر ریختہ بتحریک دوستان و آشنایاں می گفت، چنانچہ روزے شخصے درخواست غزلے در تعریف پنچھ نمودہ، بوجہ احسن سربراہ فرمودہ۔ در وقت سلطنت عالمگیر ثانی از عالم فانی بعالم جاودانی شتافت وقت تحریر غیر از یک شعر شعر دیگر بدست نہ آمدہ کہ تحریر نماید:

تخت سے آیا ہے میرے ہاتھ اونا پنچھا
کاٹ کرنا ہے عزیزو قد سے دونا پنچھا

دشت کو غم نہیں مجنوں کا فراموش ہنوز
دیکھ لو چشم غزالاں ہے سیہ پوش ہنوز

آیت

از علم ظاہر و باطن آگاہ، مولوی آیت اللہ آیت تخلص۔ ساکن عظیم آباد بیرون شہر پناہ۔ قصۂ شاہ و گدا:

سنا میں نے کہ اک عاشق گدا تھا
بہ عشق دختر شہ مبتلا تھا
اسے دیکھا گدا نے برلب بام
پیا اس کی نگاہ مست کا جام

آگاہ

فرزند رشید خواجہ رحمت اللہ، خواجہ عبداللہ عظیم آبادی آگاہ تخلص،

مردیست خداپرست، اکثر بعبادت اشتغال می دارد و سخن بسیار نمکین می فرماید وبا کسے کہ آشنا است، آشنا است۔ در محفل مشاعرہ تشریف می آوردند و غزل طرحی فارسی می فرمودند، و مردم از کلام ایشاں استفادہ حاصل می نمودند احقر از بسکہ دوست دارد و بمد نظر دوستی قدیم یک شعر ریختہ وقت تحریر تذکرہ بدست آمدہ، آنرا غنیمت دانستہ مرقوم ساختہ۔ از دست :

ایک دن اس سے ہم زبانی کی
منھ سے اب تک مزا نہیں جاتا

بیدل

سرور شاعران اہل دل، حضرت میرزا بیدل، شاعر پرزور فارسی، صاحب دیوان۔ می گویند کہ لکھ بیت کزیں زیادہ معہ مثنوی وغیرہ فرمودہ۔ در اوائل شباب جوانی نوکر شاہزادہ محمد اعظم شاہ بود، بعد از چندے دست از روزگار برداشتہ برضائے مولا کہ از ہمہ اولی است کوشیدہ۔ کاملاں از کلام نثر و نظم دریافت می نمایند کہ بہرۂ[1] کلی از عرفان داشتہ۔ احوال خیر مآل آں خجستہ خصال مفصل در تذکرہ ہائے سلف مرقوم است۔ دو بیت ریختہ بنام مبارک وے در تذکرۂ میر مرقوم است، موجب برکت ایں تالیف و فرحت دل مشتاقاں تصور نمودہ ارقام می نماید۔ از دست :

مت پوچھ دل کی باتیں، وہ دل کہاں ہے ہم ہیں
اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم ہیں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم ہیں!

(۱) نکات ص ۲۴

بیرنگ

شاگرد میاں یک رنگ، دلاور خاں بیرنگ عفرلہ۔ در تذکرہ فتح علی تبریزی مرقوم است کہ طبع سلیم "ذہن مستقیم"[1] داشت و عنوان سپہ گری علمی افراست:

یار کا جب خیال آتا ہے
ہوش میرا تمام جاتا ہے

دل کو تجھ عشق سے قرار نہیں
اب تلک تجھ کو اعتبار نہیں

نہیں مطلب مجھے ہے باغباں ور
دوانا ہوں ہیں گل کے رنگ و بو کا
سدا بیدار رہ غفلت سنے ترش
مثل مشہور ہے سویا سو چوکا

در تذکرہ سید فتح علی ایں شعر مرقوم است۔ بشنوید، برائے ترشی مصرع اول در مصرع ثانی مثال چوک آوردہ است۔ خوب است اما ایں مثل درست نیست۔ مثل بایں طور است "سوا سو موا" چنانچہ درویشاں نیز غفلت را موت می دانند و فرمودہ نوم (النوم) اخی الموت۔ در دہلی مروج باشد۔

ہے ہاتھ ترا خوں سے عاشق کے گر آلودہ
مہندی سے سجن مت کر بارہ دگر آلودہ

---

(1) گردیزی ص ۲۴

میں تو لکھا تھا اس کو خط بیرنگ
اس تغافل شعار نے نہ پڑھا

بے تاب

فارغ از فکر رنج و عتاب، محمد اسمٰعیل بیتاب۔ در تذکرۂ میر مرقوم است کہ مرد درویش بود۔ شاگرد میاں یک رنگ، بسیار[1] مربوط و مضبوط الاحوال۔ دریں ایام بخانۂ جعفر علی خاں می رفت کہ از پشتِ اسپ بر افتاد و بینیش شکست، بیماری دو سہ ماہ کشید، آخر از ہماں آزار راہ فنا گرفت، خدا مغفرت کند۔:

نہ ہوتا گر کسی سے آشنا دل
تو کیا آرام سے رہتا مرا دل

تڑپ کر مر گئی بلبل قفس میں
پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں

بیچارہ

بے چارہ است،[2] دیگر احوال ایشاں در تذکرۂ میر مرقوم نیست۔ از دست:

پی سے جدا ہونا نہ تھا، چاہا خدا کا یوں ہوا
جز صبر کچھ چارہ نہیں، بیچارہ ہو رہنا پڑا

---

(۱) نکات ص ۸۲
(۲) نکات ص ۱۰۵

بسمل

مرد عاقل، تخلص بسمل می کرد، پیش[1] از تحریر تذکرۂ میر شہرۂ او در شاہجہان آباد شدہ بود۔ بعد ازاں معلوم نشد کہ کجائے بود کجا رفت۔ از وست :

لہو ہی رہ گیا بسمل وگر نہ
ملاتا اپنے تیں وہ خاک و خوں میں

بیدار

در تذکرۂ سید فتح علی تبریزی[2] مرقوم است کہ بیدار شاعرے بود، احوال او ہیچ معلوم نیست۔ از وست :

صفا الماس و گوہر سے فزوں ہے تیرے دنداں کو
کیا تجھ لب نے ہم زنگ خجالت لعل و مرجاں کو

در تذکرۂ میر مرقوم است کہ بیدار جوانے است از یاراں[3] مرزا مرتضیٰ قلی بیگ فراق، مصرع ریختہ درست موزوں می کند۔ ایں عاصی بخدمت مرزا موصوف ملاقات کردہ بود، تذکرہ ہم نوشتہ بودند، در آتش زدگی سوختہ۔ واقعی شاعر فارسی بود و بسیار خوب می فرمود۔

بیان

دادرس دردمنداں، خواجہ احسن اللہ بیان۔ می گویند کہ صورت و سیرت ہر دو خوب دارد و فہم ذکیاست نیز۔ [4] زادگاہش اکبرآباد، و طبعش معنی ایجاد

---

(۱) نکات ص ۱۴۳
(۲) گردیزی ص ۲۵
(۳) نکات ص ۱۲۶
(۴) گردیزی ص ۳۰

مشق سخن از حضرت مرزا مظہر مدظلہ العالی می نماید چنانچہ می گوید :

بندے سے ثنا حضرت استاد کی کیا ہو
مظہر ہے خداوند کی وہ شانِ اتم کا
کیا کیجئے بیاں اس کے وجوب اور قدم کا
طاقت نہ زباں کی ہے نہ مقدور قلم کا

نکلے ہے لالہ خاک کے نیچے سے سرخ سرخ
رنگیں ہوا شہیدوں کے خوں میں نہا نہا

صاف منہ پر میں نہیں کہتا کہ ہوگا اس کے پاس
ورنہ کیا واقف نہیں میں دل ہے میرا جس کے پاس

جو پتنگے کے جلانے کا سبب ہوتی ہے شمع !
تو انھوں کے غم میں اپنی جان بھی کھوتی ہے شمع
مشہد پروانہ روشن کیوں نہ ہووے دہر میں
جس کے بالیں پر تمامی شب کھڑی روتی ہے شمع

جو نہ ہو اس شمع رو کا عشق کے سینے میں داغ
کون مجھ بے کس کی تربت پر کرے روشن چراغ
جان کر معنی کسی کے میں نہیں باندھے کہیں
صاحب خرمن کو کب ہے خوشہ چینی کا دماغ

قرض لیتا ہم زبانوں کے سلیقے کی بیاں
اس دلِ ناداں کے شیون سے اگر ملتا فراغ

آتا ہے جی کو دیکھ کے یہ خوش بہار حیف
اے عندلیب تو ہے قفس میں ہزار حیف
یاں تک ہے خستہ حالی کہ دیکھے ہے جو مجھے
نکلے ہے اس کے منہ سے بے اختیار حیف

عالم کو لعل و گوہر و تاج دلوا دیا
اے آسماں بتا تو مجھے تو نے کیا دیا

رخصت ہوتے ہی مر گئے ھسم
اودھر گئے تم، ادھر گئے ہم

ہے چرخ تو بھی اس ستم ایجاد کی طرف!
کافی ہے یاس مجھ دل ناشاد کی طرف

کب تلک اس کی شکایت ہو زلب ہے آشنا
ایک بیگانہ ہے مجھ سے اور سب سے آشنا
غیر کے کہنے پہ مت بیگانہ ہو یک بارگی
دیکھ تو اے شیخ تیرا ہوں میں کب سے آشنا

کیوں آج سماتا نہیں سینے میں خوشی سے
پہنچا ہے مگر دل تجھے پیغام کسی کا

قفس میں میں رہائی کے لیے کیا کیا نہیں کرتا
پھڑکتا ہوں، تڑپتا ہوں کوئی پروا نہیں کرتا

یہ لوگ منع جو کرتے ہیں عشق سے مجھ کو
انھوں نے یار کو دیکھا ہے یا نہیں دیکھا

ہمدم نہ فکر کر کہ مرا کام ہو چکا!
جو دل میں ہے تو مجھے آرام ہو چکا
آتا ہے تجھ کو ننگ مرے نام سے نپٹ
اے شوخ اب تو شہر میں بدنام ہو چکا

بیاں تیرے کوچے سے چلتا رہے گا
مری جان تو ہاتھ ملتا رہے گا

ہوئی آہ اس قدر نارسا
کہ سینے سے آتی نہیں لب تلک
نپٹ ہی بیاں کا برا حال ہے
تغافل ارے بے خبر کب تلک

تڑپنے کی، تماشے کی ہوس باقی ہے قاتل کو
مُوا جاتا ہے کیوں اتنا ٹک اک تو پڑا بسمل

کس ستمگر سے ملا دیکھ تو طراری دل
کچھ بھی دھڑکا نہ گیا بل بے جگرداری دل

زلف خم ہو کے ترے گال میں نت کہتی ہے
لو سنو حال مرے دل کی پریشانی کا

کل شمع یہ کہتی تھی با چشم تر آلودہ
ہے سر کا وبال آخر یہ تاج زر آلودہ

ایں ہر سہ شعر اخیر در تذکرۂ سیا نتیجہ علی ئیافتہ۔ دریں شہر زبان زدِ خاص و عام ایشاں است۔

بیکل

معنی یاب، سید عبدالوہاب، بیکل تخلص، دولت آبادی و در سخن[(1)] شاگرد میر عبدالولی :

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا
سرخ و سفید مٹی کی مورت ہوئی تو کیا

جگایا مجھ کو کس کمبخت نے ہائے!
مری آنکھوں کے آگے وہ ابھی تھا

(1) گردیزی ص ۷۹

گل کی حسرت سے مرے دل میں سدا خار رہا
میں تو بھر عمر قفس ہی میں گرفتار رہا

مرتا ہوں غم گساری جو اب نہیں تو پھر کب
اے یار! مجھ سے یاری جو اب نہیں تو پھر کب
برسے ہے ابر رحمت ساقی کدھر ہے مینا
ہنگام بادہ خواری جو اب نہیں تو پھر کب
جاتا ہے وہ کہ جس سے تھا لطف زندگانی
آتی اجل ہماری جو اب نہیں تو پھر کب

یار نے جب سے اٹھایا اپنے چہرے سے نقاب
طعن کرنے سے مرے آتا ہے ناصح کو حجاب
کل تو آوے گا ہی آخر غرۂ ماہ صیام
آج تو پی لیجئے من مانتی ساقی شراب

عشق میں کیا ثابتی ہے مجھ دل بیتاب کو
برقرار آتش اوپر دیکھا اسی سیماب کو

سرو کو رتبہ نہیں آگے ترے اے سبز پوش
ایک تجھ بازار خوبی کا ہے وہ سبزی فروش

بے قید

فضائل علی خاں ساکن دہلی، بے قید[1]۔ صاحب تصانیف کتب عربیہ و فارسیہ و ہندیہ است۔ از دست :

خط آنے سے تیرے دل بھر آیا
یہ سبز قدم کہاں سے آیا

خدا سے سنا ہے کہ محبوب ہے
اگر ہاتھ آوے تو کیا خوب ہے

بہادر علی

مہربان ولی، میر بہادر علی۔ مردے بود سپاہی پیشہ، شجاع و سخی در وقت صوبہ داری راجہ نوبت رائے دریں شہر عظیم آباد تشریف آوردہ و با احقر آشنا است۔ از دست :

بھلی چال سے جس کی گردن تڑی
تھڑی ہے تھڑی ہے تھڑی ہے تھڑی

بے نوا

قابل مرحبا، بے نوا۔ احوال او بہ تحقیق نمی پیوندد۔ و در وقت محمد شاہ

---

(۱) فضائل علی خاں کے بارے میں یہ غلط فہمی ہے کہ ان کا تخلص بے قید تھا وہ "بے قید تخلص" تھے۔

بادشاہ سنگرام نامی جوہری جوتی فروشے راکشتہ، بابت او بلوا شد چنانچہ جوتی فروشاں مانع خطبہ شدند[1] روشن الدولہ جوہری مذکور را پناہ داد۔ آخر جنگ عظیم درمیان امرایان عظام افتاد۔ نواب روشن الدولہ ظفر خاں تاب نیاورد و گریخت۔ آں قصہ را شاعر مذکور در مخمس بست :

یہ کیا ستم ہے اے فلک ہرزہ نابکار
مریخ بھر کے تیز کیا ہے خنجر کی دھار
جوتی فروش مرد مسلمان دیندار
مردود جوہری نے لیا ہے ستم سے مار
سنگ جفا سے چور کیا لعل آبدار
کتنوں کو مارجی سے قضا نے گرادیا
کتنوں کا جی بچا کے بہت ہڑبڑا دیا
تا حشر ہر زباں پہ رہے گا یہ یادگار

بہار

بلبل بے قرار، لالہ ٹیک چند بہار۔ مرد مستعد یست از یاران سراج الدین علی خاں آرزو۔ صاحب تصانیف ایں قدر کہ تقی میر در تذکرہ می نویسد[2] کہ دماغ تفصیل ندارم۔ از دست :

وہی اک سماں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں
کہیں تسبیح کا رشتہ، کہیں زنار کہتے ہیں
اگر جلوہ نہیں ہے کفر میں اسلام کا ظاہر
سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں زنار کہتے ہیں

(۱) نکات ص ۴۵
(۲) نکات ص ۱۳۰

تھی زلیخا مبتلا یوسف کی اور لیلیٰ کا قیس
یہ عجب مظہر ہے جس کا مبتلا ہے مرد و زن

ایں شعر در خاطر فقیر گنجائش ندارد۔ مظہر سیوم کجاست کہ مبتلاے آں مرد و زن اند۔ اگر مظہر سیوم بیان می کرد، شعر درست می شد۔ اگرچہ در حقیقت مرد و زن ہم یک مظہر ست مگر بصورت ظاہر دو اند، یکے بر دیگرے عاشق است۔ اگر بایں طور می گفت، شعر درست می بود۔ بہر حال خوب می گوید، مرا ازیں چیزہا چہ کار۔ برسبیل تقریب گفتہ و نوشتہ۔

نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں
ہمیں ایسا خرابی کیا، تجھ کو منا جاتے

کیا ہے عشق کے رہ بیچ پا برہنہ بہار
تمام دشت ہے پر خار دیکھیے کیا ہو

بقا

از بقا :

شیخ ہے

بیتاب

از محمد علیم بے تاب، ساکن الہ آباد :

شعلۂ آہ جگر جلتا ہے
اشک جلدی سے خبر لیجو کہ گھر جلتا ہے

بیدار

کامل روزگار، منشی بساون لعل بیدار، صاحب دیوان فارسی، شاگرد حضرت مرزا مظہر مدظلہ العالی۔ برفاقت غلام حسن خاں خلف نواب اعظم خاں دیوان پادشاہی پیش از نادر شاہی تشریف آوردہ وتا بحسن خدمت دیوانی خان موصوف بعظیم آباد ماندہ و باز تشریف بہ شاہجہاں آباد برد۔ وازاں روزیکہ غلام حسن خاں صاحب موصوف ہمراہ نواب صفدر جنگ وزیر برآمدہ، در مرشد آباد استقامت ورزیدہ ومنشی صاحب را بخدمت نواب شہامت جنگ سپرد فرمودہ۔ بعد انتقال نواب شہامت جنگ غفرلہ منشی صاحب دست از روزگار برداشتہ بہ عظیم آباد تشریف آوردہ و بطریق سیر بخدمت شیخ عبدالشکور صاحب غفرلہ رفتہ۔ چندے در سرکار ترہت وچندے در سرکار چمپارن تشریف داشتہ۔ اکثر مردم از فیض صحبت تربیت یافتہ چنانچہ ایں احقر ہم قدرے دیوان حضرت مرزا موصوف خواندہ۔ سخن او بسخن ہست دلپذیر ونثر او ست نثر بے نظیر۔ چشمش مائل طرف حسن پرستی و دلش تارک بلند و پستی۔ قریب چہار سال است کہ بطرف محمد آباد بنارس رفتہ۔ الحال معلوم گشتہ کہ در کاشی قیام نمودہ۔ در بار مولیٰ کہ از ہمہ افکار اولیٰ است۔ لیل ونہار مشغول می باشد۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ سلامت باکرامت دارد۔ دو چہار بیت ریختہ ہم فرمودہ بود، بجہت یادگار مرقوم ساختہ۔ از دست :

دل سنگیں میں ترے، آہ کو تاثیر نہیں
اب بجز ترک وفا مجھ کو بھی تدبیر نہیں

وقت رخصت کا قیامت ہے نہ دکھلائے خدا
اک بھری آنسو سے آنکھیں اور حسرت کی نگاہ

مرے لختِ جگر یوں آنسوؤں کے ساتھ جاتے ہیں
کہ جوں پھولوں کی پنکھڑی رے کے پانی میں بہتے ہیں
نہ بوجھو اس قدر بیدار کے آنسو کو کم قیمت
کہ یہ موتی ڈھلکتے، تم کسی کے ہاتھ آتے ہیں!

برکت اللہ

نورِ چشم شیخ قدرت اللہ، میاں برکت اللہ عظیم آبادی، سلمہ اللہ۔ از فضلِ الٰہی بجمیع وجوہ خوب صورت و سیرت سراپا اہلِ تمکیں، شوخی بقدر ضرورت، فہیدہ و سنجیدہ۔ دریں سن و سال خط نستعلیق وغیرہ خوب می نویسند و از شعر ہم قدرے الفت دارند، ازیں سبب گاہے مصرع و گاہے بیت موزوں می نمایند۔ لہٰذا تا حال تخلص ہم مقرر نیست۔ ان شاء آئندہ دریں فن ہم کامل خواہد شد۔ از دست:

ہے تیرے سوا کون مرا پوچھنے والا
ہاں تجھ کو سلامت رکھے اللہ تعالیٰ

ساقی ہو اور شراب ہو اور ہو گیاہ سبز
اور تو ہو پھر تو کیوں نہ ہو بخت سیاہ سبز

بسمل

مہربان دل، میر جبار علی بسمل۔ از فضلِ الٰہی در مشاعرہ غزل طرحی بوجہ احسن می فرمود و بلاناغہ بروز جمعہ تشریف می آورد۔ دریں روزہا طرف بنارس اوقات

بسری برد، حق تعالیٰ سلامت دارد۔ وقت روان ایشاں احقر حاضر نہ بود کہ اشعار گرفتہ شود۔ بتلاش تمام چند شعر اوائل گفتگو بدست آمدہ، برائے آگاہی ارقام نمودہ۔ انشاء اللہ تعالیٰ بر ملاقات دیوان انتخاب نمودہ خواہد شد۔

اس قدر راضی رضا سے تیرے ہے بسمل ترا
شکر کہتا ہے لب ہر زخم سے قاتل ترا

جی دھڑکتا ہے جلے دامن نہ میرے ماہ کا
آسماں تک ہے اٹھا شعلہ ہماری آہ کا

رہتا ہے داغ دل ہی سے روشن تمام شب
محتاج نیں یہ کلبۂ احزاں چراغ کا

نہ پوچھ مجھ سے مرے دل پہ عشق کیا لایا
جو کچھ کہ لایا سو لایا غرض بلا لایا

نہ آپ کو رکھا نہ اسے آشنا کیا!
حیراں میں ہوں اسی میں کہ اس دل نے کیا کیا

کوچے میں ترے جب یہ روانہ تھا پری رو
تھی راہ صبا کو نہ فرشتے کو گزر تھا

معلوم ہوا بعد ملاقات کے ظالم
جو کچھ کہ مرے حق میں تجھے مدنظر تھا

موج تھی تیری ہی تجلی کی
غور کر جس سراب میں دیکھا

جب میں سینے کے درمیاں دیکھا
داغ دیکھا جہاں جہاں دیکھا

جب لگے چلنے ترے تیر نگاہ
چھوٹتے ہی دل نشانہ ہو گیا
جس کو کہتے ہیں خدا کا گھر سو دل
ان بتوں کا آشیانہ ہو گیا

درد و غم کیوں نہ ہو شعار اپنا
ہے تغافل شعار یار اپنا

جب مرے عشق نے ظہور کیا
شیشۂ دل کو چور چور کیا

یہ کیا تھی دشمنی تجھے مجھ سے کہ تو نے عشق
آتے ہی آگ خانۂ دل میں لگا دیا

باقی گلی میں یار کی اس خاکسار کی !
تھی مشتِ خاک وہ بھی صبا نے اُڑا دیا

نہ پھول گلشنِ ہستی میں اس قدر اے دل
برنگِ غنچہ جو ٹک بھی ہنسا، نہیں جیتا

ترے فراق میں ساقی مرا یہ شیشۂ دل
رہے ہے درد و الم سے بھرا بجائے شراب
تری جناب سے فصلِ بہار میں ساقی
نہیں کچھ اور تمنا مجھے سوائے شراب

کیا کام سلطنت سے اُسے ہے بھلا جسے
ظلِ ہما ہے سایۂ دیوار کوے دوست
ہے امتیاز نکہتِ توحید کی جسے
آتی ہے اس مشام میں ہر سو سے بوئے دوست

جب سے ہے چشمِ دل کی مری مبتلائے دوست
کچھ دیکھتا نہیں ہوں نظر سے سوائے دوست
جو طالبِ رضا ہے سدا با خلوصِ دل
اس کی رضا وہی ہے جو کچھ ہے رضائے دوست

دیکھ ابروے یار کی صورت
پھر گئی ذوالفقار کی صورت

گلزار جہاں سے مثل شبنم
ہر ایک گئے ہیں چشم تر کر
دل دار ترا ہوا دل آزار
دل آہ تو چارۂ دگر کر

گو حال ناتواں پہ مرے تو نظر نہ کر
پر چشم مرد ماں میں ذلیل اس قدر نہ کر

جان و دل کو جو کر چکا ہے نیاز
سو یہ بندہ ترا ہے بندہ نواز

اسے ہے خوف کہ شاید کوئی نہ ہو مانع!
چلا ہے چھٹ کے مری آہ کے عتاب میں دل

اگر ہے ایسی ہی تیری میاں چشم!
عبث رکھتے ہیں تجھ سے مرد ماں چشم!

تو ہو مجھ پاس یہ نصیب کہاں
تو کہاں اور یہ غریب کہاں

گو مرے خوں سے سدا رنگیں تری شمشیر ہو
پر کسے طاقت .... دامن گیر ہو
عفو کے تیرے مقابل گر مری تقصیر ہو
ابر رحمت سر پہ وہ ہیں جوہر شمشیر ہو

ترے فراق میں جب تک کہ داغ داغ نہ ہو
دل گرفتہ مرا یار! باغ باغ نہ ہو

آتی ہے لیے دل شکستہ
یہ فوج اشک کی ہو در ستہ

مرا یہ شیشۂ دل گردش زمانہ سے!
برنگ شیشۂ ساعت ہے انقلاب زدہ

کھلے بندوں نہ ملا یار مجھے ہائے نصیب
وصل میں بھی گرہ بند قبا دشمن ہے

اگر تو ہی نہ ہووے جان مجھ پاس
مجھے پھر زندگی سے کام کیا ہے

ہوئے بسمل سبھی لیکن نہ سمجھا
کہ قاتل کون ہے اور نام کیا ہے

پاکباز[1]

خجستہ آئین، میاں صلاح الدین عرف مکھن، پاکباز تخلص در تذکرۂ تقی میر قوم است[2] کہ شخصے است گوشہ نشیں، شاگرد میاں یک رنگ، بسیار کم اختلاط، گویا آشنا شدن را نمی داند۔ پسر میاں شاہ کمال نبیرہ شاہ جلال قدس سرہ است۔ اکثر بورد وظائف مشغول می باشد۔ در مجمع شاعران ریختہ کہ بتاریخ پانزدہم ہر ماہ قرار یافتہ است، اگر دماغ وفا کند، تشریف می آورد۔ مزاجش خالی از وحشت نیست۔ از دست:

جلوے تمہارے حسن کے نت ہیں یہ ہم کہاں
تم تو سجن ہمیشہ ہو، افسوس ہم کہاں

مجھے درد و الم رہتا ہے نت گھیرے میاں صفا
خبر لیتے نہیں تم کیسے ہو تم میرے میاں صفا

پیام

محب امام الہمام، شرف الدین علی خاں پیام۔ از خاک[3] پاک اکبرآباد است۔ شاعر است قرار داد شاعران۔ دیوان فارسی بدست داشت و دیوان ریختہ نیز۔ از دست:

بات منصور کی فضولی ہے
ورنہ عاشق کو آہ سولی ہے

دلّی کے کج کلاہ لڑکوں نے — کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا — ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

---

(۱) مخطوطے میں ب اور پ دونوں کا اندراج "ب" کے ذیل میں ہے۔ (۲) نکات ص ۱۸
(۳) نکات ص ۴۳

تاباںؔ

گل باغچۂ دل دوستاں، سید عبدالحیٔ تاباںؔ۔ در تذکرۂ میر وغیرہ مرقوم است کہ نوجوان[1] بانزہ بود۔ سید نجیب الطرفین۔ مولدا و شاہجہان آباد بود۔ بسیار خوش فکر و خوبصورت، خوش خلق پاکیزہ سیرت، معشوق عاشق مزاج "تا حال در فرقہ شعرا ہمچو شاعر خوش ظاہر بعرصۂ ظہور جلوہ گر نشدہ بود، زبان رنگیں او چناں بود کہ سخن او ہمیں دو لفظہا گل و بلبل تمام است۔ نسبت شعرائے استاد رتبۂ شاگردے نبود۔ با میر یک صفائے داشت۔ از چندے بہ سبب اختلاط میر کدورتے بمیاں آمدہ بود، اجلش مہلت نداد کہ تلافیش کردہ آید۔ آخر آخر کہ اول جوانی او بود، اینقدر مداومت شراب نمودہ کہ ملاقات ہمہ یاراں موقوف گشتہ۔ چوں ہفت و ہشت روز کہ از حیات باقی ماندہ یکمرتبہ توبہ کردہ بہ ہمہ آشنایان خود رقعہا نوشت کہ عزیزان من توبہ کردہ ام شما شاہد و خبر گیران من باشید۔ از گزاشتن ایں، از ہم گزشتن من نزدیک نماید۔ غافل از احوال من بودن از عقل بسیار دور است۔ بموجب نوشتہ او بظہور پیوست۔ غیر از افسوس چارۂ نیست۔ حق تعالیٰ مغفرت فرماید بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ الامجاد۔ از وست:

ہے سوزِ عشق یاں تئیں مجھ میں کہ بعد مرگ
پروانہ مرغِ روح ہو شمعِ مزار کا

قد حلقہ کماں اسی حسرت میں ہو گیا
تیر ہدف کبھی نہ ہماری ہوئی دعا

اخگر کو چھپا راکھ میں ہیں دیکھ کے سمجھا
تاباںؔ تو تہِ خاک بھی جلتا ہی رہے گا

[1] نکات ص ۱۰۹

پاس تو سوتا ہے چنچل پر گلے لگتا نہیں
منتیں کرتے ہی ساری رات ہو جاتی ہے صبح

مرا بس ہو تو ہرگز خط نہ آنے دیں ترے لیکن
لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا ہے کیا قدرت

لگ رہی ہیں ترے عاشق کی جو آنکھیں چھت سے
تجھ کو دیکھا ہے مگر ان نے لب بام کہیں

بے میری خبر چشم مرے یار کی کیوں کر
بیمار عیادت کرے بیمار کی کیوں کر

بال اپنے کھولتا ہے جب تو اے خورشید رو
چاند سے منھ پر ترے اس وقت آجاتا ہے ابر

آشنا تو مجھ سے ہے ایسا کہ جیسا چاہئے
پر جو کچھ دل چاہتا ہے، ہائے وہ ہوتا نہیں

ساقی ہو اور چمن ہو مینا ہو اور ہم ہوں
باراں ہوا ور ہوا ہو سبزہ ہو اور ہم ہوں
ایمان و دیں سے تاباں کچھ کام نہیں ہے مجھ کو
ساقی ہو اور رَت ہو دنیا ہو اور ہم ہوں

ملایا خاک میں گھر کوہکن کا ہائے خسرو نے
یہ کیا بات آگئی اس خانماں آباد کے دل میں

جفا تو چاہیئے اے شوخ مجھ پہ یاں تک کر
کہ سب کہیں مجھے رحمت تری وفا کے تئیں

دیکھنا ان ماہ رویوں کا تو اے تاباں چھوڑ چاہتا ہے گر ہمیشہ نور بینائی کے تئیں

میرے ہم مشربوں میں آ تاباں
ریجھتے ہوں گے حضرت رمضاں

جوں برگ گل سے باغ میں شبنم ڈھلک پڑے
کیا ہو کہ برگ تاک سے یوں مے ٹپک پڑے

محفل کے بیچ سن کے مرے سوز دل کا حال
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

کاٹے ہیں بتاں تاباں جو شمع زباں میری
یاں بات کے کہنے کی ہوتی ہے گنہگاری

سفیدی جو آئی ہے ڈاڑھی میں تیری
سمجھ شیخ یہ تار و پود کفن ہے

شیخ جو حج کو چلا چڑھ کے گدھے پر یارو
زور نہیں ظلم نہیں عقل کی کوتاہی ہے

رکھتا تھا ایک جی جو ترے غم میں جا چکا
آخر تو مجھ کو خاک میں ظالم ملا چکا

دیتا نہیں ہے ساقی اس ابر میں پیالا
آتا ہے مجھ کو تاباں بے اختیار رونا

گلی میں اپنی روتا دیکھ مجھ کو وہ لگا کہنے
کہ کچھ حاصل نہیں ہونے کا ساری عمر رو بیٹھا

تو بال کھول نہایا تھا ایک دن، اب تک
ہر ایک موج کو ہے پیچ و تاب دریا میں

بہے اشک از بسکہ آنکھوں میں مری
لب جو ہوا ہے کنارِ گریباں

ہاتھ بے فائدہ زنداں میں نہ دوڑا مجنوں
طوق ہے تیرے گلے میں یہ گریباں تو نہیں

خوانِ فلک پہ نعمت الوان ہے کہاں
خالی ہے مہر و ماہ کی دونوں رکابیاں

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہنچو
ٹک تم کو دیکھ لیں ہم جلدی سے جان پہنچو

یں گور غریباں پہ جا کر جو دیکھا　　بجز نقش پا لوح تربت نہیں ہے

نہ پائی خاک بھی تاباں کی ہم نے پھر ظالم　　وہ ایک دم ہی ترے روبرو ہوا سو ہوا

آرزو ہی رہی پہ دانۂ تاک　　قطرۂ مے کبھو نہ ہو ٹپکا

مرنے کے سے تو نہیں کچھ مرے آثار ہنوز　　رحم کر رحم کہ جیتا ہے یہ بیمار ہنوز

کیا میں فرض کر محشر کے تیں مجھے بخشیں　　جو تو نہ ہووے تو فردوس بھی جہنم ہے

ترے پاس عاشق کی عزت کہاں ہے　　تجھے بے مروت محبت کہاں ہے
مری گور پر لوگ رکھتے ہیں گل گوں　　تری دل ربائی کی غیرت کہاں ہے
بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی　　مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے

میرا جواب نامہ یاں لکھ چکے پر اب تک　　قاصد پھرا نہ لے کر واں سے جواب نامہ

گئے نالے ترے برباد مانند جرس چپ رہ　　اثر دیکھا تری فریاد میں دل ہم نے بس چپ رہ

تیرے ابرو سے نہ چھوٹے گا مرا دل ہرگز　　گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ہوتا ہے

تو سے پی اس قدر ظالم کہ تجھ کو کیف کم ہووے　　ترا بیہوش ہو جانا ہمارا ہوش کھوتا ہے

ستاں کے شہر ناپرساں ہیں کوئی داد کو پہنچے — مگر واں اپنے بندوں کی خدا فریاد کو پہنچے؟

قیامت مجھ پہ کل کی رات س سے ہجر میں لائی — نہ آیا یار میرا آج بھی وہ رات پھر آئی

رباعی

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی
بے خود ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی
ہے مجھ کو خمار شب کا، لا صبح ہوئی
شیشے میں جو کچھ مے ہے باقی ساقی

تمنا

مہربان باصفا، شوخی طبع از جبینش پیدا، مرزا علی رضا تمنا، سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بزرگان ایشاں از مدت در عظیم آباد قیام متصل درگاہ حضرت شاہ تاج و شاہ مکن قدس سرہ می داشتند۔ والا بزرگ ایشاں کہ وتنی بزرگ بودند نوکری ناظمان پیشیں می نمودند۔ ایشاں نیز نوکر نواب احترام الدولہ بودند۔ بر احوال فقیر بسیار توجہ می نمایند ازیں سبب در محفل مشاعرہ نیز بلا ناغہ بروز جمعہ تشریف می آوردند و بتحریک دوستاں و آشنایاں چند غزل ریختہ گفتہ بودند و بعد مشاعرہ ہم گاہے غزل می فرمایند و احسان دوستاں می گزارند و حوالہ میاں محمد روشن جوشش کہ استاد خود مقرر نمودہ اند، می نمایند۔ ازبسکہ تابع خوشی مزاج خود اند کہ فکر تا مقدور نمی کردند۔ از وست:

بالیں سے سر اٹھانا بھی دشوار ہو گیا
ایسا ہی ناتوان یہ بیمار ہو گیا
جس کو میں دیکھتا ہوں وہ بیچے ہے جنس دل
شاید وہ یار بر سر بازار ہو گیا

فرقت میں تری روئے گا فریاد کرے گا
اور کیا کہوں کیا یہ دل ناشاد کرے گا
کھینچا تری تصویر کو میں صفحۂ دل پر
یہ کام بھلا مانی و بہزاد کرے گا

وہ تمہارا جو دوانا تھا ہوا کیا یارو
آج لڑکوں کو میں دیکھا سر بازار خفا

سن کر کے شور میرے دل داغدار کا
منھ زرد ہو گیا ہے چمن میں بہار کا
جی میں یہ آرزو ہے مرے لئے شرر عشق
تا حشر منھ نہ دیکھئے ہرگز خمار کا

خواب شب فرقت مجھے دشوار نہ ہوتا
گر پاس مرے یہ دل بیمار نہ ہوتا
جو تجھ سے ملا ہے یہی کہتا ہے لے ظالم
اے کاش مجھے اس سے سروکار نہ ہوتا
یک بار تمنا سے کیا ترک محبت
جو تجھ سے ہوا ہم سے تو زنہار نہ ہوتا

ہردم اسی طرح سے جو آنسو رواں رہا
تو پھر یہ میرا دیدۂ گریاں کہاں رہا

دشمن جاں وہی ہوا آخر
جس کو سمجھے تھے دوستدار اپنا
جان بھی دے چکے دلے نہ ہوا
اس کے نزدیک اعتبار اپنا

کروں گا ابھی چاک سینے کو ناصح
گریباں کو گر ہاتھ تونے لگایا

جسے تو چاہے اسے اپنے پاس جا دینا
یہ التماس ہے مجھے خاطر سے مت بھلا دینا
غرور دیکھ لو اس چشم تر کا کہتی ہے
ذرا تو ہم کو بھی اس ابر سے بھرا دینا

بگڑے گا کیا تمنا خانہ خراب دل کا
مارے گا تجھ کو آخر یہ اضطراب دل کا

کیوں کر نہ سخت دل لے خبر طفل اشک کی
ہوتی ہے دوستوں کے تئیں جستجوے دوست

اس دل جلے کی آہ گر آوے زباں تلک
جلنے لگے زمیں سے لے آسماں تلک

تو نے پسند جب سے کیا ہے یہ باغ دل
پھولا نہیں سماوے ہے تب سے یہ داغ دل

قاصد کو بھیجتا ہوں پہ دھڑکے ہے دل مرا
اس دلربا کو دیکھتے ہی مبتلا نہ ہو

اے یار اپنے حال کو ہم تجھ سے کیا کہیں   کہتا ہے اس سے کوئی کہ جس نے سنا نہ ہو

شہر سے خوش ہے نہ محظوظ ہے ویرانے سے
سخت مجبور رہوں اپنے دل دیوانے سے
بعد مجنوں نہ ہوا کوئی دوانا مجھ سا
دشت ویران ہوا ہے مرے مر جانے سے
خم کو یک بار مرے منہ سے لگا دے ساقی
کب نشہ ہووے ہے اس شیشہ و پیمانے سے

جو دوانے ہیں وے ڈرتے نہیں رسوائی سے
ناصحو بحث عبث ہے دل سودائی سے

روز... اس سے ملاقات کہاں سے ہووے
کام ڈالا ہے خدا نے مجھے ہرجائی سے

تو وفا کیجیو میرے لیے ہی بیتابی
کام ہم کو نہ رہا صبر و شکیبائی سے

دامن وصل ترا ہاتھ میں آوے کیوں کر
ان دنوں دست طلب رہ گئے گیرائی سے

مجھ سے مذکور نہ کر اس کی ستم گاری کا
میں تو جانوں ہو تمنا اسے لڑکائی سے

وحشت میں خاک بسر پھرتے ہیں غم کرتے ہیں
لوگ جس بات کو ہنستے ہیں وہ ہم کرتے ہیں

مے کشاں مست اٹھے آتے ہیں میخانے سے
شیخ جی سامنے لڑتے ہیں ستم کرتے ہیں

جنبش ابرو ہی اس کی لے چکی تھی دل مرا
مارنا تروار کا بھی اک بہانہ ہو گیا

پرورش پائی تھی خلقت جن کے دست فیض سے
دہر سے وہ لوگ اٹھ گئے وہ زمانہ ہو گیا

مرے احوال پر وہ چشم تر ہوئے تو میں جانوں
اس آہ نارسا کو یہ اثر ہوئے تو میں جانوں
نہ باور ہو تمہیں گر ہر زہ گردی اس ستم گر کی
خبر لو اس کی تم جا کر وہ گھر ہوئے تو میں جانوں

شہرت ایسی ہے جہاں میں تری بیدادی کی
بات سنتا نہیں کوئی کسی فریادی کی

جس دن سے تجھے اے ستم ایجاد نہ دیکھا
اپنے دل ناشاد کو ہم شاد نہ دیکھا

تمنا یہ نہیں معلوم کیا تقصیر کی اس کی
مجھی کو ڈھونڈتا قاتل مرا ہر آن پھرتا تھا

آہ و فغاں کروں ہوں ہر وقت یار تجھ بن
مطلق نہیں ہے مجھ کو صبر و قرار تجھ بن
اندوہ و درد و غم نے گھیرا ہے آکے مجھ کو
مانگوں پناہ کس سے اے غم گسار تجھ بن

داغوں کی مرے دل میں تو وہ جلوہ گری ہے
جو دیکھے ہے کہتا ہے کہ شیشے میں پری ہے

کہتی ہے جسے خلق کہ ہے قاتل عالم
میں سامنے ہوں اس کے یہ کیا بے جگری ہے

ہم نے سو طرح جاں فشانی کی
تو بھی تو نے نہ مہربانی کی
اے فلک تیرے جور کے ہاتھوں
ہم نے مر مر کے زندگانی کی
شیشۂ دل کو لے کے چور کیا
واہ وا زور قدردانی کی
اپنے جی سے بھی رہتی ہے خفگی
ایسی الفت ہے یار جانی کی

دل گیا ہاتھ سے جانے دو، اسے جانا تھا
پاس تھا میرے تو کیا اپنا تھا، بیگانہ تھا

کہتا ہوں تجھ سے میں کہ مری بات مان لے
دل لے کے کیا کرے گا مری جان، جان لے

آشنا ہوں یہ بے وفا کس کے
بے وفا ہیں یہ آشنا کس کے

روتے ہیں سبھی دیکھ کے احوال ہمارا
دل لے کے یہ کچھ تو نے کیا حال ہمارا

عشق سے ہم جو کام رکھتے ہیں
لوگ ہنستے ہیں نام رکھتے ہیں

کوچے سے ترے دل کو ہم اے یار لے چلے
چنگا بھلا لے آئے تھے، بیمار لے چلے

تمنا شاہجہاں آبادی

تمنا شاہ جہاں آبادی:

نرگستاں کے تماشا کا مجھے شوق نہیں
آج دیکھی ہیں تمنا نے تمہاری انکھیاں

تجرد

سراپا تفقد، میر عبداللہ تجرد۔ سید عبدالولی می گویند کہ شاگرد منست۔[1]

از دست:

تجھ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں
خورشید کیا ہے اوسکی فلک کو خبر نہیں

---

[1] نکات: ص ۱۰۷

تمکین

میاں صلاح الدین تمکین مردیست درویش وضع[1]۔ باکسے کار ندارد۔ و بہر طوریکہ باشد، بسر می برد۔ از دست:

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا
مجھ کو دیوانہ کیا تجھ کو پری زاد کیا

ثاقب

میاں شہاب الدین ثاقب۔ در تذکرۂ میر مرقوم است کہ مرد[2] درویش است متوکل۔ شاگرد میاں آبرو۔ اکنوں شعر خود را پیش خاں صاحب سراج الدین علی خاں می آرد۔ از چندے بوطن خود رفتہ کہ مضافات بارہ است۔ با فقیر آشنائی بسیار داشت۔ تحفۂ روزگار است۔ در ہمہ چیز دست دارد و ہیچ نمی داند۔ حاصل مردے خوبے است۔ زندہ باشد۔ از دست:

ثاقب کی نعش اوپر قاتل نے آکے پوچھا
یہ کون مرگیا ہے کس کا ہے یہ جنازہ

و در تذکرۂ سید فتح علی گردیزی مرحوم است کہ ثاقب ذہن[3] ثاقب دارد۔ از دست:

قتل کا کس کے ہے اب قصد تمہارے دل میں
کیوں رکھا کرتے ہو میاں سان پہ تلواریں کتنیں

---

[1] نکات: ص ۱۲۴
[2] نکات: ص ۸۹
[3] گردیزی: ص ۴۲

در تذکرہ میر تقی میر سلمہ اللہ تعالیٰ مسطور است کہ میاں شہاب الدین ثاقب[1] نقل می کرد کہ من محض برائے امتحان بخانہ یقین رفتم و یک غزل طرح کردم۔ من غزل بانصرام رسانیدم واز و مصرع موزوں نشدہ۔ اللہ اعلم در خاطر احقر می آید کہ یقین غفرلہ ایشاں را ہم چیثم خود ندانست لہٰذا غزل ہمراہ ایشاں نہ گفت و عجز سخن ازاں معلوم و مفہوم می گشت کہ یقین غفرلہ یک مصرع و یا یک شعر می گفت و غزل تمام نمی کرد۔ کسے راکہ اندک شعور است دریافت خواہد کرد کہ از فکر یقین ایشاں راچہ نسبت۔ از کلام ایشاں دریافت نمایند کہ دو شاعر در تذکرہ شعر انتخاب نمودہ نوشتہ اند۔ ہر دو سبحان اللہ تا حال لفظ تلوار فراموش نکردہ اند آئندہ چہ خواہد شد۔ حرف ہما است کہ آنچہ تقی میر نوشتہ اند کہ تحفۂ روزگار است در ہمہ چیز دست دارد و ہیچ نمی داند۔

ثروت

مسرت بخش دل مظلوم، مفتی غلام مخدوم، خلف رشید و شاگرد مولوی جمال الدین غفرلہ، ثروت تخلص، ساکن قصبہ پھلواری، الحال باعث منصب حویلیے در محلہ لودی کٹرہ من محلات بلدہ عظیم آباد خرید کردہ سکونت اختیار نمودہ۔ در فن شعر فارسی بسیار شعر فرمودہ و گاہ گاہ شعر ریختہ ہم می فرمایند و دریں فن ہم شاگرد والد خود اند۔ مولوی جمال الدین صاحب مغفور بسیار صاحب استعداد و اہل کمال وقت بودند چنانچہ بخدمت حضرت شیخ محمد علی حزیں رحمۃ اللہ علیہ ملاقات نمودہ و تقریب علمی در ملاقات اول آمدہ بسیار پسند فرمودند بلکہ صلہ گزرانیدند و در صحبت دیگر مذکور شعر آمدہ۔ مولوی صاحب شعر خود بخدمت گرامی حضرت شیخ

---

[1] نکات، ص ۸۴

گزارش نمود در تعریف ہند باوجودیکہ شیخ مذمت ہند فرمودہ بود، انتخاب نمودہ و مولوی جمال الدین غفرلہ شاگرد حضرت مولوی محمد وجید قدس سرہ بودند و در شعر فارسی معلوم نیست۔ بہر حال ایشاں بزرگ و بزرگ زادہ اند و با فقیر دوستی قدیم دارند حق تعالیٰ سلامت باکرامت دارد۔ از دست:

جز اس کے تمنا جو تھی سب دل سے نکالا
دے اپنی محبت مجھے اللہ تعالےٰ

جلوہ گر ہے داغ دل خورشید تاباں کی طرح
چاک ہے سارا گریباں صبح خنداں کی طرح
ابر نیساں سے نہیں کم دیدۂ گریاں مرا
اشک کے قطرے چلے آتے ہیں باراں کی طرح
بسکہ ہے پیچیدہ دل میں اس کی آنکھوں کا خیال
تا بدار ہے ہر نفس شاخِ غزالاں کی طرح

آتی ہے مجھے یاد تری زلف مسلسل
جب دیکھتا ہوں ابر کی تصویر ہوا پر

ہے آئینے میں عکس ترے خط کا یوں نمود
پانی کے بیچ جوں نظر آوے گیاہ سبز
بلبل ہوں گر تو گل ہے، میں قمری ہوں گر تو سرو
جو چاہے پہنے خواہ قبا سرخ خواہ سبز

رونے سے مرے ہو گئی مژگاں تمام سبز
باراں سے جس طرح ہو نیستاں تمام سبز

ثابت

مہرباں دوستاں، میاں اصالت خاں ثابت تخلص ساکن بیرون قلعہ عظیم آباد طرف مغرب، قوم بلوچ۔ بزرگان ایشاں ہمراہ ہمایوں بادشاہ از مصر بہندوستان آمدہ۔ چوں اکبر بادشاہ قلعہ عظیم آباد را از قبضہ شاہ برآوردہ ازراہ کمال شفقت بزرگان ایشاں را متعینہ قلعہ مذکور فرمودہ۔ در محفل مشاعرہ گاہ گاہ تشریف می آورد ند باعث موزونی طبع شعر ریختہ ہم می گویند۔ از دست:

جس نے تجھے ایک بار دیکھا　　جب تب اسے بے قرار دیکھا

ید بیضا سے ماہ کو باہم　　اس کے وقتِ سلام میں دیکھا

مری طرف سے یہ گل رو کو اے صبا کہیو
برنگ لالہ مجھے داغ ہے جدائی کا

مسکرانے میں تیرے اے ظالم
کیا بیاں کیجے کہ کیا دیکھا

... تیری گلی پیارے ہم بے سر و پا ان کو
پھرنا نہ کہیں چلنا آنا نہ کہیں جانا

قاصد میں سنا اس کو ہے ذوق حکایت سے
قصے کی طرح کہیو جا کر مرا افسانہ
اک آن تجھے جس نے دیکھا سو ہوا بے خود
اپنے تئیں وہ بھولا جس نے تجھے پہچانا

داغ ہو ایک تو کہوں تم سے　　سو جگر سے جلا ہے دل میرا

دل میرا جس کا بلا گردان ہے　　وہ بلا ہے آفت ہے طوفان ہے
سر کو اپنے کر قدم چلتے ہیں یاں　　عاشقی کی راہ کیا آسان ہے

عاقبت تم نے بے وفائی کی　　واہ کیا خوب آشنائی کی
آپ کو خاک میں ملا ڈالا　　آئینہ رو سے تب صفائی کی

غزل انوری و فکر ہلالی دیکھی　　پر یہ ابرو کی تری بیت نرالی دیکھی

شرمندہ ہو کے میں ترے احسان کے حضور
سر کو جھکا رہا ہوں گریبان کے حضور

ستم ایجادیاں تیری جفا جو
تکلیف برطرف ہم جانتے ہیں

رکھتا ہوں میں اس طرح دل تنگ میں آتش
مخفی ہوئے جیوں کہ جگر سنگ میں آتش
دیتا ہے گلال ابروئے خمدار پہ یہ زیب
جوں تیغ سے اڑتی ہو صفِ جنگ میں آتش

دیکھے جو مرا شعلۂ دل خواب میں آتش
بیتاب ہو جا ڈوب مرے آب میں آتش
ان شعلہ رخوں کے نہیں چہرے پہ پسینہ
آتش میں ہے سیماب و سیماب میں آتش
آنسو مری آنکھوں سے جو یوں گرم رواں ہیں
حیران ہوں کیوں کر لگی سیلاب میں آتش

عجب طرز جور و ستم جانتے ہیں — وے سب جن کو ہم سب صنم جانتے ہیں
تمنا یہ مرنے کی رکھتے ہیں عاشق — دم تیغ کو تیرے دم جانتے ہیں

قطعہ

تو کر خواہش کعبۂ سنگ و آہنگ — ہم اس دل کو بیت الحرم جانتے ہیں
جو تو جانتا ہے سو تو جان زاہد — جو ہم جانتے ہیں سو ہم جانتے ہیں

یاں تلک دل تو تیرے دل سے ملایا ہم نے
کہ پھر اپنے تئیں ڈھونڈا تو نہ پایا ہم نے

درخاطر فقیر چنیں می آید "پھر جو اپنے" (بجائے کہ پھر اپنے)

قتل پر آج کس کے باندھی ہے آفتابی سپر ہلالی تیغ

الفت سیر نہیں اس دل دیوانے کو
چل کے آباد کریں اب کسے ویرانے کو

نرگسی چشم کے کوچے سے جو ہو آئے ہیں!
دیکھتے دیکھتے دل ہاتھ سے کھو آئے ہیں!

بگولے کا کبھی صدمہ کبھی صرصر کی زحمت ہے
ہماری خاک یوں اڑتی پھرے لے ابر رحمت ہے

جرأت

شاعر اہل قدرت، میر شیر علی جرأت۔ در تذکرۂ سید فتح علی تبریزی مرقوم است کہ[1] دل پسند ہمی قدراں بود۔ تحصیل کتب متداولہ می نمود۔ شعر را کم می گفت و اگر احیاناً می گفت کمتر می خواند۔ ازاں روزیکہ از شاہجہاں آباد متوجہ طرفِ ملک دکن شدہ، باز بر حالتش اطلاع نکردہ۔ از دست

بے خود جو ہوا اتنا تو دیکھ کے میخانہ حیراں ہوا میں کیوں کر پیوے گا تو پیمانہ
زنجیر کے کرنے سے کرتا ہے جنوں دونا دیکھا نہیں اے جرأت تجھ سا کوئی دیوانہ

---

[1] گردیزی: ص ۳۵

دماغ گل پریشاں ان ترے نالوں سے ہوتا ہے
نہ کر اتنا بھی اے بلبل تو فریاد و فغاں، چپ رہ

نہ اپنے چھوٹنے کی کس طرح تدبیر میں رہیے
بہار آئی ہے کیوں کر خانۂ زنجیر میں رہیے

کیا اس کے بیاباں کو اس ابر کی پروا ہے
گر یہ ستی مجنوں کے تر دامن صحرا ہے

جگن

میاں جگن، خالہ زاد[1] شیر افگن خاں، حال است دعوی شاگردی تقی میر می کند
سرسخن دارد۔ خدایش زندہ دارد۔ از دست:

اس دل مریض عشق کو آزار ہے بھلا
چنگا ہو تو ستم ہے یہ بیمار ہے بھلا

جوان

میاں مکھو، جوان[2] تخلص، ساکن عظیم آباد متصل حویلی اسمٰعیل قلی خاں مرحوم۔
بسیار جوان عزیز و شائستہ روزگار است، از قصبۂ دربھنگہ وارد بدولت خانۂ شیخ

[1] نکات: ص ۱۳۴
[2] نسخۂ لندن میں جوان کا تخلص جواہر بتایا گیا ہے مگر اس کی جو غزل درج ہے، اس کے چوتھے شعر سے بھی "جوان" کی تصدیق ہوتی ہے۔

عبدالشکور مرحوم مغفور شدہ۔ و از فقیر ملاقات نمودہ۔ محبت تمام با شعر و شاعری دارد۔ حق تعالیٰ او را بمراد دلی رساند۔ زیادہ ازیں احوال دریافت نکردہ کہ تحریر نماید۔

آج گلشن میں یار کو دیکھا
بلبلیں کیا، بہار کو دیکھا
میں خزاں اور بہار کو دیکھا
جس میں دیکھا تو یار کو دیکھا
آج ہم اپنے دل کے آئینہ میں
عکس روئے نگار کو دیکھا
اے جواں آج رات کو میں نے
خواب میں جوں ہی یار کو دیکھا
یہ پڑھا مصرع معیب بشوق
قول دیکھا قرار کو دیکھا

جرأت

جرأت[1] فیض آبادی:

جس کے غم میں آہ ہم آرام سے واقف نہیں
کیا غضب ہے وہ ہمارے نام سے واقف نہیں

روشن ہے اس طرح دلِ ویراں کا داغ ایک
اجڑے نگر میں جیسے جلے ہے چراغ ایک

---

[1] جرأت کا ذکر حاشیے پر ہے۔

شمع ساں ہمیں کس نے مجھے پھولتے پھلتے دیکھا
ہوں میں وہ نخل کہ دیکھا بھی تو جلتے دیکھا

غلام احمد جولاں

غلام احمد جولاںؔ[1] :

ہوا ہوں دیکھ کے حیران دُرِ بلاقِ صنم
کہ کس طرح سے پڑی آفتاب پہ شبنم

جعفر

جعفر راست[2] :

غمزاں سوں دیکھو شوخ مجھے مار کر چلے
مجروح تس پہ راہ منیں ٹھار کر چلے

جودت

رباعی جودت[3]

جودت باز آکہ دل لگانا کچھ نہیں
اور اوس کی گلی میں تجھ کو جانا کچھ نہیں
کیا جانیے کیا بلا یہ لا دے سر پہ
سوتے ہوئے فتنے کو جگانا کچھ نہیں

---

[1] جولاں کا ذکر حاشیے پر ہے۔
[2] غالباً اس کا ماخذ نکات ہے۔
[3] جودت کا ذکر حاشیے پر ہے۔

جوہری

از کیفیت فقرآگاہ ، شاہ آیت اللہ سلمہ اللہ جوہری تخلص۔ فرزند شاہ مخدوم قدس سرہ وخویش حضرت شاہ مجیب اللہ مدظلہ العالی ساکن قصبہ پھلواری۔ بزرگی ہردو بزرگاں مشہور و معروف است کسیکہ با فقر راہ و ربط می دارد، می داند و مرید نیز از والد خود اند چنانچہ فرمودہ :

اورسے ہیں ملتجی ہونے کا نہیں اے جوہری
وارث حال بنی مخدوم ہے مرشد مرا

ولطف دیگر دریں شعر انیست کہ از حضرت شاہ محمد وارث محمد آباد بنارسی قدس سرہ نیز خاندان ایشاں را فیض است۔ بہر حال گاہے شعر فارسی گاہے شعر ریختہ می فرمایند۔ با فقیر از مدت مربوط اند و توجہ کریمانہ الحال می فرمایند۔ حق تعالیٰ خوش وخرم بر مسند ہدایت وارشاد نگاہ دارد۔ از دست:

جو دل فریفتہ اس شوخ بے وفا کا ہوا
بڑا بلا ہے وہ سرمشق ہر جفا کا ہوا

تا قیامت بند ہونے کا نہیں ہے باب فیض
عقدۂ دل ناخن دست پیمبر سے کھلا

مصقلی سے جذب کامل کے تو کر روشن اسے
چڑھ گیا ہو گرچہ دل کے آئینے کو مورچا

صنم کی زلف کے دیکھے سے سر چڑھا سودا
پڑا ہوں پیچ میں سودے کے ہے بڑا سودا

ان آنسوؤں کو ہم اے جوہری پرکھ دیکھا
کوئی گہر بھی...... اس سے آبدار نہ تھا

نہیں ہے مے کی کیفیت ستے خالی سخن میرا
کہ ہے چشم بتاں کے بیچ مدت سے وطن میرا

حنا کے برگ کی مانند پس گیا یہ دل
جو تیرے پانو میں مہندی اے سرخ رو دیکھا

ترے غم میں اے جان! جان گم کیا
میں اپنا دل ناتواں گم کیا
کہا تند ہو کر کے ظالم نے یوں
میں کیا جانوں تو نے کہاں گم کیا

درخاطر فقیر چنیں می آید:

تری راہ میں جان! جاں گم کیا
سرمگیں چشموں کی خاطر سے ہے عزیز
ورنہ نالے کا تو کچھ صرفہ نہ تھا

آہ سے دولت ہوئی دلہائے نالاں کے نصیب
یا تو ہیں طالع جرس کے یا نیستاں کے نصیب

بتاں کی چشم سے آباد ہوگا مے خانہ
غلط ہے یہ کہ ہے انگور سے بنا لے شراب

بتاں کہتے ہیں مجھ کر مر گیا دو یا کہ جینا ہے
نہیں آیا بہت روزوں سے وہ بیمار کیا باعث

کھو دیا اے جوہری طفلوں نے ساری قدر لعل
بسکہ لو ہو پر دوانے کے ہوئے ہیں سنگ سرخ

ہوا ہے باغ میں شب کو کسی پری کا گذر
کہ گل کرے ہے گریباں کو پھاڑ کر فریاد

قبلۂ حاجات و محراب دعا کہیے اسے
ہے بتاں کے ابرواں میں کچھ خدائی کی طرح

چمن میں دہر کے کن نے لگا دیے ہے آگ
وہ کون دل ہے جو لالہ سا داغ دار نہیں

عشق پرزور نے کیا کیا نہ کیا خانہ خراب
کوہ کن کوہ ہے ہوا قیس ہوا صحرائی

غنچہ لباں کے ہنسنے سے کیوں کر کے دانہ ہو
کرتے ہیں دل سے وہ کہ جو گل سے صبا کرے

ہاتھ میں ساغر لیے چلا ساقی آتا ہے دل !!
ہم کو مے پینے کو آخر کیا تو فرماتا ہے دل !

جی میں آتا ہے کہ دل سب سے جدا کر لیجئے
شوخ اس بت کے تئیں اپنا خدا کر لیجئے

جلال الدین

میر[1] جلال الدین ساکن مرشد آباد۔ در تواریخ عبور داشت۔ و خود ہم اکثر تاریخ فتح نواب مہابت جنگ علی وردی خاں گفتہ و صلہ آں سرکار یافتہ و مثنوی ہم بقید قلم آوردہ بودند لکن شعر آں یاد نماندہ۔ آخر بجنت شتافت۔ وقت تحریر یک شعر بدست آمدہ۔ از دست:

کماں ابرو کرے گر زیں سمند خود پسندی کو
مہ نو ماں نے آنکھوں سے وجہ نعل بندی کو

---

[1] میر جلال الدین کا ذکر حاشیے پر ہے۔

جوشش

مہربان شورش، میاں محمد روشن جوشش ساکن محلہ لودی کٹرہ من محلات بلدہ عظیم آباد۔ در فکر شعر ممتاز و از شغل دنیا بے نیاز۔ دلش گداز از فضل کارساز۔ مثل خود دریں شہر در فکر سخن ندارد مگر برادر خود۔ ہیچ احتیاج نوشتن نیست۔ سخن ہر یک بر احوال ہر یک اطلاع می دہد۔ در محفل مشاعرہ بلا توقف تشریف می آورد و در غزل طرحی کارہا می نمود۔ حق تعالیٰ سلامت دارد۔ چہار صد شعر محمد قلی خاں مشتاق از دیوان ایشان انتخاب نمودہ لکن تا حال بسمع فقیر نرسیدہ:

کس طرح سے اوصاف ہو خلاقِ جہاں کا
قدرت نہ قلم کے ہے نہ مقدور زباں کا

عاشق کو ہے کب جلوۂ معشوق کی طاقت
مہتاب کو دیکھے نہیں مقدور کتاں کا

اس گلشنِ ہستی سے نکل راہ عدم لے
بے رنگ نظر آوے ہے کچھ رنگ جہاں کا

عنقا کی طرح گو کہ نشاں وہ نہیں رکھتا
ملتا ہے پتا نام ہی سے اس کے نشاں کا

اس دل کو دکھاتا ہوں میں بازارِ محبت
خطرہ نہیں جوشش مجھے کچھ سود و زیاں کا

ہم چشم کیوں کہوں میں اسے لالہ زار کا
عالم ہی کچھ جدا ہے دل داغ دار کا

بزم میں یک شب بھی نہ پایا نہ دل گل گیر کا
فائدہ اے شمع اشک و آہ بے تاثیر کا
دم بدم آلودہ رہنا خون سے عشاق کے
جوہر ذاتی ہے یہ جوہر تری شمشیر کا

دیکھ کر رنگ صنم تیری جفا کاری کا
کوہ کن ہو تو نہ دم مارے وفاداری کا
چشم پر آب ہے، لب خشک، دماغ آشفتہ
زور عالم ہے غرض دل کی گرفتاری کا
مسکراتا ہے مجھے دیکھ رقیبوں کے حضور
یاد ہے اس کو عجب طور دل آزاری کا

سرگشتہ جو پھرتا ہے پڑا دشت میں جوشش
شاگرد بگولا ہے کسی خاک بسر کا

گو کوئی کاٹ لے سر پھر ترے دیوانے کا
پر یہ سودا تو کبھی سر سے نہیں جانے کا

کیوں نہ مضطر ہوں اسی دیکھ کے دیکھو تو سہی
شمع کے سامنے کیا حال ہے پروانے کا
مست رکھ یاد میں اس چشم کے تا روزِ جزا
منہ نہ دکھلا مجھے یارب کسی میخانے کا

دل و جگر ہے پر آفت نہیں فقط جوشش
جو ہے یہی ترا رونا تو کیا نہ ہووے گا

نہیں معتقد جو ترے دید کا
ہیں دیوانہ ہوں اس کی فہمید کا

غیروں ہی پہ تو ستم کرے گا
ہم پر بھی کبھو کرم کرے گا

دیکھ کر حسن گل عذاروں کا
خانہ ویراں ہوا ہزاروں کا
اس کی آنکھوں کو دیکھیں اے جوشش
منہ تو دیکھو شراب خواروں کا

سوتوں کو جگایا مرے نالوں نے عدم میں
پر طالعِ خوابیدہ کو بیدار نہ دیکھا

جز چشم بتاں میکدۂ دہر میں جوشش
ہم نے تو کسی مست کو ہشیار نہ دیکھا

اوروں کی عیب جوئی اپنا ہنر نہیں ہے
اپنے ہی عیب جو ہیں، یہ ہے ہنر ہمارا
ملنا جو ہو تو مل لے ہم جاتے ہیں عدم کو
کاہے کو پھر نہ ہوگا آنا ادھر ہمارا

اپنا تو کچھ گناہ نہ آیا ظہور میں
کیا بات ہو گئی کہ وہ بیزار ہو گیا

نہ چھوڑ نزع میں جوشش کو جلد ہو لے مرگ
مریض عشق کوئی دم جیا، جیا نہ جیا

کس سے ہوئی ہے دوستی ایسی کہ ان دنوں
آنا ہمارا دل پہ ترے شاق ہو گیا

نہ لیوے گی خبر جب تک تری تروار اے قاتل
طبیبوں کی دوا سے جا چکا یہ درد سر اپنا

مجھ کو جس طرح کیا خلق میں رسوا تو نے
سامنے اس کے پھر اے اشک نہ رسوا کرنا

کوچۂ یار میں چلتا تو ہے پر اے جوشش
ہم تو مر جائیں گے جاتے ہی، تجھے کیا کرنا

تجھ سے ظالم کو اپنا یار کیا
ہم نے کیا جبر اختیار کیا
تو جو کہتا ہے جلد آؤں گا
میں، ترا کہنا اعتبار کیا

اٹھ اے طبیب جا، مجھے آرام ہو چکا
مرتا ہوں کوئی دم کو مرا کام ہو چکا

نہ دل رہا نہ چشم رہی نہ جگر رہا
اے اشک تیرے ہاتھ سے کیا کیا مکاں جلا

غش آگیا وہ سامنے میرے جہاں ہوا
مجھ کو وصال یار میسر کہاں ہوا
سر پر کھڑا ہے کھینچے ہوئے تیغ کہکشاں
جلاد میری جان کا یہ آسماں ہوا

ہو چشم حباب وار دیکھا
ہستی کو نہ پائیدار دیکھا

جوں شیشۂ ساعت اس جہاں میں
دو دل کو نہ بے غبار دیکھا

اس ادا کا ہوں تیری دیوانا
دیکھنا مجھ کو اور چھپ جانا
آج ہے جاں بلب ترا جوشش
جی میں آوے ترے تو آجانا

مدعی کی ہے جو کچھ چال سو کیا چھوڑے گا
کچھ نہ کچھ پھر بھی تجھے یار سکھا چھوڑے گا

اس کے کہنے پہ نہ جا، غصّہ میں ہے اے جوشش
گو کہ کہتا ہے نہ آؤں گا میں پر آؤں گا

اس کی رنجش کا تجھے خوف عبث ہے جوشش
ہو چکا ہے وہ اسی طرح کئی بار خفا
جس جگہ بیٹھے، اٹھ نہیں سکتے
زور عالم ہے ناتوانی کا

کل جو اسے دیکھ کر ہو گئے ہم بے خبر
ہنس کے وہ کہنے لگا پھر بھی ادھر دیکھنا

وہ کماں ابرو مرا جب چیں بہ ابرو ہو گیا
چھوٹتے تیر نگہ دل میں ترازو ہو گیا

قیس پھرتا جو رہا دشت میں دیوانہ تھا
اس کو لیلےٰ ہی کے دروازے پہ مرجانا تھا

مزا دکھاؤں تجھے تیری بے وفائی کا
اگر نہ ہووے مجھے پاس آشنائی کا

اگرچہ ہے فلک سفلہ میرے درپے کیں
پہ ہو گا وہ ہی جو پروردگار چاہے گا

گر ہجر میں اس کے یہی رونا ہے تو جوشش
کب دیدۂ نم قابل دیدار رہے گا

. . . .

کیا خاک وہ سمجھے گا دل جس کا بجھا ہو گا

جس نے تری آنکھوں کو ٹک دیکھ لیا ہو گا
وہ مر ہی گیا ہو گا، ہرگز نہ جیا ہو گا
گردوں تری بخشش کی کیا بات ہے پر ہم کو
جب تو نے دیا ہو گا، آزار دیا ہو گا

مت منع کرو اس کو گر قتل وہ کرتا ہے
ایسا ہی گناہ اس کا کچھ ہم نے کیا ہوگا
کیا شیخ و برہمن نے کیا گبر و مسلماں نے
ترے خم ابرو کو سجدہ ہی کیا ہوگا

حیراں ہوں کس طرح ہے وہ انساں میں جلوہ گر
جلوے سے اس کے طور تو جل خاک ہوگیا

جیسا کہ دل پہ زخم ہے اس کے خدنگ کا
گلشن میں ایک گل نہیں اس آب و رنگ کا

سامنے اس کے رو نہیں سکتا
چپ رہوں یہ بھی ہو نہیں سکتا

ہم پڑے اک زوال میں جو شش
دیکھ کر حسن بے زوال اس کا

عبث شکوہ ہے چشم تر سے میری جیب و داماں کو
یہ زخم خوں چکاں کس روز گل کاری نہیں کرتا

دل آتش فراق سے بھاگے نہ کس طرح
ٹھہرے ہے آگ پر کوئی دانہ سپند کا

بوسے کا اگر تجھ سے طلب گار نہ ہوتا
ظالم یہ گنہ گار، گنہ گار نہ ہوتا

اشک کے ہمراہ دل تک بہ گیا
ایک یہ داغ جدائی رہ گیا

اس کا خدنگ ناز جگر سے گزر گیا
کیا تیر تھا کہ صاف سپر سے گزر گیا

دے کے دل پچھتانے سے ہوتا ہے کیا
ہونی تھی سو ہو چکی، روتا ہے کیا
اس قدر راتوں کو اے جوشش نہ رو
نیند لوگوں کی عبث کھوتا ہے کیا

جنوں فہمیدہ معنی ہیں تجھے گر دست قدرت ہو
گریباں تعین بے تامل چاک کر دینا

ــــ ٥ ــــ

ناصحوں کی بات کا مانے نہ دیوانا بُرا
پر نصیحت ہر گھڑی کی اور یہ سمجھانا برا

ہماری آہ کے صدمے نہیں اٹھانے کا
یہ چرخ بام کہن ہے کسی زمانے کا

آزمائے دل پہ گر تیغ آزمائی ہو تجھے
ہے اسی چورنگ پر تیغ آزمائی کا مزا

دیکھیے روز جزا کیا ہووے ہے حال اپنا
زلف آسا ہے سیہ نامۂ اعمال اپنا

اگر جنت یہی کچھ ہے تو کوئے یار بہتر تھا
ترے سایے سے طوبیٰ سایہ دیوار بہتر تھا

جب سے ہوا ہے مجھ سے وہ گل پیرہن جدا
کھٹکے ہے گل نظر میں جدا اور چمن جدا

یہاں تک کھائے ہیں سنگ حوادث دستِ گردوں سے
لگا دل کا پینے پہلو میں کوئی تارا جہاں ٹوٹا

تو نے جو ترک شیوۂ جور و جفا کیا
کیا تیرے جی میں آئی ستم گر یہ کیا کیا

مرے جب تک کہ دم میں دم رہے گا
یہی رونا، یہی ماتم رہے گا
کہاں تک یہ غرور حسن ظالم
ہمیشہ کیا یہی عالم رہے گا

اک تیری چشم تر نہ ہوئی دانہ سنگ دل
جس نے ہمارا حال سنا ان نے رو دیا
راضی رہے رضا پہ نہ شاکی ہوئے کبھو
ہم نے کیا قبول ہمیں ان نے جو دیا

نہ کام باغ سے ہے نے بہار سے مطلب
رکھوں ہوں اپنے دل داغ دار سے مطلب
درخت خشک ہوں میں باغ دہر میں جوشش
غرض نہ برگ سے مجھ کو نہ بار سے مطلب

بے تاب ہی رہتا ہوں تری یاد میں ہر شب
گزرے ہے مری، نالہ و فریاد میں، ہر شب

عبث چھپاتے ہو تم مجھ سے رات کی باتیں
تمہارے منہ سے تو آتی ہے آج بوئے شراب

خفا ہو ان نے لکھا مجھ کو یہ جواب شتاب
کہ خط لکھا نہ کرا بے ادب شتلپ شتاب

عیش سے بے بہرہ ہیں اور درد غم سے بے نصیب
خلق ہوتی ہے جہاں میں کوئی ہم سے بے نصیب
آپ چل سکتے نہیں اور غیر کے ہیں رہ نما
ہم نے تو دیکھے نہیں نقشِ قدم سے بے نصیب

صید حرم کو شوق ہے اس کے خدنگ کا
جب سے وہ شہ سوار ہوا ہے شکار دوست

قلم رونے لگے کاغذ گریباں چاک کر ڈالے
اگر کھینچے مصور اس دل غم ناک کی صورت

کن نے دیکھی نہ تمہارے کف پا کی صورت
کس کا دل خوں نہ ہوا برگِ حنا کی صورت
راہ پاوے نہ اگر حرص و ہوا اے جوشش
نظر آجاوے ابھی دل میں خدا کی صورت

خدا دشمن کے دشمن کو نہ دیوے
برا ہوتا ہے آزار محبت

نہ شکل شیشہ آتی ہے نظر نے جام کی صورت
رہی زیر فلک پھر کون سی آرام کی صورت

قسمت میں عقل ہووے تو ہو عقل کا ملہ
سودا خدا جو دیوے تو سودا اے معرفت

مجھے دل ہی کے آستانے کی دولت
لگی ہاتھ سارے زمانے کی دولت
گرہ باندھی غنچوں نے طرز تبسم
چمن میں ترے مسکرانے کی دولت

تم جو رہتے ہو مرے درپئے آزار عبث
دم بدم تیز کیا کرتے ہو ترد ار عبث

غیروں کو دیکھ دیکھ تری انجمن کے بیچ
جلتا ہوں مثل شمع سدا پیرہن کے بیچ

گو دھجیاں کر اپنا گریباں اڑاتے صبح
پر میرے چاک جیب کی خوبی نہ پائے صبح
روٹھے رہو گے کب تئیں تم رات کچھ نہیں
دھڑکے ہے جی مرا کہ کہیں ہو نہ جائے صبح

جب سے آیا ہے نظر وہ شعلہ رو جوشش مجھے
آگ میں بستا ہے جی میرا سمندر کی طرح

کرے ہے جیب کو جیسا یہ چشم گریاں سرخ
شفق سے ہو نہ سکے صبح کا گریباں سرخ

فلک نے باغ جہاں میں کسے نہ دی ایذا
بغل میں غنچۂ و گل کے بھی خار ہے موجود

جوشش عبث ہے شکوۂ جور و جفائے یار
تو نے کیا ہے آپ سے یہ درد سر خرید

منت تاثیر اے آہ سحر گاہی نہ کر
پر جو تجھ سے ہو سکے اس میں تو کوتاہی نہ کر

تیرے ہی ڈر سے کچھ نہیں کہتا رقیب کو
ورنہ میں ایک بھاری ہوں پیارے ہزار پر

اے چرخ زلف یار سے آشفتہ تر ہوں میں
مجھ سا کوئی نہ ہوگا پریشاں زور کا

ہاتھ آتی ہے جس کو دولت فقر
اس کے نزدیک خاک ہے اکسیر

پنکھڑیاں گل کی تو شرمندہ ہیں اب بھی ظالم
کف پا کو ترے کیا رنگ حنا ہے درکار

جہاں میں کس طرح سب ہوں برابر
نہیں یہ انگلیاں پانچوں برابر

میں مرگیا پہ ہے وہی آہ و فغاں ہنوز
نالاں ہیں نے کی طرح مرے استخواں ہنوز

ہوا یہ حال مرا عشق میں کہ دشمن بھی
ملے ہیں دست تاسف اکرے ہیں یار افسوس

ہووے نہ مرے دل سے لب یار فراموش
کرتا ہے نمک کوئی نمک خوار فراموش

کیوں نہ کر گرد باد کو ہووے ہوائے رقص
ہے راستی کہ دامن صحرا ہے جائے رقص

اپنے ہی آستانۂ دل پر ہے جبہ سا
رکھتا نہیں کسی سے یہ گوشہ نشیں غرض

کبھی دل مانگتے ہو تم کبھی جاں
جفاکیشاں! زہے خلط و زہے ربط

جو کوئی درد سے ہے آشنا وہی جوشش
ہمارے شعر سے خوش اور ہم سے ہے محظوظ

کروں نہ دولت دنیا کی زینہار طمع
دکھائے گو کہ یہ تحبہ مجھے ہزار طمع

سجدے کا یہ نشاں نہیں ماتھے پہ شیخ کے
رکھتا ہے وہ بھی تیری غلامی کا یار داغ

شاید گزر ہوا ہے ترا آج سوئے زلف
آتی ہے اے نسیم سحر تجھ سے بوئے زلف

موے درِ نجف ہی سمجھتے ہیں مردماں !
کس آب و تاب سے ذ ہے تا مژہ درمیاں، اشک

جگنو ہو جس طرح شب باراں میں جلوہ گر
چمکا کرے ہے زلف میں یہ داغ دارِ دل

جوشش میں داغ دل کو چھپاتا ہوں اس لیے
ڈرتا ہوں یہ چراغ کہیں ہو نہ جائے گل

گو کہ تو ملنے لگا اے ماہ کم !
پر کوئی ہوتی ہے دل کی چاہ کم !

دود کی طرح میں دل سوختہ جاتا ہوں جدھر
اپنے احوال پہ عالم کو رلا جاتا ہوں

ہے کون سی جگہ یہ ستم کش جہاں نہیں
مذکور تیری جور و جفا کا کہاں نہیں

ہمرہاں ! اتنی کیا شتابی ہے
ہم بھی چلتے ہیں اب کوئی دم میں
جان اس کے نیاز کر جوشش
بات رہ جائے گی یہ عالم میں

کثرتِ داغ اس قدر سینہ میں ہے
دل کے بھی رہنے کی جو ششش جا نہیں

پرستاروں میں تجھ لب کے نہ ہووے گفتگو کیوں کر
نہیں ممکن کہ بن بولے رہیں سے خوار آپس میں

جفا و جور کے مشتاق ہیں ہم تجھ پہ مرتے ہیں
ڈراتا کیا ہے ہم کو، ہم کوئی مرنے سے ڈرتے ہیں

آہِ سوزاں سے زباں تک جل گئی
کیوں یہ دل کم بخت جل جاتا نہیں
مجھ ہی کو کہتے ہیں سب اتنا نہ رو
اس کو کوئی جا کے سمجھاتا نہیں

یہ تمنا ہے کہ قرب، آئینہ ساں پیدا کروں
وہ مجھے دیکھا کرے اور میں اسے دیکھا کروں

دیا دین و دل تک، رکھا کچھ نہیں
تری بھا دیں اے بے وفا کچھ نہیں

تم نے تو پھیر دیا دل، میں لیے جاتا ہوں
بہت پچھتاؤ گے یہ عرض کیے جاتا ہوں
دیکھیے ان میں سے کس کس کو وہ کرتا ہے پسند
دین و ایمان و دل و جان لیے جاتا ہوں

تجھ سے ہم بزم ہوں نصیب کہاں
تو کہاں اور میں غریب کہاں

جب تک اس میں غم دنیا ہے یہ دل شاد نہ ہو
جور جس گھر میں ہو، وہ گھر کبھی آباد نہ ہو

چل نہیں سکتے، مثل نقش قدم
دور سے دیکھتے ہیں منزل کو
فکر دنیا کہاں تلک جوشش
دور کر اس خیال باطل کو

ملال دہر کب روشن دلاں خاطر میں لاتے ہیں
نہیں ممکن کہ خاکستر سے آئینہ مکدر ہو

اے رفوگر! تو رفو کر کے پشیمان نہ ہو
یہ تو ہے چاک جگر، چاک گریبان نہ ہو

ہم نے ٹھہرایا ہے وہ مذہب و مشرب اپنا
جس سے آزردہ کوئی گبر و مسلمان نہ ہو

اگر ایک دم تو ہم آغوش ہو
تو عیش دو عالم فراموش ہو

دل جو بے تاب و بے قرار نہ ہو
مجھ سے صحبت کبھی برار نہ ہو

بوسے کی آرزو میں ابھی جان دیجئے
دینے سے جان کے بھی اگر اپنا کام ہو

یوں پاس بٹھانے کو بٹھا یار کسی کو
پر دل میں جگہ دیجو نہ زنہار کسی کو

رہے کیوں نہ سایہ میں ابرو کے مژگاں
اسے تیر سے ربط ہے اس کماں کو

کیا عشق نے نیست نابود ہم کو
کوئی سمجھے کیا خاک موجود ہم کو

راغب نہ ہو طبیعت گو حور رو پرو ہو!
اپنی یہ آرزو ہے، دنیا ہو اور تو ہو!

آنکھیں پر اشک، آہ بہ لب، رنگ زرد ہے
کس طرح سے چھپایئے اس دل کی چاہ کو

عشق میں عمر جلد رو کے سوا
نہ ملا کوئی ہم سفر مجھ کو

چوں آئینہ یہ ستم رسیدہ
رہتا ہے مدام آب دیدہ

برگ گل پنجۂ خورشید خجالت کش ہیں
دیکھنا کیا کف پا اس کے ہیں کیا اس کے ہاتھ

تا خاک مری نہ صرف خُم ہو
چھوڑوں نہ در شراب خانہ

ایک عالم کی جان خراش ہے یہ
آہ ہے یا قلم تراش ہے یہ

جی میں جس وقت کہ مضمون کر آتا ہے
بسکہ نازک ہے مجھے باندھتے ڈر آتا ہے

دل کا ضرر، جان کا نقصان ہے
اب کبھی مائل نہ ہوا چاہیئے

گور میں تو نے سلایا ہے جنھوں کو اے بخت
شور محشر سے بھی بیدار نہیں ہونے کے

قطعہ

ایک دن کا ماجرا ہے، میں اٹھا تھا سیر کو
دیکھتا کیا ہوں یہ جھگڑا بر سرِ بازار ہے
برہمن کہتا ہے بت خانے میں ہے ذاتِ خدا
شیخ کہتا ہے غلط، کعبے ہی میں وہ یار ہے
اس میں جوشش بول اٹھا، سنتے ہو شیخ و برہمن
جانے دو، اپنی طرف دیکھو، یہ کیا تکرار ہے

سلامت پا میں اب تک آبلہ ہے
مجھے خارِ بیاباں سے گلہ ہے

صورت پرست ہوں میں مانند آئینے کے
جو کچھ ہے میرے دل میں سو میرے روبرو ہے

روز محشر تو روز محشر ہے
بڑی ہوتی ہے شب جدائی کی

موثر ترے ہی دل میں نہیں ورنہ اے صنم
یہ آہِ گرم وہ ہے کہ پتھر میں گھر کرے

شمع کی مانند اس کی بزم میں
اشک بھی میرا گریباں گیر ہے

اس رخ صاف کے آگے جو کبھی آتا ہے
آئینہ اپنا ہی منہ دیکھنے لگ جاتا ہے

ہوئے صحرا نشیں، تشریف لا دے جس کا جی چاہے
در و درباں نہیں رکھتے ہیں آ دے جس کا جی چاہے

گرہ میں غنچوں نے نافے کے نافے باندھ لیے
چمن میں گھل جو گئی زلف مشک بو تیری

قطعہ

سوئے حرم یا طرف میکدہ
الغرض اے شیخ جدھر جائیے

دونوں جگہ جلوہ گہہ یار ہے
خواہ اِدھر خواہ اُدھر جائے

رباعی

نے ساقی غم گسار و نے شیشہ مے
جو مجھ پہ گزرتی ہے کہوں کیا، ہے ہے
دل کی (یہ) حقیقت ہے کہ ہر دم ہر آن
پرکالہ آتش ہے کہ پہلو میں ہے

رباعی

یہ لہو و لعب یہ شادمانی کب تک
یہ عیش و طرب یہ کامرانی کب تک
پابند ہوا و حرص جوشش مت ہو
آخر ہے موت زندگانی کب تک

آشنا جب سے ہوئے اس بت ہرجائی سے
در بدر خاک بسر پھرتے ہیں سودائی سے

یہ تجلی ہوئی اے عشق ترے آنے سے
نور کے اڑتے ہیں تنکے مرے کاشانے سے

رباعی

کہنا نہ کسی کا دل میں لایا جوشش
ان سنگ دلوں سے دل لگایا جوشش
نے کہنے میں دل ہے اب نہ ملتے ہیں بتاں
جیسا میں کیا تھا ویسا پایا جوشش

حشمت

در تذکرۂ تقی میر مرقوم است میر[1] محتشم علی خاں حشمت تخلص۔ سید صحیح النسب بود۔ سپاہی عمدہ روزگار، شاعر خوب فارسی در ریختہ فہمیدہ و سنجیدہ۔ باہمہ بعجز و انکسار پیش می آمد۔ جنسے بود کہ در دل ہمہ کس جائے او خالی نیست۔ از خاک پاک دہلی بود۔ در مغل پورہ سکونت داشت۔ برادر کلاں او کہ میر ولایت اللہ باشد از مغتنمات روزگار است۔ دیر یست کہ ترک روزگار کردہ خانہ نشین است۔ گاہے فکر شعر ہم می کند۔ بر فقیر شفقت و عنایت بسیار می کند۔ خدا در حفظ خودش نگاہ داردو آں مرد از نامردی روزگار ناہنجار فوراً فوت شد۔ خداش بیامرزد از حشمت است :-

نگہت گل نے جگایا کسی زندان کے بیچ
پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

بہار آئی دیوانہ کی خبر لیو اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لیو[2]

---

[1] نکات، ص ۴۰

حاتم

شیخ محمد حاتم، حاتم تخلص۔ در تذکرہ نقی میر[1] مسطور است کہ از شاہجہاں آباد است۔ می گوید کہ من با میاں آبرو ہم طرح بودم۔ مردیست جاہل و متمکن مقطع وضع دیر آشنا۔ غنا ندارد و دریافتہ نمی شود کہ رگ گردن[2] بسبب شاعریست کہ ہجو من دیگرے نیست۔ باوضع او ہمیں خوب است۔ مارا باینہا چہ کار۔ شعر بسیار دارد۔ دیوانش بار دیف میم بدست آمدہ بود۔ پارہ اشعار آں نگاشتہ می شود۔ بامن آشنائے بیگانہ است۔ از دست:

آزاد کو بھلا ہے رہنا جہاں میں ننگا
ہے گا لباسیوں میں جن نے لباس رنگا

مثالِ بحر موجیں مارتا ہے
لیا ہے جن نے اس جگ سین کنارا

پاؤں مت دھر بوالہوس بحرِ عمیق عشق میں
جان کر ڈوبا ہے یاں انجان جو آکر ترا
نال کی سی طرح چاہے تھا کہ بالا دے مجھے
مدعی آخر کو اپنے زور میں آ بھی گرا

---

[1] نکات، ص ۷۷

[2] نکات: "ایں رگ کہن" ص ۷۷

آب حیات جا کے کسو نہیں پیا تو کیا
مانند خضر جگ میں اکیلا جیا تو کیا

ہجر میں زندگی سے مرگ بھلی
کہ کہے سب جہاں وصال ہوا

تو نہیں تو کنج تنہائی میں ہے
بوریا کا نقش ہم پہلو مرا

کیا جو فاختہ نے سر داد پر آشیاں اپنا
مگر سولی اوپر چڑھ کر دیا چاہے ہے جاں اپنا
وہی ہوتا ہے حاتم جگ میں نامی بعد مرنے کے
جو جیتے جی اڑا دے آپ سے نام و نشاں اپنا

ہر قدم پر سرو پانی ہو بہے
جو چلے وہ قامت دل جو مرا

حاتم بے کس کا تجھ بن کون ہے
کون ہوگا جو نہ ہوگا تو مرا

ہائے بے درد سے ملا کیوں تھا آگے آیا مرے کیا میرا

اگر شعر من می بود، ایں چنیں می گفتم:

مبتلا آتشک میں ہوں اب میں
آ گے آیا مرے کیا میرا

بیش گرمی ایں مصرع، خنکی آں شعر روشن است۔

لیا اس گل بدن کا ہم نے بوسہ
تو کیا چوما رقیبوں نیں ہمارا

شاید عمل کیا ہے رقیبوں کی بات پر
تب تو دلوں کا چور بھرے ہے چھپا ہوا

نظر آتا تھا بکری سا، کیا پر ذبح شیروں کو
نجانا ہیں کہ یہ قصاب کا رکھتا ہے دل گردہ

ان دنوں میں دیکھ کر ہم کو ابھرتے ہیں رقیب
پیٹ ہے ان کا بھرا، کل پرسوں مرتے ہیں رقیب

وصف آنکھوں کا لکھا ہم نے گل بادام پر
کر کے نرگس کی قلم اور چشم آہو کی دوات

ے پلا، راہ سے کھویا ہے رقیبوں نے اسے
آوے حاتم کی طرف جب کہ کبھو مست آوے

چھین لیتی ہیں مرے دل کو نگاہوں کے بیچ
حسن رہ زن ہے یہ پنجاب کی راہوں کے بیچ

ایک دن ہاتھ لگایا تھا ترے دامن کو
اب تلک سر ہے خجالت سے گریبان کے بیچ

گر عدو میری بیدی کرتا ہے خاص و عام میں
میں اسے رسوا کروں گا باندھ کر دیواں کے بیچ

شعر خوبیست لیکن لطیفہ متبدل شیدا است کہ در ایوان بادشاہی گفتہ بود، برروئے امیرے کہ نامش از خاطر رفتہ است۔ در دیوان صاحب رسوا شدم، صاحب ہم عزت در دیوان من خواہند دید۔ از دست:

کوئی دیتا نہیں ہے داد بیداد
کوئی سنتا نہیں فریاد فریاد

سجن نین یاد کر نامہ لکھا اور ہم رہے غافل
بجائے معذرت لکھنا ہمیں کاغذ خطائی پر

آج نرگس کا قلم کر کے سجن لکھتا ہوں
وصف آنکھوں کا تری کاغذ بادامی پر

جب سوں تیری نظر پڑی ہے جھلک ‏ ‏ ‏ تب سوں لگتی نہیں پلک سوں پلک

دیکھ طور اس دور کا حاتم نے کی ترک شراب
یاد کر کر سبز رویاں کو وہ اب پیتا ہے بھنگ

در لفظ سبز تامل کردن ضرور است زیرا کہ آشنائے گوش ایں ہیچداں نیست۔

خاصے سجن کا ملنا تن سکھ ہے عاشقوں کو
گاڑھے رقیب سارے مرتے ہیں ہاتھ مل مل

دلوں کی راہ خطرناک ہو گئی آیا
کہ چند روز سے موقوف ہے پیام و سلام

مارا ہے سنگ دل نے دکھا مجھ کو رنگ سرخ
تعویذ مجھ مزار کا لازم ہے سنگ سرخ

حسن

حسن[1] راست:

جب تے سفر پی نے کیا تب تنے غریب آوارہ ہوں
پی بیگ تے آنا کریں یا مجکو لیں بلوائے کر

حسیب

حسیب تخلص۔ احوالش معلوم نیست۔ از بیاض سید صاحب مذکور نوشتہ شدہ

---

[1] نکات: ص ۱۰۶

گلبدن پھول کے مت نور کی ڈالی آرے
دیکھ ابھی شور کریں بلبل و مالی آرے

در تذکرہ[1] میر احوال ہر دو شاعراں ہمیں قدر مرقوم بود کہ مرقوم گشتہ

حشمت محمد علی

محمد علی حشمت[2]۔ از شاگردان غنی بیگ قبول است۔ اکثر بر شعر مامردمان اعتراضات بیجا می کردہ جواب باصواب می یافت۔ در شعر ریختہ کہ بسیار پاجیانہ می گفت، اگیہا دارد۔ حاصل عجب ہنگامہ پردازے بود۔ درایں ایام ہجو اوی ہم بہم نمی رسد۔ ہمراہ قطب الدین خاں در جنگ روہلہ کشتہ شد۔ استاد عبدالحی تاباں بود۔ خدائش بیامرزد۔ از دست:

جب آ خزاں چمن میں ہوئے آشنائے گل
تب عندلیب رو کے پکارے کہ ہائے گل

خط میں ترا حسن سب اوڑ ایا
یہ سبز قدم کہاں سے آیا

حسن

میر محمد حسن، حسن تخلص، جوان اہلی است، نوکر پیشہ، اکثر در بندہ خانہ

---

[1] نکات: ص ۱۰۶
[2] نکات: ص ۱۰۹
[3] نکات: ص ۱۳۲

بتقریب مجلس تشریف می آرد، وضع مرد آدمیانہ دارد، مشق سخن از میرزا رفیع می کند، از دست:

لگتا ہے مجکو آج یہ سارا جہاں خراب
شاید کہ مرگیا ہے کوئی خانماں خراب

قاتل اگر کہے کہ سسکتا ہے چھوڑیو
خنجر تو ایک دم کے لیے منہ نہ موڑیو

حزیں

سخن آفریں، میر محمد باقر حزیں۔ در تذکرۂ تقی میر مرقوم است کہ میر محمد باقر حزیں تخلص۔ شاعر[1] ریختہ است، صاحب دیوان، از نصیریاں مرزا جان جاناں مظہر، شنیدہ می شود کہ بہ بنگالہ رفت۔ دیگر احوالش تحقیق نمی گردد۔ از دست:

اس بے وفا کے عشق میں کچھ مجکو جس نہیں
پانوں تلک بھی ہائے مجھے دست رس نہیں

در تذکرہ سید فتح علی تبریزی[2] مسطور است کہ میر محمد باقر حزیں طبع رسا و فکر والا داشت و در ملک سخن ودی علم شاہی می افراشت۔ غنچۂ استعدادش از نسیم الفاظ[3] مرزا مظہر شگفتہ، چنانچہ گوید

---

[1] نکات: ص ۱۰۸
[2] گردیزی: ص ۳۶
[3] گردیزی: نسیم انفاس

اے حزیں شکر کہ ہے مصحف ارباب جنوں
فیض سے حضرت مظہر کے یہ دیوان مرا

سالے چند زیں پیش شاہجہاں آباد خلد بنیاد را وداع گفتہ در گلشن بنگالا بسان بلبل ہزار داستاں نغمہ سرائی می کرد۔ دریں دلا از مرزا مظہر مسموع شد ودیعت حیات را بہ اجل سپرد:

غم نے آباد کیا خانہ ویراں میرا
ابر مژگاں سے ہوا سبز بیاباں میرا

خوب بوجھا ہے مزا عشق میں رسوائی کا
معتقد جی سے ہوں اس دل کی میں دانائی کا
دل بروں میں سے لیا ڈھونڈ سجن تجھ سے کو
میں دوانا ہوں ان آنکھوں کی شناسائی کا

کیوں نہ ہووے دل ہمارا ہائے خوں اس اشک سے
ان لبوں سے برگ پاں یوں ہم زبانی ہو گیا

یاں تلک آنکھیں مری روئیں کہ اک آنسو نہیں
بے طرح تاراج ان کا خانماں اب ہو گیا

بہار آئی ہے جب سے یاد کر کر گلستاں اپنا
قفس میں ہائے بلبل کس طرح دیتی ہے جاں اپنا

کبھو کوئی جو بلبل دیکھ گل کو جی سا پاتی ہے
مجھے بے اختیار اس وقت یاد آتا ہے جان اپنا

خفا ہوتا ہوں میں از بس نہیں تعبیر کر سکتا
مجھے لکھتا ہے جس جس طرح [سے] پیارا سجن میرا

سر جھکا دیں گر تواضع سے بتاں کچھ عیب نہیں
شاخ گل ہے اس نزاکت ساتھ سرتا پا ادب
برق سے جوں آنکھ مند جاوے کرے ہیں اس طرح
دیکھ کر حق کی تجلی مردم بینا ادب

یہ آہو رام تھے مجنوں کے سب لیلیٰ کی خاطر سے
وگرنہ ان پری زادوں کو دیوانے سے کیا نسبت

ہم کمر یار کی سنتے ہی رہے میاں لیکن
ہرگز اس بات کا ہونا نہیں ہم پر اثبات

مری رنگیں کلامی کا ہے وہ گل پیرہن باعث
کہ ہو ہے بلبلوں کی خوش صفیری کا چمن باعث
کوئی ہوتا ہے سنگ سینہ خسرو سے رقیبوں کا
ہوا ناحق ہلاک اپنے کا آپ ہی کوہ کن باعث

جو ہوتا ہے کسو سے انس سب سے وحشت آتی ہے
مری صحرا نشینی کا ہے میرا من ہرن باعث

اس پر نہیں ہوا ہے یہ دل مبتلا عبث
ناصح ٹک اس کو دیکھ مجھے مت سنا عبث

وہ نگاہ مست ہے ان چشم گریاں کا علاج
مے سے ہوتا ہے خمار مے پرستاں کا علاج
زخم پر دل کے مرے ناصح تو مرہم مت لگا
خوش نہیں آتا ہے مجھ کو درد خوباں کا علاج

پیچ بنا کر پھرتے ہیں یہ جامہ زیباں کس طرح
ان سے جا لپٹے نہ میرا رشتۂ جاں کس طرح
دیکھنے میں اس کے کب آتی ہیں ایسی صورتیں
دیکھ کر تجھ کو نہ ہو آئینہ حیراں کس طرح
کیا قیامت ہے جو سے اپنے کو بیگانہ چھپا
صبر کر بیٹھے حزیں وہ پیر کنعاں کس طرح

گئیں یوں محنتیں سب اس کی برباد
ہوا کس بیکسی سے ہائے فرہاد

کریں کیوں کر نہ ہم مجنوں کا ماتم !
کہاں ملتے ہیں اپنے فن کے استاد

اس قدر وہ شوخ مجھ سے بدگماں اب ہو گیا
دیکھ کر مجھ پاس گل غصّے سے ہو جاتا ہے سرخ

جو کچھ سلوک کہ کرتا ہے اب گریباں سے
نہ تھا یہ ہاتھ مرا اس قدر کبھو گستاخ

عشق کے فن میں تجھے ناقص کہیں گے اہل درد
کوئی ہوتا ہے حزیںؔ غم سے ہراساں، العیاذ

کوہ کن کی محنتیں آخر ٹھکانے لگ گئیں
دل میں کی شیریں کے جا آخر کے تیں سر چیر کر

گوارا ہو گیا دل پر ہمارے جورِ یار آخر
ہمیں درد و الم سے ہو گئی صحبت برار آخر

نہیں اپنے کے خوباں تجھ سے آخر آشنا ہرگز
انھوں پر بھول کر اے دل نہ ہو مجھ سے جدا ہرگز

نہ ہو اے باغباں بلبل کو مانع گل کے ملنے سے
نہیں رہنے کی گلشن میں بہار آخر سدا ہرگز
سزا پائی نہ آخر چاہنے کی ہم نہ کہتے تھے
کہ ان خوباں سے اے دل جی تو اپنا مت لگانا ہرگز
ہمارے واسطے کس کس طرح کے رنج کھینچے ہیں
حقوق اس دل کے مجھ سے ہو نہیں سکتے ادا ہرگز

ایک دن دریا نے دیکھا تھا مرے رونے کا جوش
روز و شب غیرت سے ہوتا ہے تہ و بالا ہنوز

سوں کو کئی فصلوں سے تھی باغوں میں جانے کی ہوس
حیف اب کے بھی نہ نکلی اس دوانے کی ہوس

بے خبر رہتے ہیں جو کوئی عشق کی لذت سے ستی
وہ نہیں رکھتے مزے سے زندگی کی اطلاع
کیوں کے ہو مجھ کو تسلی جاں وعدوں سے ترے
خوب رکھتا ہے مرا دل دل سے تیری اطلاع

عشق کی گرمی سے ضعف آتا ہے مجھ کو ان دنوں
ہو گیا یہ وجد دل آخر مرا درد دماغ

منصبِ فریاد کو کب کر سکے ہے سربراہ
کوہ ہو سکتا نہیں دل ہائے نالاں کا حریف

ایک ہم سے بات نیں سکتی نکل آنسو بغیر
دل ہمارا ہو گیا ہے غم سے اب یاں تک رقیق

نہ جانے کس طرف جاتا رہا خوباں ستی مل کر
نہیں ملتا ہے مجھ کو مدتوں سیتی سراغ دل

دل دے کر اپنا کیوں عبث افسوس اب کھاتا ہے دل
چلتا رہا جب ہاتھ سے پھر ہاتھ کب آتا ہے دل

آتی ہے تو بہار دھڑکتا ہے جی کہ ہائے
پھر شور و شر کرے گا یہ خانہ خراب دل
غم نے لیا ہے گھیر مجھے یاں تلک کہ اب
دیتا ہے ساتھ دینے سے مجھ کو جواب دل
ملنے کے ان جو اشک نکلتے ہیں کچھ نہ پوچھ
نکلے ہے دیکھنے کو ترے ہو کر آب دل
آثار دیکھ کر کے خزاں کی چمن کے بیچ
کیوں کر کرے نہ ہائے حزیں اضطراب دل

رحم آتا ہے کہ اس مشت خاک اپنے پہ ہائے
خوبرویوں کے ہوا میں یوں گئے برباد ہم

گیا سن ہوش مجنوں کا مرے دیوانہ پن کے تئیں
بجز سر پھوڑنا اور کچھ نہ سوجھا کوہ کن کے تئیں
میں دیکھوں کیوں کر اس دریائے خوبی کے دہن کے تئیں
گیا جی ڈوب میرا دیکھ اس چاہ ذقن کے تئیں
حزیں سب دکھ مرے جی پر گوارا ہو گئے لیکن
نہیں جاتا ہے دیکھا پاس غیروں کے سجن کے تئیں

کس کس طرح کی ایذا پہنچی ہے مجھ کو تجھ سے
میں مر گیا ہوں اے دل تیرے دوانہ پن میں
ناصح نہ اس طرح کی باتیں مجھے سنا دے
دیکھے اگر سجن کو آ کر میرے نین میں

ویراں ہوا خزاں سے چمن یاں تلک کہ ہم
چاہیں جو جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں

ان بتاں کے دیکھنے کا جو کوئی قابل نہیں
زندگانی کا اسے واللہ کچھ حاصل نہیں
بے وفائی دیکھ کر ان خوش نگاہوں کی حزیں
اب کسو سے اس طرح ملنے کو میرا دل نہیں

اے حزیں بلبل کے دل پر باغباں کے جور سے
کیا گذرتی ہوگی جس ساعت جلا ہے آشیاں

آرزوئیں عشق کی ہوتے نہ دیکھی سر براہ
کوہ کن بھی سر پٹک کر مر رہا آخر وہیں

لوگ کہتے ہیں ہمیں اس دل کے سمجھانے کے تئیں
کیونکہ سمجھا دیں کہو ہم ایسے دیوانے کے تئیں
ہو رہا ہے درد و غم سے عشق کے از بس خفا
مستعد بیٹھا ہے ہو کر جی نکل جانے کے تئیں

دیا تلخی سے جی فرہاد نے یہ کہہ کے یا قسمت
لکھا یہ تھا کہ شیریں سے ملیں گے ہم قیامت کو

بے طرح دیوانگی پر عشق میں آیا ہے دل
دیکھیے اب زندگی میری کا کیا اسلوب ہو
حال اے قاصد جو کچھ جاتا ہے دیکھ (کذا)[1]
اس طرح سے اس سے مت کہیو کہ وہ محجوب ہو
نام پر ان خوبرویوں کی فدا کرتا ہے جاں
کیوں نہ ان طرحوں سے مجھ کو دل مرا مجبوب ہو

---

[1] گردیزی: حال اے قاصد مرا جو کچھ کہ تو جاتا ہے دیکھ

کیوں کر خاطر خواہ دل کے درد کی تقریر ہو
کب یہ معنی لفظ میں آتے ہیں کیا تحریر ہو
بے طرح ہم مبتلا پاتے ہیں خوباں کا اسے
دیکھیے اب اس دوانے دل کی کیا تدبیر ہو
زندگی اور موت لگ جاوے ٹھکانے سب حزیں
عشق میں رعنا جوانوں کے مردں گو پیر ہو

اس طرح سیلی جو دکھلایا ہمیں روز سیاہ
کیا کیا تھا سانوروں کا ہم نے ہائے ایسا گناہ
اشک رنگیں کیوں رواں ہوتے میری آنکھوں سے آہ
گر نہ پڑتی گل رخاں کی اے حزیں مجھ پر نگاہ

کچھ کٹے ہجر میں کچھ وصل میں گریاں گذرے
کیا مری عمر کے اوقات پریشاں گذرے
شان مجنوں کی کسو کی نہ رہی نظروں میں
خیل آہو میں جو ہم چاک گریباں گذرے

خوباں کے درد و غم نے کیا ناتواں مجھے
یاں تک کہ مو بھی تن پہ ہوئے ہیں گراں مجھے
ان دل بروں کو دیکھ دل ایسا گیا کہ آہ
ملتا نہیں ہے اس کا کہوں اب نشاں مجھے

یوں تو نے مجھ کو جان یکایک بھلا دیا
تیری وفا سے آہ نہ تھا یہ گماں مجھے
کیونکر کروں جفا کی شکایت میں اس سے آہ
کرتا ہو وہ وفا میں کبھو امتحاں مجھے

سب نصیحت میں تری مانوں گا اے ناصح پر ایک
دل بروں کے دیکھنے میں جی مرا ناچار ہے
یاں تلک اب خوب رویوں نے ستایا ہے کہ اب
زندگانی سے بھی اپنی جی مرا بیزار ہے

دیوانگی کو اپنی مرنے تلک نبا ہا
ملتے کہاں ہیں کامل مجنوں سے اپنے فن کے
نہیں چھوڑتا ہے یہ دل خوباں سے بھی مروڑیں
مارے ہوئے ہیں ہم تو اس اپنے بانکپن کے

ہیں ان خوباں کے ملنے میں جو اتنے رنج کھینچوں میں
نہیں تقصیر کچھ اس کی مجھے یہ دل ستاتا ہے

نہ کی کچھ فکر تم نے اپنے وعدوں کے وفاؤں کی
بھلے تم نے خبر لی جان! اپنے آشناؤں کی

میں چاہتا ہوں عشق چھپاؤں پہ کیا کروں
رسوا کرے ہے خلق میں یہ چشم تر مجھے
سب آرزوئیں دل کی ٹھکانے لگیں حزیں
گر قتل کر چکے وہ سپاہی پسر مجھے

پسیجا ہے مگر سے تری پتھر سا دل اس کا
نہ کر شور اس قدر لے آہ بس دیکھے اثر تیرے

وفا میری اگر جور و جفا تجھ کو نہ سکھلاتی
تو کیا آرام سے یہ زندگانی آہ کٹ جاتی

حزیں میں درد دل کا کس طرح ظاہر کروں اس سے
مجھے کہتا ہے تیری بات مجھ کو خوش نہیں آتی

راحت میں دل کے ہاتھ نہ پاؤں گا ایک دم
جب تک کہ میرے ساتھ یہ خانہ خراب ہے

مجھے کہتا ہے تیرا دل کہاں ہے
قیامت شوخ میرا بدگماں ہے
خزاں آتی ہے اب دیکھے گا آخر
نہ بلبل ہے نہ گل نے آشیاں ہے

نپٹ شورش سے آتی ہے بہار اب
خبر لے اپنی تو اے دل دوانے

حسرت

شاعر صاحب جرأت، ہیبت قلی خاں حسرت عرف میر محمد حیات سلمہ اللہ تعالیٰ کہ اول بنائے ریختہ در عظیم آباد ایشان ریختہ۔ حسب اتفاق بعد نادر شاہی میر باقر موصوف غفر لہ از شاہ جہاں آباد بہ عظیم آباد تشریف آوردہ میر محمد حیات مذکور شاگردی میر مسطور اختیار نمودہ۔ چنانچہ می فرماید:

فخر کرتا ہے ظہور اپنے پہ حسرت برجا
مل گیا اس کے تیئں ایسا ہی استاد کہ بس!

ہمراہ ایشاں بہ پرنیہ تشریف بردہ، آں جا داروغہ دیوان خانۂ نواب شوکت جنگ بہادر شدہ۔ بعد ازاں از ہمشیرۂ میر باقر مذبور منسوب گشتہ و داروغہ دیوان خانۂ نواب سراج الدولہ گردیدہ و در رفاقت آں کارہا نمودہ و از فضل الٰہی بعزت و حرمت ماندہ بلکہ خطاب خانی و جاگیر یافتہ و باوجودیکہ گرد طمع نہ گردیدہ والا نہ چیزہا می یافت۔ بہر حال شمع محفل دوستاں است ازیں چیزہا ہمہ چیز دارد۔ دریں روزہا نوکر نواب مبارک الدولہ اند و در مرشد آباد بدستور قیام می وارند۔ حق تعالیٰ سلامت باکرامت دارد۔ از دست:

عشق کے نور سے روشن ہوا سینہ میرا
ید بیضا ہو گیا دل کا نگینہ میرا
محتسب ادبیے پر اس قدر کے نہیں، پر باللہ
زور ہے نام خدا دیکھ یہ مینا میرا

مرنے کے بعد بھی نہ فرو ہو جنوں مرا
جوں خم ہتی زمیں سے گرے جوش خوں مرا

بن پڑے ایسی ترے چاہِ زنخداں کی ہوا
یوسف آ، یاں بھول جاوے مصر و کنعاں کی ہوا

تیری گلی میں ہر کوئی روندے ہے خاک میری
انصاف ہے، پیارے، یوں پائمال رکھنا؟

نظر آتا ہے اشک گرم سے سیلاب آتش کا
کہیں کیوں کر نہ آنکھوں کو مری گرداب آتش کا
نہ نکلیں کیونکہ شعلے آہ کے اے شمع رو تجھ بن
کھلا ہے ان دنوں دل پر ہمارے باب آتش کا

قیامت جیتے ہی جی آگئی اس کی جدائی میں
نہ سمجھے تھے کہ اس گردوں کا ایسا انقلاب ہوگا

دل ہمارے نے میاں تجھ صاحبِ شوکت سے مل
عشق میں پیدا بہت سا اعتبار اپنا کیا

بسکہ دکھ دیتا ہے میرے دل کو وہ بدخو مرا
کل نہیں پاتا ہے مارے درد کے پہلو مرا

نہ پایا جب تلک اس نے سراغ یوسف کا
چراغ دل تھا زلیخا کو داغ یوسف کا

لہو کے گھونٹ نہ کیوں گھونٹوں تجھ بن اے ساقی
برنگ نالہ ہے پر خوں ایاغ دل میرا

غیروں کے ساتھ دیکھ تری گرم جوشیاں
حسرت کا دل تو آج ہوا ہے کباب سا

تمہیں خدا کسوں اے جاں لو ہوا سو ہوا
بھلا دو غصے کو آؤ چلو ہوا سو ہوا

جس نے اس کو برا کیا ہم سے
آہ اس کا بھی کیا بھلا ہوگا

تھکایا یاں تلک اس عشق نے مجھ ناتواں کے تئیں
گریباں تک بھی چل سکتا نہیں کچھ دست رس اپنا

بجا ہے ان بتوں کے جی میں حسرت میرے مرنے کی
میں کافر ایسے ہی تھا، ان کے بت خانے کے کام آتا

ہاتھ اٹھا ناصح کچھ اب حاصل نہیں تدبیر کا
فصل گل نے آ ہلایا سلسلہ زنجیر کا
جھانک دیکھ اس زخم کے منہ کو ٹک اے رشک چمن
کوچہ دگلزار ہے رخنہ ترے ہر تیر کا

جس گھڑی تو نے ہم کو پیار کیا
ہم نے سب جبر اختیار کیا
عذر وعدہ خلافیوں کا نہ کر
ہم دوانے ہیں اعتبار کیا

دل سے وہ شوخ جدا آہ پڑا پھرتا ہے
رشک ہے سایہ سے ہمراہ پڑا پھرتا ہے

اٹھ مرے بالیں سے اے مشفق طبیب
دارو ہی کو لے ہو بیٹھے، یا نصیب

رشک سے آگ پہ لوٹے نہ پتنگا کیوں کر
منہ لگے شمع کے گل گیر زباں دان کے لب

بہار آئی دوانے ہو کے رہ جنگل کی لیجئے اب
گریباں پھاڑیئے، سر پھوڑیئے گھر پھونک دیجئے اب

حسرت آتا ہے نظر ساقی کا جب خط سیاہ
جی کھنچا جاتا ہے دیکھ اس ابر کو سوئے شراب

یار کا قد کہاں کہاں وہ سرو
طوبیٰ طوبیٰ ہے اور درخت درخت

دل ہے سینے میں داغ کا طالب
گھر اندھیرا چراغ کا طالب

ردکران آنکھوں نے رسوا کر دیا
کھل گیا بخیہ تو پھر سینا عبث

موبمو شانے نے ڈھونڈا نہیں ملتا تس پر
گم ہوا ہائے دل اس زلف پریشاں کے بیچ

حسرت کہاں تلک میں کروں ضبط اشک کو
رونے کے بیچ ایک ہے ابر اور مرا مزاج

چھپاؤں اشک گلگوں کس طرح آہ
گریباں ہو رہا ہے جا بجا سرخ

کہوں تو کیوں نہ کہوں رتبۂ شراب بلند
کہ جس کا جام ہو پھرتا ہے آفتاب بلند

مرا دل اشک سے ہوتا ہے پانی
نہ کر اتنا بھی ہر دم آرسی یاد

عاشقوں کے لباس کی مت پوچھ
خاک ہے اس گلی کی حلہ نور

بعد مرنے کے ہماری خاک کو برباد کر
دے بگولے کو کہ لے مجنوں کا گھر آباد کر

کیا ڈھونڈتا ہے ناداں کوئی دل نشیں رہبر
پردا اٹھا کر آ جا گر ہے یقیں رہبر

بہار آئی ہوئے از بس چمن سبز
گلستاں بیچ بیٹھا پیرہن سبز
عجب رونق ہوئی آنے سے خط کے
ہوا رخسار تیرے کا چمن سبز

مجھے تو جام ادے ساقی آج بہم دے
بہت دنوں سے میں رکھتا ہوں بے خودی کی ہوس

اگر زمیں پہ بہشت بریں ملے حسرت
نہ جائے تو بھی مرے دل سے اس گلی کی ہوس

کہاں تک سرد مہری کر سکیں گے ماہ رو مجھ سے
ہے بس گرمی پہ میری آہ کی تاثیر کی سوزش

جان تو چاہنے کے لائق ہے
دل نے تجھ سے کیا بجا اخلاص

یہ دل بسمل ترا حسرت نہیں زخموں سے سیر
کس قدر رکھتا ہے مرضی اپنے قاتل کی غرض

مل ہی جاتا ہے گا جلنے کے بہانے شوق سے
دیکھ پروانے کی گستاخی جھجک جاتی ہے شمع

ذبح تو کرتا ہے میرے جی کی خواہش سے مجھے
دیکھ تو قاتل نہ لگ جاوے ترے دامن کو داغ

میاں تو چھوڑ کر حسرت کو اپنے
ہوا غیروں کا جا کر ہم نشیں حیف

محتسب حسرت کا دل ناچار ہے کیسا کیجئے
دخترِ رز کا نہیں جی پارسائی کی طرف

پرویز دیکھو عیش کرے، کوہ کن مرے
کیا اور ہی طرح سے پھرا آسمانِ عشق

حسرت تو اپنا نامۂ اعمال ساتھ دے
جاتا ہے کربلا کو مرا کاروانِ اشک

تری اس زلف میں جب سے پھنسا دل
پریشاں ہو کے بیٹھا یہ مرا دل

ہو تجھ کو مے کشی کا اگر گلستاں میں شوق
غنچہ پیئے برنگ گلابی ایاغِ گل

ترے جمالِ جہاں گیر سے بنے کیوں کر
میں ایک تیرا دوانہ ترا ہزار میں دل

عرس شاید حضرت مجنوں کا ہے جو اس طرح
چشم آہو سے چراغاں آج ہے صحرا تمام

بہا دیتے ہیں ہم اس کو ہمیں یا یہ بہا دیوے
بھلا اب شرط کر روتے ہیں ایدھر ہم ادھر ساون

زلف و رخ یار دیکھتا ہوں
کیا لیل و نہار دیکھتا ہوں
وعدے تو بہت ہوئے ہیں جھوٹے
اب یہ بھی قرار دیکھتا ہوں

رہوں رونے کے ہاتھوں کب تک دلگیر پانی میں
الہٰی کیا بندھے خوں میں میری تصویر پانی میں
مجھے افراط رقت سے بجا، نیں بات کہہ آتی
کہ کر سکتا نہیں ڈوبا ہوا تقریر پانی میں
رلایا ہجر میں اپنے مجھے یاں تک تو اے ظالم
کہ ڈوبی خانۂ دل کی مری تعمیر پانی میں
ہمارا سلسلہ نالوں کا اس رونے سے دیتا ہے
نہیں کچھ بول سکتی جس طرح زنجیر پانی میں

اے باغ کے بہار دل دردمند کو
تو بھی تو آگ سے نہیں کم اس پسند کو

حسرت حاضر ہوں میں اس جور و جفا کے منہ پر
جس میں ہو اسکی رضا، میری رضا، بسم اللہ

ناصح عبث ستامت، یاں مبتلا کسی کے
یہ دل گیا، پھرے ہے پھیرے سے کیا کسی کے
غیروں سے مل کے اتنا ہم کو تو بھول بیٹھا
اے آشنا کسی کے نا آشنا کسی کے

اگر شیریں کی خاطر میں جیا نہ جیا برابر ہے
تو سب فرہاد کا یار و کیا نہ کیا برابر ہے
اگر دشمن ہوا یوں ہاتھ مجنوں کا گریباں سے
تو اس کو لیلےٰ ہی سمجھے سیا نہ سیا برابر ہے

عجب دھوکے میں میری آرزو ہے
جو آتا ہے اسے جانوں ہوں تو ہے

کون روئے کوئی احوال پریشاں پہ مرے
ابر کرتا ہے کرم دیدہ گریاں پہ مرے

حسن کا افتخار آتا ہے
چشم بد دور یار آتا ہے
جھوٹے اقرار یار پر اپنے
کس کے دل کو قرار آتا ہے

اس چشمۂ جاری سے ہیں آنکھیں مری روشن
اندھا ہے وہی چاہ جہاں آب نہ ہووے

مرا آتا ہے وہ قاتل سپاہی
مجھے تو سرخ رو کیجیو الٰہی

خاک میری پہ بگولے کا گذر ہر جا ہے
دوست رکھتا تھا کبھی گردش دامن کو تری

آرزو کچھ نہ لگی آہ کنارے دل کی!
ناؤ سی ڈوب گئی چاہ، کنارے دل کی!

جو میرا داغ کبھو عرض آب و تاب کرے
تو رنگ گل کو خجل مہر کو کباب کرے

گھٹا سو سو طرح کے رنگ سے بن بن کر آتی ہے
پر اک ساقی نہیں ہی ہے تو کس کافر کو بھاتی ہے

زخم دل حلقۂ گرداب ہے رونے سے مرے
آستیں کوچہ سیلاب ہے رونے سے مرے

پلا شراب ہوائے بہار بھاتی ہے
گھٹا بھی اپنا جھکڑا کھڑی دکھاتی ہے

مژدہ وصل جو دیا قاصد
اس کے منہ کا سخن کہ ساختہ ہے؟

رباعی

ناشادی کا اپنی' جال جی سے نہ گیا
جب تک جیے ہم ملال جی سے نہ گیا
یہ لوح مزار پر ہماری لکھنا
ہم گئے پہ تیرا خیال جی سے نہ گیا

حیرت

سراج دودماں حرمت میر سید' حیرت' ہمشیرزادہ وخویش علی قلی خاں مرحوم کہ در وقت نظامت نواب احترام الدولہ مدظلہ تعالیٰ نائب صوبہ بودند۔ از فضل الٰہی در حسب ونسب آفتاب اند بر حال فقیر توجہ می فرمایند۔ بیشتر در کار و بار دنیاوی اشتغال می دارد۔ گاہے فکر شعر ریختہ ہم می نمایند و دریں فن شاگرد میر باقر حزیں غفرلہ ہستند۔ در عظیم آباد متصل حویلی خاں موصوف تشریف می دارند۔ وقت تحریر دیوان بدست نہ آمدہ کہ انتخاب نماید۔ ہر چہ بہم رسیدہ قلم بند ساختہ برکت ایں تالیف دانستہ۔ از دست :

اس سے تو ہیں نہ ملنا کبھی پر وہ رات کو
اس گرمی سے ملا کہ مرا دل پگھل گیا

تر ہو کے مے کدے سے وہ زاہد بھی گل گیا
مندیل و پیرہن کا بھگل سب نگل گیا

حیرت تو شب سے نکلا ہے دل کی تلاش کو
اب آ چلا گر اس کو وہ نزدیک مل گیا

پانی ہو بہ چلا ہے مری سوز آہ سے
یہ کوہ بے ستوں ارے فرہاد دیکھنا
تیرا نہ وہ قفس ہے نہ میرا وہ مرغ دل
اک ڈھیر راکھ کا ہے اے صیاد دیکھنا

نہ چھیڑ جیب کو ناصح ہلاک ہوئے گا
ادھر سیے گا ادھر پھر یہ چاک ہوئے گا

زلف جاناں دیکھنا اور روئے جاناں دیکھنا
صبح سلطاں دیکھنا، شام غریباں دیکھنا

کہوں میں کیونکہ نہ سرمایہ نشاط تجھے
کہ رات تو جو نہ تھا دل کو کچھ سرور نہ تھا

جو تو دل کو میرے کڑھاتا رہے گا
تو اک دن یہ اکتا کے جاتا رہے گا

دوڑا یا اس کے پانو کو جیوں ہاتھ بول اٹھا
بس تجھ کو منہ نہ میں نے لگایا تو ہل گیا

کچھ زمیں پر نہ رہا نام و نشاں سے باقی
اس طرح تو نے مری خاک دی برباد کہ بس

دیکھوں ہوں جب گرے ہیں کبوتر کے پر کہیں
دھڑکے ہے دل کہ نہ مرا نامہ بر کہیں
تقلید میرے رونے کی کرتا ہے گو سحاب
دیکھوں گا میں بھر آئیں جو یہ چشم تر کہیں

قطعہ

حیرت میں ایک روز کہا رو کے آہ سے
اے روسیاہ تو بھی کرے گی اثر کہیں
کہنے لگی کہ آتش افسردہ ہیں کبھی
غیر از دھوئیں کے دیکھا ہے اٹھتے شرر کہیں؟

یہ جو مثل ہے یار و دشمن کہاں بغل میں
سو دل ہے درپئے جاں میرے نہاں بغل میں

کیا دل کو لے کے دیکھ رہے ہو، میرا نہیں
کہہ ڈالو ایک بات کہ لینا ہے یا نہیں

ڈس گئی ناگن سی تیرے زلف مجھ کو خواب میں
کیا کیا لہریں آتی ہیں میرے دل بے تاب میں
تھم رہے تھے لخت دل کئی ایک جو مژگاں کے ساتھ
وہ بھی گھل کے رات بہ گئے اشک کے سیلاب میں

خورشید رو ہمارا اگر بے حجاب ہو
پرتو سے اس کے ذرہ تمام آفتاب ہو
اب حضرت ظہور سے پہنچا ہے تجکو فیض
حیرت تو کیوں نہ شعر ترا انتخاب ہو

اک روز میری اس کی ملاقات ہو گئی
جو کچھ کبھی نہ ہوئے تھی سو بات ہو گئی

حیدر شاہ

از حیدر شاہ ... نوکر نواب سرفراز خاں صوبہ دار بنگالہ:
کام جو کیجئے پورا نہ ادھورا کیجئے
گر ادھورا رہے کوشش سیتے پورا کیجئے

حریف

خواجہ مکرم خان، خلف خواجہ محمدی خاں، حریف تخلص۔ مرد بے بود صاحب کیفیت۔ ہنوز بردنیا نخوردہ بود کہ بجنت شتافت۔ از دست:

آزاد تھا جو دل سو گرفتار ہو چکا
بس لطف زندگی کا مجھے یار ہو چکا
کہنے لگا طبیب مری نبض دیکھ کر
کیا کیجئے یہ عشق کا بیمار ہو چکا

گر منفعت ہو اس میں یا ہو ضرر ہمارا
سب کچھ قبول ہم کو تو ہو اگر ہمارا

جوں نگیں میں نہیں ہوں نام طلب
عشق کی مجھ کو ہے مدام طلب

پہلے جب جی نثار کرتے ہیں
تب ستم گر کو یاد کرتے ہیں
اپنی صورت دکھا کے یہ گل رو
آئینے کو بہار کرتے ہیں

رکھ نظر میری آشنائی پر
مت کمر باندھ بے وفائی پر

جب دیکھتا ہے تجھ کو ہنستے ہوئے چمن میں
پھولا نہیں سماتا گل اپنے پیرہن میں

شور ہے تیرے حسن کا بسکہ ہر اک دیار میں
کیوں نہ گھمنڈ تجھ کو ہو ایک ہے تو ہزار میں

ہمارے حق میں بھلا ہووے یا برا ہووے
الٰہی یہ تو نہ ہووے کہ وہ جدا ہووے

رباعی

چوں شمع گر آپ کو جلایا تو کیا
اور خاک میں یہ جسم ملایا تو کیا
واقف نہ ہوا جہاں میں گر غم سے تو
آیا تو کیا وگرنہ آیا تو کیا

حضور

شاعر اہل مقدور، شیخ غلام یحیٰی حضور، ساکن عظیم آباد۔ مردیست صاحب تمکین ومزاج گرفتہ۔ الحال اوقات بسوداگری بسر می برد۔ در طبابت شاگرد میر علی اسمٰعیل مستمند نور مرقدہٗ و در فن شعر شاگرد میر باقر حزیں غفرلہ۔ اما باعث کاروبار دنیاوی فکر شعر گاہ گاہ می نماید:

گر ایسی ادا تو دکھاتا رہے گا
تو کب کوئی جی بچاتا رہے گا

مسرور تیری مے سے اک عالم ہے ساقیا
امیدوار میں بھی ہوں دو ایک جام کا

لیتے ہیں جور کرنے کو یہ سنگ دل حضور
کیا ہے وگرنہ شیشۂ دل ان کے کام کا

گلستانِ جہاں سے جی نکلنے کو نہیں کرتا
اڑاتے ہیں مزے اس باغ میں کیا کیا اہا ہا

مرتا ہوں دردِ ہجر سے آرام ہو چکا
بس اے طبیبِ عشق مرا کام ہو چکا

قطعہ

جو اس تند خو سے کہا میں کہاں تک
حضور اپنے دل کو کڑھاتا رہے گا
گر ایسا ہی ہر دم ترا روٹھنا ہے
تو کب تک تجھے کوئی مناتا رہے گا

باغ میں آوے اگر وہ گلعذار اے عندلیب
بھول جاوے دل سے تو بادِ بہار اے عندلیب
گر کہیں تجھ کو نظر آجائے وہ رشکِ چمن
گل تری آنکھوں میں کھٹکے مثلِ خار اے عندلیب
سن کے تیرا سوزِ دل چھاتی پھٹی جاتی ہے آہ
اس طرح نالے نہ کر بے اختیار اے عندلیب

قطعہ

خاطر اپنی مجھے رکھ جب تک ہے گلشن میں حضور
فصل گل جانے نہ دے گا زینہار اے عندلیب
باغ کو تازہ رکھے گا دیدہ سیراب سے
جب تلک جیتا ہے یہ تو جی نہ ہار اے عندلیب

شگفتہ دیکھ دیکھ ہوتا ہوں میں گلزار کی صورت
کہ کچھ اک رنگ میں ملتی ہے میرے یار کی صورت
اسے اس واسطے میں دیکھتا ہوں، راستی یہ ہے
کہ ہوتا ہے مہ نو ابروے خمدار کی صورت
تری آنکھوں سے میں جب سے گرا کوئی پاس نہیں آتا
اجل بھی بھاگتی ہے دیکھ مجھ بیمار کی صورت

جلوں ہوں آگ میں غم کے یہ ظالم سب ترا باعث
اس آتش کے دہکنے کو ہوئی تیرا ہوا باعث
غبار عالم کے دل میں ہے یہ مری صاف گوئی سے
کدورت کی بھی میں دیکھا تو ہوتی ہے صفا باعث
کبھی شوخی تو کیا مارے ادب کے دم نہیں مارا
غبار اس آئینہ رو کے ہے دل میں اس کا کیا باعث

ہر شجر کے تئیں ہوتا ہے ثمر سے پیوند
آہ کو کیوں نہیں ہوتا ہے اثر سے پیوند
دیکھنا زور ہی گا نٹھا ہے دل یار سے دل
سنگ و شیشہ کو کیا ہے میں ہنر سے پیوند
مژہ خوں دل آلودہ پہ یہ قطرۂ اشک
یوں ہیں جوں شاخ ہو مرجاں کی گہر سے پیوند

قطعہ

تھان زربفت کے ہوتے تھے جہاں قطع حضور
جن کی پوشاک سدا ہوتی تھی زر سے پیوند
اب پھٹا جامہ گزی کا نہیں، گر ہے بھی کوئی
تو لگانے کو نکلتا نہیں گھر سے پیوند

رحم میرے ضعف پر گر آ ملا مجھ سے صنم
میں بزور ناتوانی ہجر کا ٹالا پہاڑ

فیض حق مختص نہیں دنیا کے گل اور خار پر
عام ہے خورشید کا پرتو درو دیوار پر
عرض تجھ سے کیا کروں اے شعلہ رو مانند شمع
حالِ دل روشن ہے کچھ موقوف نیں اظہار پر

کیا ہوا دل دیا قسم لے کر
پھیر دیتے ہیں کوئی صنم لے کر
تیری صورت کو دیکھ کر بہزاد
ڈال دے ہاتھ سے قلم لے کر

مشہد پہ عاشقوں کے کوئی گو نہ لائے شمع
روشن رہے ہے آہ انھوں کی بجائے شمع
پروانے تیرہ بخت پڑے ہیں جلے ہوئے
کیوں کر نہ اے حضور اندھیرا ہو پائے شمع

کیا رفو کرنے لگا ہے جا بھی ناداں اک طرف
پھٹ چلی چھاتی کوئی دم میں گریباں اک طرف

قطعہ

چاندنی میں کل نکل بیٹھا تھا وہ خورشید رو
دیکھتا تھا میں کھڑا گوشے میں پنہاں اک طرف
طرفہ حالت تھی کبھی ہم نے نہ دیکھا تھا حضور
ماہِ تاباں اک طرف مہرِ درخشاں اک طرف

کیا کہیے تیرے غم میں ہوا ضعف یاں تلک
دل سے سخن پہنچ نہیں سکتا زباں تلک

دل جا کے دامِ زلف میں ایسا پھنسا کہ آہ
وہ مرغ پھیر آ نہ سکا آشیاں تلک
دل بجھ گیا تو کیا ہوا فاصر نہیں حضور
حاضر ہے بندگی میں مری اپنی جاں تلک

وہ ہی کرتے ہیں کلیجے کو دو ابرو کی تیغ
اوچھی لگتی نہیں دیکھی میں یہ تروار کہیں
گو کیا چاک گریباں نہ گئی کلفتِ دل
رہ گیا کوئی گریباں کا مگر تار کہیں
اے حضور اب کے نظر آئے اگر یار کہیں
دیکھ مت چھوڑنا دامن کو خبردار کہیں

گداز عشق میں روتا ہوں حالت اس کو کہتے ہیں
سراپا آب ہو بیٹھا ہوں رقت اس کو کہتے ہیں
قدم پہ جا کے ویسے تند خو کے رکھ دیا سر کو
قیامت من چلے گی ہم سے، جرأت اس کو کہتے ہیں
گلابی سامنے ہے یار ہم آغوش بیٹھا ہے
کوئی ہم سے اگر پوچھے تو عشرت اس کو کہتے ہیں

ذرا پھر آ مرے قاتل! کہ دیکھنے کو ترے
موئے پڑے ہیں پہ ٹک دم رہا ہے آنکھوں میں

یہ خوف ہے کہ کہیں دل نہ آب ہو کے بہے
حضورِ اشک تو اب کم رہا ہے آنکھوں میں

زلف کو اس قدر اخلاص ہے رخسار کے ساتھ
مجھ سیہ بخت کو کیوں ربط نہیں تار کے ساتھ
غمِ پنہاں سبب زیست ہے کچھ مت پوچھو
جی مرا صاف نکل جائے گا اظہار کے ساتھ

بختِ برگشتہ میں کیا پڑ گئی ہے سخت گرہ
کھلتی ہی نہیں ہے کسو طرح یہ کم بخت گرہ

دیکھا تو ہر اک جا ہے حرم، دیر کہاں ہے
اللہ ہی اللہ ہے یہاں غیر کہاں ہے
کرتے ہو سلوک اتنا غنیمت ہے وگرنہ
رائج ہے اب اس عمر میں شر، خیر کہاں ہے

نام بھی نم کا نہ رہا چشم میں
اب تو گرے لختِ جگر چاہیئے
اب کے بچے جی تو کسو کے تئیں
پھر نہ کبھی بار دگر چاہیئے

اپنے ہی گھر میں خدائی ہے جو کوئی سمجھے حضور
ہاں مگر قیدِ خودی سے ٹک رہائی چاہیئے

ادا کو تری میرا جی جانتا ہے
حریف اپنا ہر کوئی پہچانتا ہے
کروں عرض کیوں کر کچھ اس تند خو سے
بھلی بات کہنی برا مانتا ہے
پھرے گا نہ یہ دل تری بندگی سے
یہ بندہ ہے تیرا خدا جانتا ہے

ٹک دیکھ تو یہ ابروئے خمدار وہی ہے
کشتہ ہوں میں جس کا سو یہ تروار وہی ہے
منصور سا کوئی نہ ہوا خلق جہاں میں
اس مملکت فقر کا سردار وہی ہے

مجھ سے مڑنے کی نہیں کسی رو سے
چشم رکھتا ہوں تیری ابرو سے
عشق میں درد سے ہے حرمت دل
چشم کو آبرو ہے آنسو سے

بکھری ہوئی جو چہرے پہ یوں زلفِ یار ہے
میں بوجھتا ہوں سب یہ مرے دل پہ مار ہے

آہ کچھ اس نے نہ پوچھا مجھ سے
جی کی جی ہی میں رہی جانے سے

کب وہ طمع سلام رکھتا ہے
مجھ سے لاکھوں غلام رکھتا ہے

ہم خوش نہیں ہیں لالہ و گل کی بہار سے
ہیں باغ باغ اپنے دل داغ دار سے
پاؤں پہ ہاتھ جا ہی پڑا اضطرار سے
تقصیر ہو گئی دل بے اختیار سے

قطعہ

سنتا ہے اے حضورؔ میں کل حسب اتفاق
سیر چمن میں مل گیا اس گل عذار سے
پاؤں پہ گر پڑا میں، وہ ٹھوکر سے مار کر
آگے چلا تو میں نے کہا اپنے یار سے
تقصیر ہو گئی یہ بھلا اب معاف ہو
مل لو خدا کے واسطے مجھ بے قرار سے
کہنے لگا کہ خالی کوئی تجھ سے کیا ملے
تو بے ادب ہے، گذرا میں ایسے پیار سے

حضورؔ آئینہ رو میرا تو دل میں عکس رکھتا ہے
میں حیراں ہوں کہ کس صورت سے جاؤں روبرو اس کے

حسرت وصال کی ہے گلوگیر ہجر میں
ورنہ ابھی میں پھاڑوں گریبان زندگی

سیتے سیتے آپ ہی ناصح ہو حیراں تو سہی
تار تار ہوتا ہی جاوے یہ گریباں تو سہی

ناچار ہے دل زلف گرہ گیر کے آگے
دیوانے کا کیا چلتا ہے زنجیر کے آگے

تعلق سے چھڑا دے شاد کر دے
الٰہی اب مجھے آزاد کر دے
مرے شیریں دہن کی کچھ نہ پوچھو
جسے چاہے اسے فرہاد کر دے

یہ خوں آلودہ مژگاں پر نہیں ہیں اشک کے قطرے
پھلے ہیں شاخ میں مرجاں کی مروارید کے دانے

جدا ہو کے تجھ سے میں جیتا رہا ہوں
قیامت تلک مجھ کو شرمندگی ہے

عمر گئی ہجر میں دل کرتا ہے مذکور وصال
بات اب تک ہے یہ دیوانے کی واہی نہ گئی

سخت ہوتا ہے نرم شیشۂ دل
بات کہتے گداز ہوتا ہے

قطعہ

بنا گوش صنم کو دیکھ کر رات
سبھی حیراں ہو بولے کیا صبح ہوئی
نظر کانوں کے آویزے پہ جب گئی
مقرر میں تو یہ جانا ہوئی صبح
لگے کہنے اٹھو اے سونے والو!
یہ تارا صبح کا نکلا ہوئی صبح!!

قطعہ

آہ وزاری کی ہمیں قدرت تھی جب تک اے حضور
تب تلک تو بارے جوں توں کچھ تو تھے بھی شاد ہم
اس توقع پر کہ شاید سن کے یہ شور و فغاں
رحم آجاوے اسے پاجائیں اپنی داد ہم
سو تو اتنے ناتواں اب ہو گئے ہیں یا نصیب
آہ اتنی بھی نہیں طاقت کریں فریاد ہم

قطعہ

جو شیخ ہی چاہے کہ سر رشتۂ اسلام
قائم رہے تسبیح کا اک تار نہ ٹوٹے
اور ربط جسے کفر سے ہے یعنی برہمن
کہتا ہے کہ ہرگز مرا زنّار نہ ٹوٹے

فارغ ہوں میں ان دونوں سے کہتا ہوں الٰہی
سب ہو پہ کہیں مجھ سے دل یار نہ ٹوٹے

حالؔ

شاعر شیریں مقال، علی ابراہیم خاں حالؔ[1]، ساکن عظیم آباد۔ ہمشیر زادہ زار جبین خاں مغفور۔ الحال بمرشد آباد قیام می دارند۔ در وقت میر قاسم خاں بہادر عالی جاہ مختار کاربودند۔ بدستور بخانہ نواب مظفر جنگ نیز مختار اند۔ انچہ انساں رامی باید ہمہ چیز می دارند۔ گاہ گاہ فکر شعر فارسی و ریختہ می نمایند۔ قبل ازیں تذکرۂ فارسی مرقوم فرمودہ اند۔ غالب است کہ تذکرۂ ریختہ ہم تحریر نمایند۔ از دست:

یہ راتوں کو اٹھ اٹھ کے جانے لگا
مرا دل مجھے پھر ستانے لگا

خزاں نے کس ستم سے باغ سارا صاف لوٹا ہے
کہ نے بلبل کا گھر باقی ہے نے گل ہے نہ بوٹا ہے

ہے اس کے در پہ فرش اب دل شکستوں کا جو کوئی جائے
سمجھ کر جاوے واں ایک عالم عالم شیشہ ٹوٹا ہے
ذرا زنجیر کھل گئی تھی توڑ کے غل مچاتے تھے
کہ چل کر دیکھیے میاں حال سا دیوانہ چھوٹا ہے

---

[1] حاشیے پر اضافہ "خلیل تخلص می نمایند"

جس جس طرح سے چاہو محبت میں تول لو
یارو میں بیچتا ہوں مرے دل کو مول لو

بیچتا ہوں میں دل سوختہ خاشاک کے مول
مال بے آب ہے پر کاش بکے خاک کے مول
لعل رکھتا ہے یہاں گانٹھ میں ہر قطرۂ اشک
میں نہ لوں کان یمن دیدۂ نم ناک کے مول

ضعف کے ہاتھوں سے میرے پاؤں چلنے کے گئے
وائے اس کوچے سے اب تو دن نکلنے کے گئے
جان شیریں دے چک لے فرہادیاں خسرو کے ہاتھ
کوہ غم تجھ پہ ڈھا وقت اب سنبھلنے کے گئے
دل سے تھی فوارگی چشموں کی سو اس دل کے بیچ
کچھ خلل آیا کہ ان میں دم ابلنے کے گئے

رباعی

ایک بوسے کی مجھ کو تجھ سے رخصت نہ ملی
اور عرض کی ڈر سے مجھ کو جرأت نہ ملی
لوگ آ گئے وہیں جو اکیلا تو ملا!
ملنا تو ہوا پہ آہ فرصت نہ ملی

حیران

میر منّو حیراں[1] تخلص۔ ساکن عظیم آباد۔ آشنائے فقیر بودند۔ در محفل مشاعرہ تشریف می آوردند۔ مزاج رنگیں می داشتند۔ مرثیہ می گفتند و فکر شعر ریختہ می کردند قریب دو صد بیت گفتہ باشند کہ حیات مستعار و نا کردو بجنت شتافت۔ از دست:

کیا جانے گا کرے گا کس کس کو اب دیوانہ
اے جان ہر گھڑی کا تیرا یہ مسکرانا

دیکھتا ہے جو کوئی داغ مرے سینے کا
ہاتھ ملتا ہے یہ بیمار نہیں جینے کا
مے پلانا ہے تو دے ہاتھ سے اپنے دانہ
غیر کے ساتھ سے ہرگز میں نہیں پینے کا

کیا مجھ کو مری آنکھوں نے رسوا
کوئی اب کیا مجھے رسوا کرے گا

غیر کے ساتھ تو شراب پیے
دل ہمارا کباب ہووے گا
اوس جفا جو سے دیکھیے حیراں
کب تلک کامیاب ہووے گا

---

[1] حیراں کا ترجمہ حاشیے پر درج ہے۔

دل کے جانے کا ہمیں کچھ غم نہیں اے ناصحو
پاس تھا جب تک ہمارے درپئے آزار تھا

حیدری

شیخ غلام علی حیدری تخلص

زلفیں دیکھا جو دل کو گرفتار کر چلے
ایسا ہی تھا تو کیوں نہ ہمیں مار کر چلے

حجام

کلو حجام[1] است کہ حجام تخلص می نماید، حق تعالیٰ او را بہ مرتبۂ قصاب رساند۔

از دست:

واں آج سے نہیں ہے کچھ اغیار کی نشست
دیکھیں ہیں ساتھ گل کے ہر اک خار کی نشست

تم جو ہم سے نہ ملو گے تو ضرر کیا ہوگا
ہم اسی غم میں اگر جائیں گے مر کیا ہوگا
دل تو دیتے ہوئے...... یہ سب سے ظالم
سوچ رہتا ہے یہی آٹھ پہر کیا ہوگا

---

[1] کلو حجام کا ترجمہ دوبار لکھا گیا۔ پہلی بار متن میں جس کی عبارت نقل کی جا چکی ہے۔ دوسری بار حاشیے پر لکھا گیا جس کی عبارت یہ ہے: "کلو حجام ساکن شاہجہاں آباد، شاگرد مرزا محمد رفیع سودا، حجام تخلص۔"

ملک در ملک پھرے عشق میں تیرے وا ہے
ہم سے گر کر گئے دنیا سے سفر، کیا ہو گا
کیسے رخساروں کے لیتا ہے مزے خوباں کے
بہتر اس سے کوئی حجام ہنر کیا ہو گا

شعر اول سابق رسیدہ وایں چہار بیت[1] الحال از بیاض میر اولاد علی نوشتہ

اس جستجو نے اس کی گنوایا کہاں مجھے
میں ڈھونڈتا پھروں ہوں اسے اور وہ مجھے[2]

حاضر

درویش بود، حاضر تخلص۔

دیکھنا اپنی گلی سے نہ اٹھانا ہم کو
یار دنیا میں نہیں اور ٹھکانا ہم کو
ہم غریبوں کے پڑی شام غریباں سر پر
اب تو اے زلف ادا سے نہ بتانا ہم کو

حیران

حیران:

---

[1] یہ چاروں شعر حاشیے پر درج ہیں۔
[2] یہ آخری شعر بھی حاشیے پر کلو کے نام سے درج ہے۔

وقت خزاں جو سیر کیا ہم نے جائے گل
چھانی چمن کی خاک نہ تھا نقش پائے گل

حکیم یونس

احوالِ[1] او در تذکرۂ غیر ازیں چیزے دیگر مرقوم نیست کہ نوشتہ شود:

صبح جب گلشن سے وہ گل رو گیا
باغ سے باہر نکل، گل رو گیا
ہے معطر اب تلک صحرا تمام
اس زمیں اوپر کوئی گل بو گیا
سو گیا، جس نے جگایا تھا مجھے
بخت میرا جاگ اٹھتا تا، سو گیا[2]

خسرو

حضرت[3] امیر خسرو، خسرو تخلص قدس سرہٗ و نور مرقدہٗ۔ مجمع کمالات و صاحب حالات۔ در دہلی فضایل او اظہر من الشمس است و احوال خیر مآل در کتب نثر و نظم و تذکرۂ فارسی و ہندی مرقوم۔ کجا طاقت و قدرت ایں ہیچ مداں را کہ بزرگی آں مقبول کونین بقید قلم آرد۔ اشعار ریختہ آں سرورِ شاعران بسیار است۔ یک قطعہ بجہت برکت ایں تالیف مرقوم می نماید۔ از دست:

---

[1] حکیم یونس کا ترجمہ حاشیے پر درج ہے۔

[2] ان اشعار کا ماخذ غالباً نکات الشعراء ہے

[3] نکات: ص ۲۴

زر گرِ سر چو ماہ پارا ! کچھ گڑھیے سنواریئے پکارا
نقدِ دلِ من گرفت و بشکست پھر کچھ نہ گڑھا نہ کچھ سنوارا

خاکسار

محمد یار خاکسار۔ در تذکرۂ میر تقی میر مرقوم است کہ شخصے[1] است خادم درگاہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ شعر ریختہ می گوید و خود را دور می کشد۔ سفلگی می کند بلکہ از تنک آبی بنائے ریختہ را بآب رسانیدہ چنانچہ علی الرغم ایں تذکرہ تذکرۂ نوشتہ است بنام معشوق چہل سالہ خود و احوال خود را اول زمرہ نگاشتہ و خطاب خود سید الشعرا پیش خود قرار دادہ۔ آتش سینہ کہ بے سبب افروختہ است چوں کباہم بو میدہد۔ ایں قسم پئے من ریسماں می تابد کہ گوئی پسر رسن تاب است محمد معشوق کنبوہ کہ مردیست نائب میر بحر بسیار گرم جوش دیار باش، چوں شنید کہ خاکسار کلو ہم نام دارد بداہتہً گفت:

کتا ہے دربار کا اور کلو اس کا نام

چوں کلو نام اکثر سگہا می گذارند لطف بہم رسانید۔ ہر کہ دم لا بہ او دیدہ است، می داند فخر او ہم بر ریختہ است طرفہ اینکہ آنہم نا مربوط و خود او ہم نا درست۔ اگر کسے تکلف شعر کند، گوید کہ وقتیکہ بیمار بودم آہ آہ من ایں رنگ داشت۔ سبحان اللہ مردماں ایں را شعر می نامند۔ بابا من شعر نمی گویم و با ایں برادران یوسف کہ ما شاعراں باشم۔ ربطے ندارم، معاف دارید۔ الغرض بسیار کم فرصت و بے تہ است۔ ایں چند شعرے کہ بنام او نوشتہ می آید از فیض سخن است، از دست:

---

[1] نکات، ص

دل شیفتہ ہو کے کیا کیا تیں
اے خانہ خراب کیا کیا تیں

تیری زلف سیہ سے اے پیارے
مجکو یکسر ہزار سودا ہے

خاکسار اسکی تو آنکھوں کے کبھی مت مگیو
مجکو ان خانہ خرابوں نے ہی بیمار کیا
بر متبع ایں پوشیدہ نیست کہ بجائے بیمار کیا، گرفتار کیا می بایست۔
تیغ قاتل سے ہوئے محروم بے تقصیر ہم
روز محشر کے اٹھیں گے گور سے دل گیر ہم
کیا ہے اس خاکسار کی تقصیر
یہ مگر تم کو پیار کرتا ہے

کیا ہے حاصل تجھے ناصح مجھے سمجھانے میں
آہ جیوں شمع ہے راحت مجھے مرجانے میں
خاکسار عاشق میخوار کو تقویٰ سے کیا
ابھی دیکھا تھا میں اس رند کو میخانے میں

قیامت بھی ہو گی تو تیری بلا سے
مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہے

روتے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی
اس خانماں خراب کو چنگا خدا کرے

خادم

خادم حسین خاں فرزند حاجی احمد علی صاحب قیامت تخلص۔ مرد یست صاحب تمکین و متصدی و خوش خلق واقعی است کہ شعر نمی گویند لیکن می فرمایند از دست

یار جا پہنچے اپنی منزل کو
ہم رہے باندھتے ہی محمل کو
دم کے لینے کی بھی نہ دی فرصت
آفریں ہے ہمارے قاتل کو

خوشنود

خوشنود است:

سب رین جاگے سیج پر تو بھی سجن آیا نہیں
چھپ چھپ کے دیکھی باٹ میں درسن کو دکھلایا نہیں

درد

درؔ معنی یابی فرد، خواجہ محمد میر دردؔ مدظلہ العالی۔ نور چشم حضرت خواجہ ناصر صاحب قدس سرہ۔ احوال خیر مآل آنحضرت در تذکرہ تقی میر و سید فتح علی تبریزی مفصل مرقوم است۔ قدرے ازاں نوشتہ می شود۔ از شعرا ممتاز زمانہ و در سخن گوئی یگانہ۔ پئے اغراق طبع بلندش رسا و فکر دل پسندش والا۔ رباعی فارسی بسیار فرمودہ و شرح

لہ و لہ گردیزی: ص ۵۲

نیز نوشتہ دیوان ریختہ ہم بدست دارد:

اکسیر پر مہوس اتنا نہ ناز کرنا!
ہے کیمیا سے بہتر دل کا گداز کرنا!

نالہ فریاد آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

کبھی خواہش بھی کیا ہے جی کسی رند شرابی کا
بھڑا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

قطعہ

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنسنے سے رو دیا ہوگا
دیکھیے غم سے اب کے جی میرا
نہ بچے گا، بچے گا کیسا ہوگا
قتل سے وہ جو میرے باز رہا
کسی بدخواہ نے کہا ہوگا
دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

فلک پر کون کہتا ہے گذر آہ سحر کرنا
جہاں جی چاہے واں جا پر کسو دل میں اثر کرنا

عاشق بیدل ترا یاں تک تو جی سے سیر تھا
زندگی کا اس کے جو دم تھا دم شمشیر تھا
کی تو تھی تاثیر آہ آتشیں نے اس کو بھی
جب تلک پہنچے ہی پہنچے راکھ کا اک ڈھیر تھا
حرص کرواتی ہے رو بہ بازیاں سب ورنہ یاں
اپنے اپنے بوریا پر جو گدا تھا شیر تھا
شیخ کعبہ ہو کے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو
درد منزل ایک تھی تک راہ کا ہی پھیر تھا

میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا
خفا ہو کے اے دردؔ مر تو چلا تو
کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہے گا

انداز وہ ہی سمجھے مرے دل کی آہ کا
زخمی جو کوئی ہوا ہو کسو کی نگاہ کا

جوں شمع روتے روتے ہی گذری تمام عمر
تو بھی تو درد داغ دل اپنا نہ دھو سکا

دل اس مژہ سے رکھیو نہ تو چشم راستی!
اے بے خبر برا ہے یہ فرقہ سپاہ کا
شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں
نے تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا
رات محفل میں ترے حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن
میں نے پوچھا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا
محتسب سنگ جفا سے ترے میخانے میں
کون سا دل تھا کہ شیشے کی طرح چور نہ تھا
باوجودیکہ پرو بال نہ تھے آدم کے
واں تو پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا
یار نے درد سے ملنے کا برا کیوں مانا
اس کو کچھ اور سوا دید کے منظور نہ تھا

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا — تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی — جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا
تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہے گا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا
گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر
میں نے تو در گذر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

تو ہی نہ اگر ملا کرے گا
عاشق پھر جی کے کیا کرے گا
اپنی آنکھوں میں اس کو دیکھوں
ایسا بھی کبھی خدا کرے گا

جلوہ تو ہر اک طرح کا ہر شان میں دیکھا
جو کچھ کہ سنا تجھ میں سو انسان میں دیکھا

کوہ کن سے نہ بول اے پرویز
اس کے تیشے کی بھی زباں ہے تیز
ساقی اب سب پکارتے ہیں گے
تیرے ہاتھوں ستی بریز بریز

مژگاں تر ہوں یا رگِ تاک بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہے دور آپ کو تیری فروتنی
افتادہ ہوں بہ سایہ قد کشیدہ ہوں

ہر شام مثلِ شام ہوں میں تیرہ روزگار
ہر صبح مثلِ صبح گریباں دریدہ ہوں

یہ چاہتی ہے اب تپشِ دل کہ بعد مرگ
کنجِ مزار میں بھی نہ میں آرمیدہ ہوں

اے دردؔ جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غم زدہ تو قطرۂ اشک چکیدہ ہوں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک دم میں یہ کثرت نمائیاں
گر آئینے کے سامنے ہم آ کے ہو کریں

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جا ابھی
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدانِ شہر
اے دردؔ آ کے بیعتِ دستِ سبو کریں

ان نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ہوں اپنی میں تب سے خبر کہیں

آجائے ایسے جینے سے اپنا تو جی بتنگ
جیتا رہے گا کب تلک اے خضر مر کہیں

مدت تلک جہاں میں ہنستے پھر آیئے
جی میں ہے خوب رو یے اب بیٹھیں گر کہیں

پھرتے تو ہو بنا کے سج اپنی جدھر تدھر
لگ جاوے دیکھیو نہ کسی کی نظر کہیں

قطعہ

پوچھا میں درد سے کہ بتا تو سہی مجھے
اے خانماں خراب ترے بھی ہے گھر کہیں؟

کہنے لگا مکان معین فقیر کا
لازم ہے کہ ایک ہی جاگہ ہو، ہر کہیں

درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست
تونے سنا نہیں ہے یہ مصرع مگر کہیں

ہردم بتاں کی صورت رکھتا ہے دل نظر میں
ہوتی ہے بت پرستی اب تو خدا کے گھر میں

اپنے بندوں پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو
پر نہ آجائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو

مست ہوں پیرِ مغاں کیا مجھ کو فرماتا ہے تو
پائے بوس خم کروں یا دست بوسی سبو
ٹال دینا اس کو نت ہر طرح جوں قبلہ نما
پھر مجھے ہر پھر کے آ رہنا اسی کے روبرو

کیا فرق داغ و گل میں اگر گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

ربط ہے نازِ بتاں کو تو مری جان کے ساتھ
جی ہے وابستہ مرا ان کی ہر اک آن کے ساتھ
اپنے ہاتھوں سے بھی ہیں زور کا دیوانہ ہوں
رات دن کشتی ہی رہتی ہے گریبان کے ساتھ
گر مسیحا نفسی ہے یہی مطرب تو خیر
جی ہی جاتے ہیں چلے تیری ہر اک تان کے ساتھ

ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے
تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے
دل نے تیرا ہی ڈھنگ سیکھا ہے
آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

جی کی جی میں رہی کچھ بات نہ ہونے پائی
ایک بھی ان سے ملاقات نہ ہونے پائی
دیدوادید ہوا درد سے میرے اس کے
پر جو میں چاہے تھا وہ بات نہ ہونے پائی

قطعہ

اٹھ چلے شیخ جو تم مجلس رنداں سے شتاب
ہم سے کچھ خوب مدارات نے ہونے پائی
جی میں منظور تھی جو آپ کی خدمت گاری
سو تو اے قبلۂ حاجات نہ ہونے پائی

فرصت زندگی بہت کم ہے
مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے
درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

غنیمت ہے دیدوادید یاراں
جہاں آنکھ مند گئی میں ہوں نہ تو ہے

طریق اپنے یہ اک دور جام چلتا ہے
دگرنہ جو ہے سو گردش میں ہے زمانے کی

آنکھوں کی راہ ہر دم اب خون ہی رواں ہے
جو کچھ ہے میرے دل میں منہ پر مرے عیاں ہے

اے گل نو رخت باندھ، اٹھاؤں میں آشیاں
گل چیں تجھے نہ دیکھ سکے، باغباں مجھے

مت موت کی تمنا اے درد ہر گھڑی کر
دنیا کو دیکھ تو بھی تو تو ابھی جواں ہے
آہوں کی کشمکش میں لیکن دیکھو نہ ٹوٹے
تار نفس سے اے دل وابستہ میری جاں ہے

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے
جوں صدا نکلا ہی چاہے خانہ زنجیر سے

درد اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
جو سانس ہی نہ لے سکے تو آہ کیا کرے
فرسودگی ہے رشتہ تسبیح کا حصول!
دل میں کسو کے آہ کوئی راہ کیا کرے
دل دے چکا ہوں اس بت کافر کے ہاتھ میں
اب میرے حق میں دیکھیے اللہ کیا کرے

دل دیے سے ستم گار سے اظہار محبت
ایسا کہیں پھر دیکھ لو زنہار نہ ہووے
گر زندگی اس طور سے اے درد جہاں ہیں
خاطر ہیں کسو شخص کے تو بار نہ ہووے

دیکھ لوں گا میں اسے دیکھیے مرتے مرتے
یا نکل جائے گا جی نالہ ہی کرتے کرتے
درد جوں نقش قدم تھا سر رہ پر اس کے
مٹ گیا اوروں کے ہی پاؤں کے دھرتے دھرتے

وحدت نے ہر طرف ترے جلوے دکھا دیے
پردے تعینات کے جو تھے اٹھا دیے
یارب یہ کیا خرام ہے جس کے اک آن میں
کتنے ہی مردے حشر کے آگے جلا دیے
سیلاب اشک گرم نے اعضا مرے تمام
اے درد کچھ بہا دیے اور کچھ جلا دیے

اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے
فارغ ہو بیٹھ فکر سے دونوں جہان کے
خطرہ جو ہے سو آئینہ دل پہ زنگ ہے

دل سمت سینہ یا طرف سر کو رد کرے
پھوڑا یہ درد دیکھئے کیدھر کو منہ کرے

نہ ملیے یار سے گو دل کو کب آرام ہوتا ہے
وگر ملیے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے

ہر چند کہ سنگ دل ہے شیریں
لیکن فرہاد کوہ کن ہے

غم سے پہچانتا نہیں ہوں میں
کہ مرا سر ہے یا کہ زانو ہے

دونوں جگہ میں معنی مولا ہے جلوہ گر
غافل ایاز کون ہے محمود کون ہے

یہی پیغام درد کا کہنا
گر کوئی کوئے یار میں گذرے
کون سی رات آن ملیے گا
دن بہت انتظار میں گذرے

جان تو ایک جہان رکھتا ہے !
کوئی میری سی جان رکھتا ہے !

کیا کام مجھے خوف و رجا سے کہ مرے پاس
ہے جان سو بے جان ہے دل ہے سو غنی ہے

قسم ہے حضرت دل ہی کے آستانے کی
ہوس ہو دل میں جو دیر و حرم میں جانے کی

دِل

نواب عماد الملک، نبیرہ نواب نظام الملک، دل تخلص۔ مردیست حافظ وقاری و عابد و زاہد و فاضل و تیر انداز و شہسوار و زبان داں۔ غرض انچہ وزیر را می باید ہمہ چیز می داند۔ گاہے ریختہ می فرمایند اما در وفا مزاج بادشاہانہ دارد۔

از دست:

زلف کا کھولنا بہانا تھا
مدعا ہم سے منہ چھپانا تھا

کب تلک سوچوں کہ گفتار کروں یا نہ کروں
تجھ سے آخر سخن اے یار کروں یا نہ کروں
مائل شوق دل اور یار ابھی سوتا ہے
جی دھڑکتا ہے کہ بیدار کروں یا نہ کروں

میرے ہوتے غیر کی چاہ
کیوں پیارے سبحان اللہ

نے رونق گلشن ہیں نہ زینت کسی سر کے
مثل گل بازی نہ ادھر کے نہ ادھر کے

داوٗد

مرزا داوٗد۔ از تربیت یافتگانِ عزلت است۔ داوٗد تخلص می فرماید۔ از دست:[1]

زلفِ دلبر سے مجکو سودا ہے!
خلق کہتی ہے تجکو سودا ہے!

درد

کرم اللہ خاں درد۔ ہمشیرزادہ امیر خاں انجام۔ سخنش خالی از چاشنی، درد نیست، از دست:

سامنے ہوتے ہی پھر غش نہ پائی دل کی
بٹ گیا نوک سناں پر صف مژگاں کے بیچ

دانا

فضل علی دانا۔ مرد یست نوکری پیشہ، وارستہ، لطیفہ گو، شاگرد میاں مضمون تلاش لفظ تازہ می کند۔ اصل او از شاہجہاں آباد است۔ تقی میر او را در تذکرہ چرس ہولی نوشتہ است موجب گفتہ مرزا رفیع سودا۔ از دست:

بہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا
یہی توحید میں مصرع سر دیوان ہے میرا

---

[1] گردیزی: ص ۶۰

دل میں ہر ایک کے سودا ہے خریداری کا
یوسف مصر مگر تو ہی ہے اے یار عزیز

نہ چاٹے خون کو جس روز میرے اوسکو فاقہ ہے
رگِ گردن سے میری اوس کے خنجر کا علاقہ ہے

دردمند

محمد فقیہ دردمند منظورِ نظر حضرت مرزا مدظلہ العالی بودہ، چنانچہ در حق ایشاں فرمودہ:

غافل مباش مظہر از احوال دردمند
علیست آنکہ درکرہ روزگار نیست

ہمراہ دیوان غلام حسن خاں سلمہ اللہ تعالیٰ فرزند نواب اعظم خاں غفرلہ بہ عظیم آباد تشریف آوردہ و بخدمت میر محمد وحید صاحب ہیئت خواندہ و چند مدت اوقات بسر بردہ۔ بعد تعزیر خدمت دیوانی خان موصوف در شاہ جہاں آباد تشریف بردہ۔ چند روز در آں جا استقامت نمودہ، باز ہمراہ خان مذکور بخدمت سسرا و لی خزانہ تشریف آوردہ و در مرشد آباد معہ قبائل مسکن اختیار فرمودہ۔ ساقی نامہ ایشاں قبل تشریف آوردن ایشاں دریں شہر رواج یافتہ و دیوانِ فارسی ہنوز رواج نیافتہ بود کہ ازیں عالم فانی رخت بعالم جاودانی بست۔
در تذکرۂ تقی میر و فتح علی تبریزی احوال و اشعار ایشاں مرقوم است۔ قدرے ازاں نوشتہ می شود۔ حق سبحانہ تعالیٰ مغفرت نماید۔ خوب کسے بود۔ از دست:

ہے غم سے رقیبوں کے مرا دل ناشاد
اس کھڑکے سے جاتے ہیں سبھی عیش بباد
پرویز کے شیشۂ خانہ عشرت پر
سنگ آیا لیک سخت آیا فرہاد

کہسار میں جا گرا ہے ناحق کے تئیں
پرویز سے آ بھڑا ہے ناحق کے تئیں
کوئی ٹکر پہاڑ سے لیتا ہے
فرہاد کا سر پھرا ہے ناحق کے تئیں

ابیات ساقی نامہ از تقی میر ارقام یافتہ:

کرے کیوں نہ مشکل دو عالم کی حل
کہ جس کا ید اللہ ہے ہاتھ بل
کوئی آج اس کے برابر نہیں
وہ سب کچھ ہے الا پیمبر نہیں

در صفت محمد علی خاں گوید:

پڑی اس کی خوبی کی از بسکہ دھوم
لیا ہاتھ قدرت کا صانع نے چوم

در شروع ساقی نامہ گوید:

ارے ساقی اے جان فصل بہار
یہی تھا ہمارا و تیرا اقرار

ہمارے بسرنے کی یہ فصل تھی
فراموش کرنے کی یہ فصل تھی
تری جان کے سوں غنیمت ہوں میں
سلیقوں میں ظالم قیامت ہوں میں
مرا عقل میں کون انباز ہے
ارسطو مرا اک دوا ساز ہے
فلک چرخ مارے اگر صد ہزار
نہ لادے گا مجھ سا کوئی روبکار

در تعریف چمن:

نظر تو کر دک ٹک چمن کی طرف
شگوفے کو آیا ہے مستی سے کف
چمن میں بھرا ہے نشہ یاں تلک
کہ نرگس کی جاتی ہے گردن ڈھلک

رباعی

ازبسکہ حیات دوست ہے دو مایہ ناز
اس طرح یہ ہے اس کے سخن کا پرواز
خامے کی زباں سے جوں نکلتے ہیں حرف
اور کان تلک نہیں پہنچتی آواز!

دل

شاعر کامل، میاں محمد عابد دل، مردیست مزاج گرفتہ و شوخ طبع و متصدی

وسپاہی۔ چنانچہ در جنگ شاہ عالم بادشاہ ہمراہ راجہ رام نارایں صوبہ دار عظیم آباد بودہ وزخمی شدہ۔ در میدان افتادہ میاں محمد روشن ہمراہ بودند، آخر بخانہ خود آمدہ۔ ہر چند تدبیر آں نمودہ لکن یک دست ویک چشم از کار رفتہ و دست دیگر ہم مجروح است۔ در فن شعر در شہر نظیرے ندارد مگر میاں محمد روشن برادر خود۔ از دست:

ہوئی جب دل میں اپنے گرمی آہ و فغاں پیدا
برنگ شمع ہر مو سے لگی ہونے زباں پیدا

جنوں ملا ہے گریباں کو دست کا زنیا
نت اٹھ کے ٹوٹ رہے ہیں دو چار تار زنیا
ہمارے دل کے لیے گانٹھ دی ہے زلفوں میں
لگا ہے ہاتھ مگر اُس کے یہ بگار زنیا

دفینہ اُگلا تھا جی میں اپنے ناخن غم نے
جگر کا دی سے آخر کو ہوا داغِ نہاں پیدا

میں نے جانا کہ ستارہ کوئی ٹوٹا جو عرق
ڈھل کے چہرے سے ترے تا بہ زنخداں آیا
دل تجھے کیا کوئی غارت گر ایمان نہ ملا
کہ گلی میں سے بتوں کی تو مسلماں آیا

تری تیغ مژہ بے سنگ سرمہ رہ نہیں سکتی
ہماری جان کا پیارے بلا کو تو ہوا پیدا!

گر یار نے آنے کا وعدہ نہ کیا ہوتا
اب تک دل مضطر نے کیا کیا نہ کیا ہوتا
دنیا میں خوشی کی دل کیا قدر سمجھتے ہم
خالق نے اگر غم کو پیدا نہ کیا ہوتا

آج کا تھا میرے اس کے درمیان پیغام صلح
غیر کی سرگوشیوں نے پھر اسے برہم کیا

مبارک تجھ کو نور حسن ہم اس جی سے درگذرے
کرے گا یاد کیا تو بھی کہ ہم پر کوئی مرتا تھا

ہم سا دارستہ ہو جو منت کش
وے زمانہ کمینہ پرور کیا
بے قراری بھری ہے دل میں مرے
صبر تو یاں کرے گا آکر کیا

زلفوں سے اور دل سے کب تک نہ ساز ہوتا
گر اپنی زندگی کا رشتہ دراز ہوتا

عاشق تو اک طرف ہے کہتا خدا اک عالم
بندہ نواز گر تو بندہ نواز ہوتا

خط نے آکر بادشاہ خوب رویاں کر دیا
رفتہ رفتہ مور نے تجھ کو سلیماں کر دیا

کوئی دیکھ سکتا ہے کا فرزمانہ
مری جبہ سائی ترا آستانہ
عدم سے نہ آئے تھے خواہی نخواہی
ہمیں کھینچ لایا ادھر آب ودانہ

مانند غافلوں کے ہرگز نہ سوئیے گا
آنکھوں میں تیری غفلت کانٹے چبھوئیے گا
یہ بحر بے خودی کا ٹک موج زن ہووے
ہستی بے بقا کو پل میں ڈبوئیے گا

دیکھتے تھے بام کو خاشاک کوچے کا ترے
رشک کے مارے ہماری آنکھ میں ادر گر پڑا
کر چکی ہے سرخ سیل اشک داماں بلہا
پھاڑ ڈالا ہے جنوں نے یہ گریباں بارہا

ذکر کیا دل میں مرے دشمنی و کینے کا!
عکس سے کس کے مکدر ہو دل آئینے کا!

خواب میں رات خیال رخ دلدار کیا
منہ پر آنسو کو ہر اک چشم نے بیدار کیا

ہم نے ایک تری زلف کو نہیں چھیڑا
جو ہاتھ کاٹے پیارے تو پہلے شانے کا
دل و جگر تو ہدف بن ہوئے نہیں رہتے
مزا پڑا ہے تیرے تیر نگہ کے کھانے کا

چھینٹ مت دنیا میں تخم معصیت
کانٹے اپنے واسطے بوتا ہے کیا
داغ دل تو ہوگیا جزوِ بدن
دیدۂ تر تو اسے دھوتا ہے کیا

اب تک میں عبث اور جگہ ڈھونڈ رہا تھا
پردے میں اسی دل کے مرا یار چھپا تھا

وہ دن مجھے اللہ ہی دکھا دے تو میں دیکھوں
شیشہ ہو مرے ہاتھ میں اور جام مرے ہات

گو کارزدا ہے تو اک عالم کا مجھے کہیا
تب جانوں جو کچھ نکلے مرا کام ترے ہات

لذت ہے بعد مرگ کے جو کچھ کفن کے بیچ!
صاحب دلوں کو ہے وہ مزا پیرہن کے بیچ!

سینے میں مضطرب ہے چراغِ سحر کی طرح
بے طرح دیکھتا ہوں میں داغِ جگر کی طرح

مل کے ہاتھوں میں ترے اپنے لہو کو ظالم
خون ثابت ہے کیا تجھ پہ حنا نے آخر

فتح کا ناقوس بجوایا فغاں و آہ سے
ان بتاں نے کعبۂ دل کو ہمارے لوٹ کر

مرتا ہے ابر اس مژۂ اشک بار پر
کھاتی ہے شمع گل جگر داغ دار پر
کھٹکے ہے، یہ بھی آنکھوں میں صیاد کی ہنوز
باقی جو رہ گئے ہیں مرے یہ دو چار پر
دامان مجھ فقیر کے آنسو نے بھر دیے
قاروں ہو دست رد گہر آبدار پر

واہ فنا جہاں میں سدا پیش پا ہے دل
نازاں نہ رہ تو زندگی مستعار پر

روز اٹھ کے دیکھتا ہوں تجھے میں اثر سے درد
اے آہ سرد، ہو بھی کبھی اس جگر سے دور
کس کام کا اگرچہ کھلا ہے درِ قفس
پرواز تو پھرے ہے مرے بال و پر سے دور

کہہ نہ یوسف کو تو اس ماہ لقا سے بہتر
کوئی بندے کو بھی کہتا ہے خدا سے بہتر

دیکھتا ہوں غضب آلودہ بدستور ہنوز
ہے مگر قتل مرا یار کو منظور ہنوز

تو جو کہتا ہے عشق سے آ باز!
کون عاشق ہے اے غریب نواز
نہ مروں اس پہ کس طرح جس کے
ہر ادا میں ادا ہے ناز میں ناز!

گرم جوشی و تپاک اور ترا بسیار غلط
دل سے تو چاہتا ہوں مجھ کو مرے یار غلط

خوب سمجھوں ہوں کہ تو مجھ سے نہیں ملنے کا
جتنے وعدے ہیں ترے جھوٹے اور اقرار غلط

یاں تلک عشق نے کی خانہ خرابی آخر
بیٹھنے کو رہا نہ سایہ دیوار دریغ

کیا کیا خیال آتے ہیں فریاد کی طرف
جب دیکھتا ہوں اس دل ناشاد کی طرف

نہیں دبتی ہیں آنکھیں اپنی خورشید قیامت سے
کہ سایہ میں مری پرواز کے ہے محشر عاشق

ہے رسائی مرے ہونٹوں کو لب جام تلک
شام سے صبح تلک صبح سے لے شام تلک
دیکھ لیتے ہیں ترے آج کے بھی وعدے کو
زندگی اپنی وفا کرتی ہے گر شام تلک

کیا خوش آئے ہیں جگر کو مرے تروار کے زخم
مول لیتا ہے نمک مرہم زنگار کے مول

حضور یار کی جز آہ گفتگو معلوم
ابھی تو اتنا بھی کہتا ہوں روبرو معلوم

کیا نمک رکھتا ہے ناصح کا سخن
تازہ تر ہوتے چلے داغِ کہن

شکر نعمت بجز افزونی نعمت نہ کروں
ایک بوسے پہ ترے لب کی قناعت نہ کروں

کیا پنبۂ داغ نے کارِ ناخن
نظر آئی بہبود اپنی دوا میں

دیکھا جو مرے دل کو یہ بات کہی غم نے
کس طرح سے رہیے گا اس خانۂ ویراں میں

رچا ہے اس قدر اب انتظار آنکھوں میں
لگے ہے آنکھ تو پھرتا ہے یار آنکھوں میں

اسیر دام آفت ہو نہ اس کے بام پر جا کر
الٰہی جو کچھ ہونی ہو کبوتر پر سو ہم پر ہو!

ڈروں کس واسطے میں آفتاب روز محشر سے
مرے بھائیں قیامت آچکی دیکھا جبھی اس کو

وحشت زدہ دل نے جو گریبان کو پھاڑا
اک تار کسی کو دیا اک تار کسی کو

اے نامہ بر کہاں تھا اب تک تو آرمیدہ
آیا ہے بعد مدت کے نامہ وزیدہ

دل بھرے ہے اشک سے تو آستیں کیا فائدہ
کچھ اثر رونے میں ہو تو رو نہیں کیا فائدہ

تری تیغ سے ہم نہ ڈر جائیں گے
نہ کچھ چل سکے گا تو مر جائیں گے

قیامت ہے ظالم ترا بار بار
یہ گھبرا کے کہنا کہ گھر جائیں گے

نہ کر اے دم سرد افشائے راز
کہ ہم جی سے اس کے اتر جائیں گے

مسکن و ماوا اپنے دو شوں کو کیا درکار ہے
جس جگہ لگ جائے جی اپنا وہی گھر بار ہے

اے دود آہ کہیو اس ابر بہار سے
تو ہو سیاہ مست مروں میں خمار سے

دل جو ملتے نہیں کسی سے ہم
لوگ کہتے ہیں کیمیا گر ہے

ہر چند یہ معاملہ اتنا نہیں ولے
دل لے کے پھر نہ دے تو نیرا کیا کرے کوئی

وہ اپنی جفا کاری اور ناز و ادا جانے
جو ہم پہ گزرتی ہے سو اس کی بلا جانے

کبھی بوسہ بھی دیں گے شیریں لب
یا مجھے باتوں ہی میں ٹالیں گے
کیا ہوا میری اس کی بگڑی دل
زندگی ہے تو پھر منا لیں گے

اٹھایا ہاتھ ہم نے دل سے ڈھائے جس کا دل چاہے
اب اس کعبے کو بت خانہ بنائے جس کا دل چاہے
برابر ہے گدا اور شاہ مجھ درویش کے آگے
کروں تعظیم یکساں سب کی آئے جس کا جی چاہے

وہ کافر ہماری شب تار ہے
جسے دیکھنا صبح کا عار ہے

زلفوں کو منہ پہ چھوڑے بند قبا کو کھولے
بد مست تجھ کو دیکھوں مدت سے آرزو ہے

دوست

بندہ اللہ الصمد سید غلام احمد، دوست تخلص، ساکن موضع بلیٹھو پرگنہ سنوت سرکار صوبہ بہار۔ مرد سپاہی پیشہ، با فقیر مربوط است، باعث موزدنی طبع گاہ گاہ فکر شعری نماید۔ از دوست:

عشق میں راحت نہیں ہے درد و غم آزار سو
دیکھنے ہی دیکھنے میں مر گئے بیمار سو

ہے ترے ہی نام کی سمرن مرے دل میں مدام
گو کہ ظاہر میں کریں اور دں سے ہم گفتار سو

جانتے تھے ہم کہ راہِ عشق بے پایان ہے
پر ہمیں ترغیب دے لائی ہوس اے یار سو

دوست کو بھاتا ہے کب اے جان گل گشت چمن
تو نہ ہو گر ہوں بجائے گل پری رخسار سو

کریں کیوں کر کے باتیں دوست اس سے بے حجابانہ
کہ جس کو آئینے میں دیکھ اپنا منہ حجاب آوے

مری چھاتی کے زخموں پر نہ دے اے چشم تر پانی
کہ مرہم جس پہ ہو در کار اس پر ہے ضرر پانی

اگر شعر چیزی بود مصرع ثانی باین طور می گفت: "کہ مرہم جس کو ہو درکار اس

ہوا ہے جب سے خالی لخت دل سے یہ میرا سینہ
بہے ہے ساتھ سیل اشک کے ہو کر جگر پانی
تو کیا پوچھے ہے ناصح بات میرے دل کی سوزش کی
یہ وہ آتش ہے جس کو دیکھ کرتا ہے حذر پانی
جو دریا میں گرا عاشق کا آنسو سو ہوا موتی
وگرنہ اس تجلی کا رکھے ہے کب اثر پانی
خدا حافظ ترا اے دوست تو اس طرح روتا ہے
کہ ہوتا ہے جگر فولاد کا بھی دیکھ کر پانی

از فضلِ الٰہی ہمہ شعر خوب است۔ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ خوب نیز خواہند گفت حق تعالیٰ سلامت دارد۔

دیوانہ

منشی گربخش رائے، دیوانہ تخلص۔ با فقیر ملاقات ندارد۔ ودر تذکرہ ہم احوالِ او مرقوم نیست۔ می گویند کہ متوطن دہلی است بزبانی میر محمد رضا معلوم شدہ۔ از دست:

درد ہے ہمراہ جدھر جائیے
آہ بتاؤ تو کدھر جائیے

لہ یہ شعر حاشیے پر درج ہے۔

دستار سرخ باندھ کے نکلا نہ کیجئے
آتش جگر جلووں کی دوبالا نہ کیجئے

ذہین

میر محمد مستعد، ذہین تخلص۔ از ندوستاں سید فتح علی تبریزی بود۔ در عین شباب جوانی بساط از عالم حادث چید دیجہاں قدیم مائل گردید۔ از دست:[1]

جنوں کی ان کے ناصح کچھ نہیں تدبیر کر سکتا
چھٹے پھرتے نہ دیوانے جو وہ زنجیر کر سکتا
کروں میں کیوں کے اس کے روبرو شکوہ جفاؤں کا
حیا آتی ہے مجھ کو، میں نہیں تقریر کر سکتا

باتیں ہماری راست انھوں نے نہ جانیاں
کیا کیا بتاں کے جی میں بھی ہیں بدگمانیاں
تھے دل دغا کی راہ سے وہ لطف وہ کرم
کیدھر گئیں بتاں کی وہ اب مہربانیاں

ذاکر

مرزا فضل علی بیگ، ذاکر تخلص۔ مرد لیست زود فکر۔ والد بزرگ ایشاں ولایت زا بود۔ از عمدگان کابل، قوم قزلباش۔ کتاب دہ مجلس و شاہ نامہ و حملہ حیدری و واقعہ و خطبہ خوب می خواند و خط شکست وغیرہ خوب می نویسد۔ وجودت طبع

---

[1] گردیزی: ص ۶۴

بہ حدے دارد کہ بہ تحریر نمی آید۔ مرد بیست یار باش و خوش اختلاط و از توجہ میر محمد علی صاحب خویش میر حبیب اللہ مرحوم با احقر ملاقات شدہ۔ ہمراہ مہدی علی خاں صاحب تشریف در عظیم آباد آوردہ بودند۔ در وقت صوبیداری مہاراجہ کلیان سنگھ بہادر بہ طرف مغرب روانہ شدند۔ اکثر شعر فارسی می گویند و گاہے شعر ریختہ از وست:

آئینہ بکتا ہو جس شہر میں خاشاک کے مول
غم نہیں گر دلِ حیران بکے خاک کے مول

ذوق

منشی آسارام، ذوق تخلص، ساکن عظیم آباد۔ رفیقِ میر اشرف مرحوم شاگرد میاں فدوی۔ از وست:

وہ نظر مجھ کو جب نہیں آتا
کچھ نظر مجھ کو تب نہیں آتا

دل جانتا ہے تیرے ہوا خواہ کا اسے
شعلے کی طرح رات جو کچھ اضطراب تھا

ذوق کے مرنے کا افسوس نہیں کچھ اس کو
غم کہاں شمع کے دل میں کسی پروانے کا

دردِ دل کہنے نہ پائے آج بھی!
بیٹھتے ہی یار تو روتا ہے کیا!

آشنائی دکا، حق یہی تھا کیا
مرگیا ذوق یار جب آیا

اے عندلیب سچ کہہ کس کا ہے آج پیالہ
لالا کرے ہے اکٹھا افیون د پوست لالہ

ان دنوں ملتا نہیں اپنا حبیب
کیا کریں اس کا گلہ اپنے نصیب

کچھ رحم کر ستم اس جانِ ناتواں پر
روتا ہے ترا عاشق بے اختیار ہر شب

معلوم نہیں کہاں تھا مرا آفتاب رات
شعلے کی طرح مجھ پہ رہا اضطراب رات

ہرگز کیا نہ یاد مجھے ان نے ایک دن
ہے ہے دلِ حزیں نہ ہوا شاد ایک دن

رسوا

رسوا۔ شخصے بود ہندو حالا قید مذہب نداشت۔ پیش ازیں در توپ خانہ نوکرے بود۔ ازچندے ترک روزگار گرفتہ آوارہ دشت گمراہی شدہ وضع ساختہ

داشت اکثر کردراشنائے راہ دیدہ شدہ است مست گزارہ یافتہ ام ـ بیشتر عاشق طفل ہندوے بود ـ او از قضا مُرد ـ عاشقی او بہ ہوس مبدل گشت ـ ازبس کہ شراب می خورد و حالات مستی خود بہ مردماں می نمود ـ دراں پردہ عالمے را بآب می راند و بسر می برد دومانی رالباس خود مقرر کردہ می گشت ـ آخر درہماں برہنگی جامہ گزاشت، در تذکرہ تقی میر مرقوم است[1] ـ ازوست :

ہر گلی میں گر پڑیں ہیں مست ہو دیوار و در
ابر رحمت برستا ہے یا برستی ہے شراب

آرام تو کہاں کہ ٹک ایک سو کے چپ رہیں
آنسو بھی نہیں رہیں کہ بھلا رو کے چپ رہیں

قفس سے دن گئے ہم اور چمن میں جائے نہیں
اڑیں تو پر نہیں رکھتے چلیں تو پائے نہیں

وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو
اس دیوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائے

رضا

میر محمد رضا' عرف میر محمدی' المتخلص بہ رضا، شاگرد میر ضیا، ولد میر جمال الدین حسین' جمالی تخلص ـ شاعر فارسی ـ ابن نور اللہ خان مغفور بن قاضی نور اللہ شوستری

---

[1] نکات : ص ۱۱۲

مولف احقاق الحق و مجالس المومنین، ساکن عظیم آباد۔ در مجلس مشاعرہ تشریف می آوردند حق تعالیٰ سلامت دارد۔ از دست:

چشم نے رونے سے میرا راز افشا کر دیا
دیدۂ دانستہ ہم چشموں میں رسوا کر دیا

کیا کہوں اب اے حجاب اور کیا کہوں اے اضطراب
وہ ہوا خانہ نشیں اور میں ہوا خانہ خراب

سنتے ہو تم تو دل سے میاں ہر کسی کی بات
گر حکم ہو تو ہم بھی کہیں اپنے دل کی بات
تجھ بن رضا کے مرنے کا کچھ غم نہیں یہ ہائے
جی ہی میں اس کے رہ گئی افسوس جی کی بات

اتنا ہی کہنا مجھے بس ہے کہ عاشق تھا رضا
قتل کو میرے بہانا ڈھونڈنا قاتل عبث

بے پردہ ہو جو وہ رخ حیرت فزائے صبح
خجلت سے حشر کو بھی نہ پھر منہ دکھائے صبح

بجھ گیا دل غم سے اور خو اس کی آتش ہے ہنوز
جل گیا ہے گھاس اور وہ شعلہ سرکش ہے ہنوز

لالہ کو اک داغ تازہ اور ہو!
دل کا اپنا گر رضا دکھلائے داغ

دل میں اب خون نظر آتا ہے نہ نم چشموں میں
آبرو کیونکہ رہے گی مری ہمچشموں میں

ہم سے اگر ملول ہو غیر سے شادماں رہو
اپنی بھی ہے خوشی یہی خوش رہو تم جہاں رہو

تیر بتاں کو کھا کر کہتا ہوں اے رضا میں
شکر اس خدا کو جس نے نعمت دی مجھ گدا کو

کیا کہیے اب اے یاراں اس عشق کی رسوائی
جس کے لیے سودا ہو سو ہی کہے سودائی

آنکھوں میں کس کی زلف سیہ فام چھا گئی
چاروں طرف جو دیکھوں ہوں اب شام چھا گئی

دیکھا جو تجھ کو ہم نے عالم کا دید بھولے
دل بیچا اک نگہ پر ساری خرید بھولے

قاصد وہ ہے جھپٹا دل لے کے مکر نہ جاوے
ایسا نہ ہو تو اس کو دے کر رسید جو لے

نام علی ہے میرے مرنے تلک زباں پر
اسم اپنے پیر کا کب دل سے مرید جو ہے

نالہ کب اپنی جان سے اٹھتا ہے
تب دھواں آسماں سے اٹھتا ہے

دل کرا ہے ہے یا جگر اب ہائے
درد ایسا کہاں سے اٹھتا ہے

شمع ساں سوز کیا کہیں اپنا
شعلہ اپنی زباں سے اٹھتا ہے

کس کے دل کا غبار حسرت ہے
نت جو یہ کارواں سے اٹھتا ہے

گل خبر لے شتاب بلبل کی
پھر دھواں آشیاں سے اٹھتا ہے

تو خفا ہو کے بزم سے مت جا
اب رضا ہی یہاں سے اٹھتا ہے

رضا خدا کرے تیری زباں درد کرے
کہ حال سنتے ترا اپنا کاں درد کرے

بہر حال مرد یست منصف مزاج۔ حق تعالیٰ سلامت دارد۔ چوں نباشد

کہ شاگرد میر ضیاء الدین صاحب است، سلمہ اللہ تعالیٰ۔

راقم

بندراین، راقم تخلص۔ از شاہجہان آباد است۔ مشق شعر از مرزا رفیع سودا می کند۔ قبل ازیں مشورت شعر با تقی میر می کرد۔[1] از دست:

یاں تک قبول خاطر کیجے تری جفا کو
تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

دل کنج قفس میں کر فریاد بہت رویا
ہنسنے کے تئیں گل کے کر یاد بہت رویا

میرے اعضا میں تجھ کمر سے میاں
فرق ہرگز نہیں سر مو کا

ابر سے چشم گریاں کم نہیں
موجِ دریا ہے شکنج آستیں

قطعہ

مژگاں سے دل بچے تو ٹکڑے کریں ہیں ابرو
یہ دیکھ کے میں نیں اس سے دل جب دل کی داد چاہی
کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہو وے خالی!
تروار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی

[1] نکات: ص ۱۳۸

قطعہ

اے باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھ غرض
مجھ کو قسم ہے توڑوں اگر برگ و بر کہیں
اتنا ہی چاہتا ہوں کہ میں اور عندلیب
آپس میں دردِ دل کہیں ٹک بیٹھ کر کہیں

کس کی گلی کے قطرۂ خوں ہیں تہہ زمیں !
جوں تکمہ آ گئے ہیں گل اور نگ اب تلک

پہنچا نہ آہ درد کو میرے کوئی طبیب
یارب عجب طرح کا کچھ آزار ہے مجھے

دیکھا نہ ہو جسے میں کوئی سر زمیں نہیں
جو تخم دل ہو سبز جہاں سو کہیں نہیں

سنتے تھے ہم جہاں میں اہل کرم کا ہاتھ !
آیا جو دید میں تو کم از آستیں نہیں

مری بد شرابیوں سے کریں توبہ مے گساراں
زہے وہ عمل کہ ہووے سبب نجات یاراں

سنا کن نے حال میرا کہ جوں ابر وہ نہ رو دیا
رکھے ہے مگر یہ قصہ اثر دعائے یاراں

نہ بچوں ہوں ہیں اس پاس یہ دل نیم نگہ کو
اس پر بھی ستم ہے جو خریدار نہ ہووے

اے عشق مجھے کوئی طرح مار
تا دریار کہے کہ ہائے عاشق

کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں
کہنے کو ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں
کہتا تھا کون یہ کہ خوشی ہے جہاں کے بیچ
اس بات کا تو یاں کہیں مذکور ہی نہیں

سنتے ہیں ہم کہ ہوتی ہے جگ میں دوام صبح
ہوگی کبھی اے چرخ ہماری بھی شام صبح

معصیت میری بہت ہے کہ تری بخشش بیش
اپنی رحمت پہ نظر کر مرے عصیاں کو نہ دیکھ

صیاد کب تو چھوڑے گا مجھ کو قفس سے آہ
کھٹکے ہے میرے دل میں بہت خار خار باغ

رونے میں اس قدر تو جگر اے جگر نہ کر
دیکھا نہ تونے کچھ کہ دل دریدہ کیا ہوئے

نامے کا میرے اس سے لیکر جواب پھرنا
پر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا
اک وہ بھی دن تھے یارب جو تھا ہمیں میسر
گلشن میں ساتھ اس کے پیتے شراب پھرنا

کہے کیا دردِ دل بلبل گلوں سے
اڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر
جو چاہے گوہرِ مقصود اے دل!
صدف کی طرح تو پاسِ نفس کر

رند

مہربانِ دلی، میر حمزہ علی، رند تخلص، صاحبِ دیوان ریختہ، ساکن شاہجہان آباد۔ از چند سال در مرشد آباد استقامت داشت۔ در صوبہ داری میر محمد قاسم خاں بہادر عالی جاہ بہ قصبہ منگیر در چھاؤنی ہیبت قلی خاں حسرت باینده ملاقات شدہ و رفتہ رفتہ دل فرماں بردارِ دوستی ایشاں گردیدہ۔ از فضلِ الٰہی تا حال دوستی قائم است چنانچہ در محفل مشاعرہ تشریف می آوردند۔ الحال ترک لباس نمودہ سر برہنہ و پا برہنہ در شہر می مانند و اکثر گریاں می باشند و شعر نمی گویند۔ از دست:۔

صحبت نے بے وفا کی کہوں کیا کہ کیا کیا
ایسا کیا اثر کہ مجھے اپنا سا کیا

رہوں بیٹھے کا میں بیٹھے ہی جی میرا نکل جاوے
ارادہ گر کرے مجلس ستی وہ فوراً اٹھنے کا

قطرہ گرا جو منہ میں سے خوش گوار کا
دشنام آیا یاد مجھے اپنے یار کا
یارب یہ بجلی [کوندتی ہے] آسمان پر
یا دل تڑپتا ہے گا کسی بے قرار کا

سینے سے داغِ عشق مٹایا نہ جائے گا
ہم سے تو یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا
تنہا وہ شوخ راتوں کو آوے گا تو سہی
پر ہم سے گھر میں چاند چھپایا نہ جائے گا

اپنے تیں کیوں نہ دوں نسبت میں ترے ساتھ کہ ہے
زلف آشفتہ تری، حال پریشاں میرا

کہا پروانے نے یہ جلتے وقت
پر ہی میرے مرا کفن ہے گا

سر ہے عریاں و پیرہن ہے چاک
رند یہ کیسا دیوان پن ہے گا

داغ دل رشک گلستاں نہ ہوا تھا سو ہوا
تجھ سے اے سینہ سوزاں نہ ہوا تھا سو ہوا

ہم نے کیا ہے رند یہ مشرب اب اختیار
سہنا جفا و روئے جفا کار دیکھنا

مجھ کر دل مرا سنگ جفا سے چور کرتا ہے
کہیں ٹکڑا جو اس کے تئیں نظر آتا ہے شیشے کا

توڑ مت شیشۂ دل مجھ سے خراباتی کا
اے فلک چھوڑ یہ اطوار تو بد ذاتی کا
چشم جانے ہے جو گرمی ہے مری مژگاں میں
مژہ و چشم میں ہے ربط دیا باتی کا
دل مرا مے سے بھرے کس طرح اے پیر مغاں
دیکھنے والا ہوں میں تجھ سے خراباتی کا

بے تاب و بے قرار یہ دل اسقدر ہوا
نامہ ہوا، پیام ہوا، نامہ بر ہوا

خود اس کو کیا رقیب میرا
گھر ہو جیو خراب آرسی کا

سو بار قیامت بھی مرے جی پہ گذر گئی
اے بخت تجھے پر کبھی بیدار نہ دیکھا

داروئے دردِ عشق دوائے غم والم
مجھ مست سے جو پوچھے تو بتلاؤں میں شراب

دل اپنا بو الہوس تجھ سے لگا سکتا ہے کیا قدرت
وہ یہ جور و ستم کوئی اٹھا سکتا ہے کیا قدرت

عالم کے مجھے جینے سے اور مرنے سے کیا غم
یارب میں رہوں اور مرا یار سلامت

دہکے ہے جگر میں آتشِ عشق
اے اشک اسے بجھائیو مت

کیا ہو شانہ گر تو راہِ راست پر لادے اسے
ہم سیہ بختوں سے رہتی ہے گی زلفِ یار کج

گر خوش آئے ہے تجھے جلنے میں پروانے کی طرح
دل بھی میرا جانتا ہے خوب جل جانے کی طرح

کچھ ترے دور کی نہیں ہے خبر
دور ہے جب سے جام کا اے چرخ

یوسف کو اے زلیخا تو کر پیار شوق سے
ہیں گے عزیز میرے تئیں طرح دار ہند

کبھی نہ تم نے لکھا ہم کو ایک پرزہ بھی
تمہارے ملک میں نہیں ہوتا کیا بھلا کاغذ؟

سودا کا رند ہو سکے ہے مجھ سے کب جواب
وہ بات کیوں کروں جو ہو اپنے دہن سے دور

پوچھے اگر کوئی کہ ہے کیا چیز خوب تر
نکلے مری زبان سے بے اختیار یار

ے کدے [میں] مجنوں کا جو کوئی دیوانہ ہے
پتھروں کے بدلے نت اس ژالہ برساتا ہے ابر

فائدہ کیا ہم کو گر گلشن میں آتی ہے بہار
بن رُخِ معشوق کس کافر کو بھاتی ہے بہار

قیس و فرہاد تو آسودہ ہوئے زیرِ زمیں
ایک میں کوہ و بیاباں میں ہوں زخار ہنوز

آہ کیوں کر نہ چبھے جی میں مرے خارِ قفس
فصلِ گل آئی ہے اور میں ہوں گرفتارِ قفس

اے رند مہربانی پہ اس کے نہ بھولنا
کرتا ہے پہلے یوں ہی وہ عیار اختلاط

میرے بالیں پر شبِ ہجراں میں جب آتی ہے شمع
آہ آتشِ بار کی گرمی سے جل جاتی ہے شمع

تجھ پر نگاہ کرتے ہی بے ہوش میں ہوا
دیکھا نہ بھر نظر ترا دیدار وا دریغ

دیکھا ہے سودا جان کا اب میری ہاتھوں ہاتھ
ہے تیغ اس کے دست میں اور میں ہوں جاں بکف

تری جدائی میں اے میری جان مرتا ہوں
نہیں ہے کوئی کشندہ مرا سوائے فراق

اے سیم تن ہوں تیرا خریداریاں تلک
لے نقد دل سے اپنے لگا تا ہوں جاں تلک
اٹھ جائے رسم عاشقی دنیا سے اے فلک
گر پہنچے صرف شکوہ مری ٹک زباں تلک

تری نظروں سے گرا دل ہائے دل افسوس دل
چور شیشے سے ہوا دل ہائے دل افسوس دل

تیری جفا سے دل مرا نالاں ہے اے صنم
اپنے کیے کو آپ پشیماں ہے اے صنم

زخم ابرو پہ نہیں ہوتا نظر آتا ہمیں
کاش ہوتے یا الٰہی زخمی تروار ہم

مجھے جینا تجھ بن گوارا نہیں
نہ آوے اگر موت چارا نہیں

اس بے وفا کو ہم ستی اخلاص گو نہیں
شکوا کسی کا کیجئے سو اپنی خو نہیں

شیشۂ دل جو مرا چور تم اب کرتے ہو !
کچھ خدا کا بھی ڈر اے سنگ دلاں ہے کہ نہیں

سنا کیا دل جلوں کا نالۂ شب گیر پانی میں
بھریں ہیں مردم آبی جواب دل گیر پانی میں

اس گل کا رنگ ہم سے ممکن نہیں بیاں ہو
منہ میں اگر ہمارے جوں غنچہ سو زباں ہو

کیا سناؤں اپنی آہ سرد کو بے درد کو
کیا جتا کر کیجیے دل کے درد کو بے درد کو

جام کے کان میں جھک کر کے کہا راز مرا
ساقی کس طرح کہوں پنبہ وہاں ہے شیشہ

تو خراماں ناز سے اور مست جام بادہ ہے
شیشۂ دل چور ہو گا پیش پا افتادہ ہے

دل کو داغوں سے گر دکھایا چمن
کیا ہی باغ و بہار ہیں ہم بھی

تری زلف سیہ کا ہوں میں قیدی
یہ میری جان کو فولاد خاں ہے

ہماری چشم سے اب یہ نہ آب ٹپکے ہے
پگھل پگھل دل خانہ خراب ٹپکے ہے

کس کو دکھاؤں آہ یہ اپنا فغاں کہ ہے
میں آپ میں نہیں ہوں اور اس کو گماں کہ ہے

کر قتل تو ہیں تیرا گنہ گار ہی سہی
گر تیغ نہیں تو ابروئے خمدار ہی سہی

مجھے یہ چاندنی ہے دھوپ خورشید قیامت کی
شب ہجراں میں دیکھوں کس طرح مہتاب آنکھوں سے

فلک اس تیرے ہم قصر زمرد فام سے گذرے
کوئی ایسی ہمیں جادے کہ واں آرام سے گذرے

آہ کی نکلی صدا کس طرح مجھ دل گیر سے
نالہ کی مت رکھ توقع بلبل تصویر سے

جو کچھ عشقِ بتاں سے مجھ دلِ ناشاد پر گذری
نہ مجنوں پر کبھی بیتی نہ یہ فرہاد پر گذری

رہ جاؤں کس طرح سے جدا میں حبیب سے
بیمار ہو وے کیونکہ گریزاں طبیب سے

رفعت

صاحب مشفق و مہربان، شیخ محمد رفیع صاحب سلمہ الرحمٰن، رفعت تخلص[1] از عمدہ رفقائے نواب عالی جاہ است۔ الحال از صاحب کلان عظیم آباد ربط دلی دارد۔ امین و فوجدار پرگنہ دگل و حرکامیہ است۔ مردیسے متصدی و خلیق روزگار ویار باش و خوش اختلاط۔ گاہ گاہ فکر شعر ہم می فرماید۔ اما ہنوز تخلص مقرر نفرمودہ و اشعار بسیار گفتہ۔ قبل ازیں در مرشد آباد قیام می داشت۔ الحال در عظیم آباد۔ از دست:

جو ترے کوچے سے گذر کر گیا!
منزلِ ہستی سے سفر کر گیا!
تیر مژہ کا تری ابرو کماں!
دل میں مرے بیٹھ کے گھر کر گیا!

کیا جگر ہے جو ترے در پہ فغاں کرتے ہیں
ہم تو آہستہ قدم رکھتے ہوئے ڈرتے ہیں

---

[1] "رفعت تخلص" کا بعد میں اضافہ کیا گیا۔

میں تنگ ظرف ہوں معمور نہ کیجیو غم سے
شیشۂ مے کے تئیں تا بہ گلو بھرتے ہیں

رنگین

رنگین تخلص، شاعرست صاحب دیوان و در پر تیہ دیوان او بنظر آمدہ بود۔ اتفاق تحریر نشدہ، یک شعر یاد ماندہ، ناچار آنرا بقلم آورد۔ ازدست:

سر پہ صوفی کب رکھے تاج طلا
اس کے پا نیچے ہے معراج طلا

راسخ

شیخ غلام علی راسخ۔ نومشق سخن است، ایں قدر معلوم شدہ۔ دیگر خبر۔

ازدست:

گلی سے تری اب کدھر جائیے ۔۔۔ تجھے دیکھیے اور مر جائیے

بعد مدت کے ملے ہو سر رہ ٹھہرو ۔۔۔ تم ادھر جاؤ گے آخر میں ادھر جاؤں گا

برنگِ برق دکھلائی نہیں دیتا قیام اپنا ۔۔۔ کوئی پوچھے تو بتلاؤں کہاں یارب مقام اپنا

گریباں چاک و نالاں کیوں پھرے ہے دربدر بھٹکا
کدھر آنکھیں لڑیں راسخ کہاں دل ان دنوں اٹکا

زٹلی

میر جعفر، زٹلی تخلص مشہور است۔ نادرہ[1] زبان و عجوبہ دوران خود بود۔ زبان گیرندہ داشت۔ وضیع و شریف ہمراز و ملاحظہ می کردند و چیزے می دادند۔ چوں بخانہ کسے می آمد، دو کاغذ ہمراہ گرفتہ می آمد۔ بریک پرچہ، ہجو صاحب خانہ و بر دیگرے مدح او۔ اگر مدارا از و می دید مدح می خواند وگرنہ پرچہ کاغذ ہجو را بال شہرت می داد۔ ہجو محمد اعظم شاہ پسر عالمگیر پادشاہ کہ در رقعات عالمگیری بہ عالی جاہ امتیاز دارد۔ گفتہ

چہارم پسر ڈومنی کا جنا ۔ برج میں رہے جیوں .....

القصہ شعر ہزل بسیار دارد۔ چوں پیش اعظم شاہ باریاب شد، ایں شعر در مدح او بدیہتہً گفت:

نگین سلیماں کہ تابندہ بود ۔ ہمیں اسم اعظم براں کندہ بود

صلہ لایق مطلع یافت۔ نقلست کہ روزے بخانۂ میرزا بیدل آمد و بروئے مرزا ایں مصرع خواند "چہ عرفی چہ فیضی بہ پیش توہش"۔ مرزا ازیں معنی بسیار تردد آمد و زود رخصت کرد۔

زکی

جعفر علی خاں زکی۔ در تذکرہ[2] تقی میر مرقوم است کہ مرد عمدہ روزگار یست متوطن دہلی۔ محمد شاہ بادشاہ فردوس آرام گاہ بر او فرمایش مثنوی حقہ کردہ بود۔

---

[1] نکات، ص ۱۴۶

[2] نکات، ص ۱۳۳

دو سہ شعر موزوں کردہ بود۔ دیگر سر انجام از دنیا فت۔ اکنوں شیخ محمد حاتم مذکور باتمام رسایند و آں مثنوی خالی از مزہ نیست۔ چہار سال پیش ازیں خانہ جعفر علیخاں مجمع یاران ریختہ مقرر بودے فساد اندچہ واقع شد کہ برہم خورد۔ شعر ریختہ راجستہ جستہ می گوید۔ انچہ اشعار او شنیدہ شدہ، نوشتہ۔ از دست:

چمکتے دانت دیکھے یار کے ریخیں جمانے میں
جڑیں ہیں گیتیاں الماس کی نیلم کے خانے میں

از مثنوی او ست، در منقبت گفتہ:

فضا کے راج کی صنعت گری دیکھ — نبی کے آل کی بارہ دری دیکھ
نبی کے آل پر مجھ وار جانا — اسی بارہ پلے سے پار جانا

در تعریف عشق و آبلہ پا گوید:

برہ کی راہ کے گوھر پھپھولے — کہ کانٹے باٹ میں جاتے ہیں تولے

در تذکرہ فتح علی تبریزی مرقوم است[1]:

[2]عشق میں بلبل کو کیا نسبت ہے پروانے کے ساتھ
وصل میں مرجائے وہ یہ ہجر میں جیتی رہے
خاکساری پر نہ کر موذی کی ہرگز اعتماد
جونک گر ماٹی ملے تو بھی لہو پیتی رہے
چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو!
تا قیامت سوزن تدبیر گر سیتی رہے

---

[1] گردیزی: ص ۶۶

[2] صرف آخری دو شعر گردیزی میں ہیں۔

زار

مہربان مخلصاں، بہادر خاں زار۔ مردے بود سپاہی پیشہ۔ رفیق راجہ وارث علی خاں معین۔ بسیار صاحب اختلاط و خوش خلق و فقیر دوست بود۔ گاہے فکر شعر ہم می کرد۔ حق تعالیٰ رحمت کند۔ از دست:۔

زلف کو عارض دلبر پہ پریشاں دیکھا
روز اور شب کو بہم دست و گریباں دیکھا
اُٹھ گیا سر کو پٹکتا ہوا بالیں سے طبیب
کیا کرے ایک بھی جینے کا نہ ساماں دیکھا

سودا

ملک الشعرا میرزا محمد رفیع سودا۔ در تذکرہ تقی میر مرقوم است کہ جوانے[1] خوش خلق و خوش خوئے، گرم جوش، یار باش، شگفتہ روے، نوکری پیشہ، متوطن شاہجہاں آباد غزل و قصیدہ و مثنوی و قطعہ و مخمس و رباعی ہمہ را خوب می گوید۔ سرآمد شعرائے ہندی اوست۔ بسیار خوشگو است۔ بلاگردان ہر شعرش طرف لطف رستہ رستہ، در چمن بندی الفاظش گل معنی دستہ دستہ۔ ہر مصرع برجستہ اش را سرو آزاد بندہ پیش فکر عالیش طبع عالی شرمندہ، شاعر ریختہ چنانچہ می باید ملک الشعرائی او را شاید۔ اکثر اتفاق طرح غزل باہم می افتد غرض از مغتنمات روزگار است۔ حق تعالیٰ سلامت دارد۔

---

[1] نکات: ص ۸۴

مقدور نہیں اس کی تجلی کے بیاں کا
جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا
پردے کو تعین کے در دل سے اٹھادے
کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

قطعہ

سودا جو کبھو گوش سے ہمت کی سنے تو
مضموں یہی ہے جرسِ دل کی فغاں کا
ہستی سے عدم تک نفس چند کی ہے راہ
دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا
پانی بھی پھر پئیں تو مزا دے شراب کا

بے کس کوئی مرے تو جلے اس پہ دل مرا
گویا ہے یہ چراغ غریباں کی گور کا
آہ کس طرح تری راہ میں ٹھیروں کہ کوئی
سد رہ ہو نہ سکے عمر چلی جاتی کا

قطعہ

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن!
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا!

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منہ موڑا
الٰہی ان نے اب داڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا

موج نسیم آج ہے آلودہ گرد سے
دل چاک ہو گیا ہے کسی بے قرار کا

نہ کھینچ اے شانہ ان زلفوں کو یاں سودا کا دل اٹکا
اسیر ناتواں ہے یہ نہ دے زنجیر کو جھٹکا
پڑی رہ برق خار آشیاں میری سے کہتا ہوں
اڑے گا دھجیاں ہو کر ترا دامن جویاں اٹکا

سودا ہوئے جب عاشق کیا پاس ابرو کا
سنتا ہے اے دیوانے جب دل دیا تو پھر کیا

موجِ آتش ہے سیل آنکھوں کا
شاید اس دل کا آبلہ پھوٹا
نہ جیا تیری چشم کا مارا
نہ تری زلف کا بندھا چھوٹا

جو گذری ہم پہ مت اس سے کہو، ہوا سو ہوا
بلا کشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

ترا جی مجھ سے نہیں ملتا، مرا دل رہ نہیں سکتا
غرض ایسی مصیبت ہے کریں کچھ کہہ نہیں سکتا
ترے آگے مری آنکھوں سے آنسو کیوں کے چلتے ہیں
جو تو دریا پہ گذرے ہے تو پانی بہ نہیں سکتا

قطعہ

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کا ان دنوں
تو بھی ٹک اس کو جا کے ستمگار دیکھنا
نے حرف و نے حکایت و نے شور و نے سخن
نے سیر باغ و نے گل و گلزار دیکھنا
خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب
تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا
یا جا کے اس گلی کو جہاں تھا ترا گذر
لے صبح تا بہ شام کئی بار دیکھنا
تسکین دل نہ اس میں بھی پائی تو بہر شغل
پڑھنا یہ شعر کو کبھی اشعار دیکھنا
کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجھ کو غیر پاس
پر جو خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا

ساقی ہماری توبہ تجھ پر ہے کیوں گوارا
منت نہیں تو ظالم ترغیب یا اشارا

کسی دین دار و کافر کو خیال اتنا نہیں آتا
سحر کیا ہو چکی سودا کے جی پر شام کیا ہوگا

سودا سے یہ کہا میں دل اس طرح سے کھونا
کہنے لگا کہ ناداں کیا پوچھتا ہے ہونا

سودا سے کہا میں نے دل میں بھی کسی کو دوں
وہ کر کے بیاں اپنی روداد بہت رویا

کل مرے مشہد پہ کب پہنچے ہے وہ ابرو کماں
طرح غنچہ کے کھلے جب تک نہ پیکاں تیر کا

پڑھیے درود شکل صبیح و ملیح دیکھ!
جلوہ ہر ایک پہ ہے محمدؐ کے نور کا

دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جائے گا
جوں اشک پھر زمیں سے اٹھایا نہ جائے گا

قطعہ

ظالم نہ میں.... کہا تھا کہ اس خوں سے درگذر
سودا کا قتل ہے یہ چھپایا نہ جائے گا
داماں و داغ تیغ جو دھویا تو کیا ہوا
عالم کے دل کا داغ دھلایا نہ جائے گا

وہ ہم نہیں جو کریں سیرِ بوستاں تنہا
بہشت ہو تو نہ مت کیجیے باغباں تنہا

میں دشمن جاں ڈھونڈھ کر اپنا جو نکالا
سو حضرت دل سلمہ اللہ تعالیٰ

بلبل نے جسے جا کے گلستان میں دیکھا
ہم نے اسے ہر خار و بیاباں میں دیکھا

جب سے ہوئی ہے قابلِ شمشیر وہ کمر
چھاتی پہ مری مرہم زنگار ہی رہا

کیا تاب ہے جو منہ پر ترے آوے آفتاب
دیکھے جو بھر نگاہ تو جل جاوے آفتاب

دیکھے ہے منہ ترا تو یہ کہتا ہے شرم سے
یارب پھٹے زمیں تو سما جاوے آفتاب

کیوں اسیری پر مری صیاد کو تھا اضطراب
کیا قفس آباد ہو گئے کون سے گلشن خراب

ہندو ہیں بت پرست مسلماں خدا پرست
میں پوجتا ہوں اس کو جو ہو آشنا پرست

سودا گرفتہ دل کو لاوے نہ سخن کے بیچ
جوں غنچہ سو زبان ہے اس کے دہن کے بیچ

کل رخصت بہار تھی شبنم صفت میں زور
رو دیا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ

یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گاہے پیام
کچھ بھی اے خانہ خراب اس دل کے سمجھانے کی طرح

یہ زندگی مری وحشت کا ننگ ہے صیاد
قفس مجھے ترے جنگل سے تنگ ہے صیاد

خرمی پھرتی ہے یوں اس دل پُر غم سے دور
جوں پھریں اہل طرب خانۂ ماتم سے دور

قطعہ

عقل نے ایک دن آ کر یہ کہا سودا سے
خواہ نزدیک ہمارے رہے خواہ ہم سے دور
لیکن اتنا ہے کہ وہ کام نہ کریو پیارے
جس کا ثمرہ رکھے تم کو دل عالم سے دور

انکار قتل سے تو کرے ہے سجن ہنوز
میلا نہیں ہوا ہے ہمارا کفن ہنوز

کس کے ہیں زیر زمیں دیدۂ نمناک ہنوز
جا بجا سوت ہے پانی کی تہ خاک ہنوز

سودا کا حال تو نے نہ دیکھا کہ کیا ہوا
آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

ساقی! گئی بہار، رہی دل میں یہ ہوس
تو منتوں سے جام دے اور ہم کہیں کہ بس

گو اب نہ مجھ غریب کے بالیں پہ آئے شمع
دل بے کسی کا مجھ پہ جلے ہے بجائے شمع

اے لالہ گو فلک نے دیے تجھ کو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ

دیکھوں ہوں یوں میں اس ستم ایجاد کی طرف
جوں صید وقت ذبح کے صیاد کی طرف
پتھر کی لیک تھا سخن اس کا ہزار حیف
بولے زبان تیشۂ نہ فرہاد کی طرف

پروانہ رات شمع سے کہتا تھا راز عشق
مجھ ناتواں نے کیا کیا اٹھائے ہیں ناز عشق
محراب تیغِ دوست سلامت رہے مدام
کعبہ میں جا کے کب میں پڑھوں گا نمازِ عشق

یار و مہتاب گل و شمع بہم چاروں ایک
ہیں کستاں بلبل و پروانہ یہ ہم چاروں ایک

رنگ گل کچھ بے طرح دہکے ہے بس اے ابر بہار
آشیاں میرا چھڑک، لگتی ہے اب گلشن کو آگ

کرتی ہے مرے دل میں تری جلوہ گری رنگ
اس شیشے میں ہر آن دکھاتی ہے پری رنگ

کس جلوے میں دیکھا نہ ترے رنگ کا جلوہ
سب رنگ میں ہے تو پہ ترا سب سے پرے رنگ

اک دست اگر زمانہ جہاں کے لٹائے گل
سر کو ہمارے خاک نہ دیوے چہ جائے گل
ہستی سے نیستی میں جو بہتر نہ ہو مزا!
ہنستا ہوا جہان سے ہرگز نہ جائے گل

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

اب اس طرف تری گرمی اے شعلہ خو معلوم
تپاک غیر سے جو ہوں گے ہم سے دو معلوم
بھری ہے دل میں ترے یاں تلک محبت غیر
کہ جا نہیں میرے کینے کو، مہر تو معلوم

عاشق تو نامراد ہیں پر اس قدر کہ ہم
دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کر کے ہم

تیرے ہی دیکھنے کے نہ آئے جو کام چشم
تو زخم چہرے پر ہے کہ اس کا ہے نام چشم

تو کیوں جیتی رہی بلبل چمن میں دیکھ کر شبنم
کہ وہ داماں پاک گل جسے کرتی ہے تر شبنم

کس کی ہے یہ چمن میں صبا بد شرابیاں
ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں

مجھ کو نہیں ہے دل میں تری راہ کیا کروں
پر بے اثر ہے عشق مرا آہ کیا کروں

ظاہر میں دیکھنے کا کچھ اسباب ہی نہیں
آدے مگر تو خواب میں سو خواب ہی نہیں

تسلی اس دیوانے کی نہ ہو جھولی کے پتھروں سے
اگر سودا کو چھیڑا ہے تو لڑکو مول لو پھر یاں!

ڈرتے ڈرتے ترے کوچے میں جو آجاتا ہوں !
صید خائف کی طرح رو بہ قضا جاتا ہوں !
طائر رنگ حنا کے نمط اب اے صیاد
ہوں تو میں ہاتھ میں تیرے پہ اڑا جاتا ہوں

عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب طرح راتیں
دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں

بلبل خاموش ہوں جوں نقش دیوارِ چمن!
نے قفس کے کام کا ہرگز نہ درکارِ چمن!
نوک سے کانٹوں کے ٹپکے ہے لہو اے باغبان
کس دلِ آزردہ کے دامن کش ہیں یہ خارِ چمن

جی ٹک تو دے کے یوں جو تو ہو کارگر کہیں
اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں

ہوتی نہیں ہے صبح نہ آتی ہے مجھ کو نیند
جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہے مر کہیں
جادو بھری ہیں چشمِ مست آئینے کو تو دیکھ
دھڑکے ہے دل مرا کہ نہ پلٹے نظر کہیں

قطعہ

سودا سے رات میں کہا مغموم کیوں ہے تو
اٹکا ہے ان دنوں میں ترا دل مگر کہیں
کہنے لگا کہ سچ ہے پر اب کے اگر یہ جی
بچ جائے تو نہ دل کو دوں بارِ دگر کہیں
پوچھا جو میں سبب تو کہا کیا نہیں سنی
قاصد مرے کے حال کی تم نے خبر کہیں
نامہ لکھا تھا یار کو میں یہ سمجھ کہ ہے
عالم میں رسم نامہ و پیغام ہر کہیں

لیکن سوائے بندگی و عجز و انکسار
نکتہ ہو اس میں حرف تمنا سے گر کہیں
واں لاکے ماریے مری گردن کو جس جگہ
پانی کے قطرے کا بھی نہ ہو وے اثر کہیں
ورنہ خدا کے واسطے انصاف تو کرو
آتا ہے ایلچی پہ زوال اس قدر کہیں
اڑتا پھرے ہے نامہ گلی میں کسی طرف
دھڑ سے جدا پڑا ہے سر نامہ بر کہیں
وقتیکہ دلبرانِ جہاں کا ہو یہ سلوک
پھر دل کو دوں کہو تو کس امید پر کہیں

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہے کہ نہیں
جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں
دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لیے پھرتا ہوں
کچھ علاج ان کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

ناوک ترے نے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں
سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں

نے بلبلِ چمن نہ گلِ نو دمیدہ ہوں
میں موسمِ بہار میں شاخِ بریدہ ہوں

اندامِ گل پہ ہو نہ قبا اس مزے سے چاک
جوں خوش قدوں کے تن پہ مسکتی ہیں چولیاں
کیا چاہیے تجھے سرِ انگشت پر حنا
جس بے گنہ کے خوں میں چاہیں ڈبولیاں

اس دردِ دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہو الٰہی شتاب ہو
اس کشمکش سے دام کی کیا کام تھا مجھے
اے الفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو

بہار باغ ہو مینا ہو جام صہبا ہو
ہوائے ابر ہو ساقی ہو اور دنیا ہو
روا ہے کہہ تو بھلا اے سپہر نا انصاف
ریائے زہد چھپے رازِ عشق رسوا ہو
جو مہرباں ہیں سودا کو مغتنم جانیں
سیاہی زادوں سے ملتا ہے دیکھیے کیا ہو

بوؤں میں تخمِ گل کو جہاں واں نہ قوم ہو
پالوں جو عندلیب قفس میں تو بوم ہو

اپنے چمن کو فائدہ کیا تجھ سے اے صبا
یہ جا ہے وہ کہ یاں دم عیسٰی سموم ہو

خواہی رہِ صد سالہ ہو تو خواہ نہیں ہو
نزدیک بدل ہے تو مری جان کہیں ہو

ناصح کو جیب سینے سے فرصت کبھو نہیں
دل یار سے پھٹے تو کسی سے رفو نہیں

غیر پہ نت ہے کرم، ہم پہ ستم واہ واہ
دیکھ لیا بس تمہیں ہم نے صنم واہ واہ

خود نمائی پہ سدا اہلِ جہاں کی سودا
دیدہ پر آب ہو کرتا ہے نظر آئینہ

شیشی تے جام کی سو گئی جان جم کے ساتھ
وابستہ ہے طلسم جہاں اپنے دم کے ساتھ

کعبے کی زیارت کو اے شیخ میں پہنچوں گا
مستی سے مجھے بھولی جس دن رہِ مے خانہ

مت ہنس مرے رونے پر آماں میں کہتا ہوں
ٹپکے ہے ابھی کوئی قطرہ اشک آلودہ

کہے ہے توبہ پہ زاہد کہ تجھ کو دیں تو نہیں
بھڑا دے خم ہی مرے منہ سے چل اہنیں تو نہیں

نسیم بھی ہے چمن میں اور اب صبا بھی ہے
ہمارے خاک سے پوچھو تو کچھ رہا بھی ہے
قدم سنبھال کے رکھو خار دشت پر مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

سودا جہاں میں آ کے کوئی کچھ نہ لے گیا
جاتا ہوں ایک میں دل پر آرزو لیے

سودا جو سنا ہے کسی کا نام یہی ہے
آوارۂ سر زلف سیہ فام یہی ہے
کہتا ہے بنا گوش ترا زلف کے آگے
میں صبح قیامت ہوں مری شام یہی ہے

غیرت عشق آن کر سودا تو پروانے سے سیکھ
شمع سے اپنا بھی ملنا دیکھ جل جاتے ہیں یہ

گردش سے آسماں کی نزدیک ہے سبھی کچھ
ہم سے تجھے ملانا ایک دور ہے تو یہ ہے

ایسا بھی سادہ و پرکار کہیں دیکھا ہے
بے نمود اتنا نمودار کہیں دیکھا ہے
خواہ کعبے میں تجھے خواہ میں بت خانے میں
اتنا مجموں ہوں مرے یار کہیں دیکھا ہے

مرے گر عاشق بے کس تو ماتم دار دشمن ہے
صدا زنجیر کی گھر واسطے مجنوں کی شیون ہے

کس قدر اب کے ہوا مست ہے ویرانے کی
کسی لڑکے کو نہیں سدھ کسی دیوانے کی

سودا کو جرم عشق پہ کرتے ہیں آج قتل
پہچانتا ہے تو یہ گنہ گار کون ہے

بدلہ ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
تو اپنا ہی فریفتہ ہووے خدا کرے

اس حال کے نبھنے کا کچھ اسلوب نہیں ہے
یہ کج روشی ہم سے فلک خوب نہیں ہے

قاصد کو اپنے ظالم جو کچھ میں دوں بجا ہے
جیتا پھرے تو اجرت ورنہ یہ خوں بہا ہے

تیری گلی کے طرف اگر ٹک ہوں بہے
میں آپ کو جلا کے کروں خاک تو سہی
پہنچی نہ تجھ کو آہ مرے حال کی خبر
قاصد گیا تو ان نے بھی اپنی ہی کچھ کہی

عشرت سے دو جہاں کے یہ دل ہاتھ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے
جس سر زمیں پہ جا کے روؤں تیری یاد میں
دہقاں کچھ اس زمیں میں بجز دل نہ بو سکے

منہ لگاوے کون مجھ کو گر نہ پوچھے تو مجھے
عکس بھی دیتا نہیں اب آئینے میں رو مجھے

آگیا رات میں جو دزدِ حنا تیرے ہاتھ
ورنہ جا پاؤں کو لاگا ہی تھا چوری چوری

تجھ تیغ تلے کہہ تو رستم سے کہ سر دھر دے
پیارے یہ ہمیں سے ہو ہر کارے دہر مردے
دل کے تئیں اک عالم کہتا ہے خدا کا گھر
اے عشق اسے آتش دیتا ہے بجھ کر دے
کھلنے تو لگا ہے دل جوں غنچہ ہمارا بھی
لیکن نہ صبا تجھ سے گا ہے بہ دم سرد ے

سینے کو رستموں کے نگہ تیری توڑ دے
آنکھوں کی ہر پلک صف محشر کو موڑ دے

مرجاں کا نخل ہوں نہ پھلوں برگ و بار سے
ٹپکے ہمیشہ خون مری شاخسار سے

زاہد چلا ہے کعبے کو اور برہمن کنشت
بندے ہیں اس کے ہم جو کسی دل میں گھر کرے
جگ میں شراب خوار کی تشہیر کے لیے
سودا جو محتسب ہو تو زاہد کو خر کرے

دولاب کی ہے حق بہ طرف مستی سے فریاد
پیمانہ کسی کے گلے کا ہار نہ ہووے
ہو دست خدائی میں تو یہ کیجئے منادی
ظالم ہو جو کوئی سو طرح دار نہ ہووے

کر ذبح شتابی مجھے صیاد کہ یہ صید
ہاتھوں میں ترے ہی کہیں مردار نہ ہووے

میں کہتا ہوں اپنے سے کہ ننگ و نام سے گذرے
نہ ہوں گر اس میں یہ باتیں تو کیا آرام سے گذرے

جوں غنچہ تو چمن میں بند قبا جو کھولے
پھر گل سے ارے پیارے بلبل کبھی نہ بولے

مومن نہیں زنار سے میرے آگاہ
اس رشتے کو ہے سبحۂ اسلام سے راہ
اس بت کا برہمن ہوں کہ ہم صوفی و شیخ
کہتے ہیں جسے دیکھ کے اللہ اللہ

ایوان عدالت میں تمہارے اے شاہ
کب ظلم کو ہے دخل عیاذاً باللہ
شیشے کا واں طاق سے رہتے ہے پاؤں
پتھر سے نکلتی ہے صدا بسم اللہ

وقتِ تحریر کلیات مرزا محمد رفیع سودا بدست نہ آمدہ۔ نود و سہ شعراز
تذکرہ تقی میر نوشتہ و پنجاہ و پنج شعر از دیوان انتخاب کردہ بقید قلم آوردہ۔

سجّادؔ

در فن شعر استاد، میر سجاد۔ در تذکرہ تقی میر مرقوم است کہ از اکبرآباد است.[1] مرد طالب علم مستعد و شاعر خوب ریختہ۔ شاگرد میاں آبرو۔ سجاد تخلص می کند۔ بسیار آدمی خوب است۔ سخن او بہ پایہ استادی رسیدہ۔ قبل ازیں مجلس ریختہ می شد۔ از دست:

کافر بتوں سے داد نہ چاہو کہ یاں کوئی
مرجا ستم سے ان کے تو کہتے ہیں حق ہوا

بجائے کافر کہ اول مصرع واقع است باعتقاد فقیر محمد تقی میر لفظ باطل حق است اگرچہ باطل باطل است لکن واقعی انیست کہ خوب لفظ میر رسایندہ کہ حق و باطل ازاں معلوم گردیدہ۔ حق تعالیٰ سلامت دارد۔

گر تیرے کل کے آنے میں کھوئے نہیں حواس
سجاد کیوں پھرے ہے سجن آج فق ہوا

ساقی بغیر جام کے جیو کا بچاؤ نین
جوں فیل مست آوے ہے ابر سیہ بلا

کیوں مشت گل بھی دل کی نہ رونے میں بہ گئی
سجاد مجھ کو باقی ہے... چشموں سے یہ گلا

---

[1] نکات، ص ۷۶

غم نہیں کہ گم ہوا بالوں میں تیرے جا کے دل
پیچ پر تجھ زلف کے گویا کہ اس کو بل دیا
تجھ کو اے سجاد غیر از خنجر بیداد کے
اور بھی کچھ ظالموں کی دوستی میں پھل دیا

جو دل ہو گلوں سے اٹکتا ہوا !
وہ کانٹا ہے جیو میں کھٹکتا ہوا !

بتاں تو چاہتے سجاد تجھ کو
کریں کیا پر خدا نے جو نہ چاہا

بتوں کی بھی یہ یاد دو روز ہے
ہمیشہ رہے نام اللہ کا
اب جلا لے ٹک آن کر ساقی
عمر کا بھر چکا ہے پیمانہ

مقبول اس جہاں کا ہرگز غنی نہ دیکھا
راجا وہی ہے جو کوئی یاں سے گیا ہے رانا

سجاد کوئی دیکھے بے تابیاں دل کی
ہے زندگی ہماری یہ موت کا نمونہ

جان و دل سب قبول ہے جانا
پر گلی میں تری مجھے آنا!

میں نے جانا تھا قلم بند کرے گا دو حرف
شوق کے لکھنے کا سجاد نے دفتر کھولا

خط کترواگے آج قینچی سے
ہم سے ملنے میں جائے ہے کترا

تیری شمشیر سے جدا ہو کر
سر مرا مجھ کو تن نہیں دیتا

کیا کرے پانو بھی کر جنگل میں
کچھ نہیں آبلوں سے چل سکتا

مرے دیکھ کر حال داماں کا
پھٹے کیوں نہ سینہ گریباں کا

سب کی نظر سے گر کر اک دم میں پست ہو جا
گر مے کشوں میں آوے زاہد تو مست ہو جا

قاتل کی تیغ آگے جاتے ہیں ہم ندھڑکے
ہرگز ہمارے دل میں سرکا رنہیں ہے دھڑکا

شتابی پلادے کہ جاتا ہے ابر
جو کچھ باقی ساقی رہی ہو شراب

سجاد مہرباں کرے کوئی اس کو کس طرح
غصہ ہوا ہے یار میں کچھ ان دنوں غضب

کبھی منزل یہ ہوتی نہیں پوری
بہت اس راہ میں گئے ہیں ناپ

ہر کام کا اگرچہ ہوتا ہے سہل اول
پر عشق کی ستم ہے کوئی ابتدا نہایت

ایک ڈگ ہے عاشقی کے پنتھ میں
پانو کے نزدیک راہ دور دوست

جلنے سے صدق دل کے سبب بچ گیا خلیل
وہ بات ہے کہ سانچ کو ہرگز نہیں ہے آنچ

دل آبادی میں تنہا کھینچ مت رنج
کہ ویرانے میں دیوانوں کا ہے گنج

بند میں مت رہ دیوانے عقل کے
کر گریباں چاک چھاتی کھول کر

غیروں کو جان خواب (میں) غفلت میں ڈال کر
اک رات آکے سوں ہو ہم پاس آنکھ موند

مر گئے پر اگر نہیں آسیب
کیوں یہ رکھتے ہیں قبر پر تعویذ

مت ہو نامہ عبث کو جا کاغذ
اپنے اوپر نہ حرف لا کاغذ
یہ دھواں سا فلک ستاروں ساتھ
ہے نظر میں مری جلا کاغذ
آسماں ایک رقعہ دار نہیں
غم کے لکھنے کو ہو بڑا کاغذ

جتنے چمن کے بیچ نہائے ہیں نونہال!
تعظیم تیری کرتے ہیں سب اٹھ کے سرو قد

اس فصل گل میں جوشش جنوں کا ہوا ہے قہر
جنگل میں آ بھرا ہے نکل کر تمام شہر
ہوتی نہیں ہے سرد ہمارے یہ دل کی آگ
لاگی ہے جس زمانے سے جلتی ہے دہر دہر

سبھی جلتے تھے شمع و پروانہ!
رات یہ دن تھا اہلِ مجلس پر!

بادِ صبا سے زلفِ معطر کی ہم تلک
مدت ہوئی کہ پہنچی نہیں کچھ خبر عطر

دیوانے کا نہیں مطلب دیوانہ
تو کیوں نامہ پہ ہیں سطروں کی زنجیر

شوق جنوں میں تیرے عوض چاک جیب کے
نرگس چمن میں دیکھے ہے آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ

لختِ جگر ہمارا پانوں کے ساتھ کھا کر
کرتے ہو ہم سے باتیں اب تم چبا چبا کر

میرے تمام حال کی تقریر ہے یہ زلف
روزِ سیاہ و نالہ شب گیر ہے یہ زلف

خاموشی اس سبب ستی رہتا ہے بیشتر
تنگ اس قدر ہے منہ کہ نکلتا نہیں ہے حرف

دور میں رخسار کے تیرے کہیں انصاف نہیں
خط چرالے جاتے دل کو اور باندھے جال ہے زلف

جس خوب رو کے دل میں نہ عاشق سے ہو نفاق
کہتے ہیں سارے اس کے تئیں حسن اتفاق

دل کو کبھی پیار دلا کر کے تو سجن
لاگا نہیں گلے سے مرے آکے آج لگ

زلفوں کے جب الجھتے ہیں اس ساتھ آکے بال
دیتا ہے شانہ عاجزی سے دانت تب نکال!

گلی میں تری بیٹھتے ہی سجن
ان آنکھوں سے آتے ہیں آنسو نکل

سجاد فکر ہم نہ کریں کیوں کے شعر کی
لگتے ہیں جا کے یار کے منہ سے سخن ہیں ہم

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لے جا دے اسے
خواہ زلفیں خواہ ابرو خواہ مژگاں خواہ چشم

جب ہم آغوشِ یار ہوتے ہیں
سب مزے درکنار ہوتے ہیں
ناخدائی ٹک ایک کر ساقی
ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں
تیر ڈوبیں کسی نشانے پر
میرے سینے کے پار ہوتے ہیں

اب تو ہم نے کیا گریباں چاک
تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

برابر اپنے سجن بندگی کے کاموں میں
نہیں میں دیکھتا صاحب کے کوئی غلاموں میں

کس طرح کوہ کن پہ گزریں گی!
ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں!
بدل از مصنف ہم چنیں مصرع شنیدہ شد۔
ہجر شیریں میں کیوں کے کاٹے گا
کوہ کن یہ پہاڑ سی راتیں!

ہیں شیشیاں شراب کی پیارے بھری ہوئی
آنکھیں نشہ کے بیچ تمہاری گلابیاں

سایے میں ہم اس باغ کے ہر بلبل و گل ساتھ
مدت تیئں دیوار بہ دیوار رہے ہیں

دیکھیں طبیب درپہ دارو ہے کب تیئں
مرتا ہوں میں تو عشق میں جیتا ہوں جب تیئں

جو اک دمج ہے ابروئے خمدار میں
کہاں پاؤں یہ ضرب تلوار میں

جب کرے ہے ترے دہن کا بیاں
منہ سے غنچے کے پھول جھڑتے ہیں

تیری وحشی نگہ سے جنگل میں
بھاگنے پر غزال بیٹھے ہیں

لب شیریں پر اس کے مرتا ہوں!
زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں!!

یہ سجاد کے دل کی جلنے کی قدر
نہیں بوجھتی شمع اس کو بجھاؤ

میرا جلا ہوا دل مژگاں کے کب ہے لائق
اس آبلہ پا کو کیوں تم کانٹوں میں اینچتے ہو
ہر چند در شل تصرف جائز نیست زیرا کہ شل این چنیں است کہ کیوں
کانٹوں میں کھینچتے ہو لیکن چوں شاعر را قادر سخن یافتم، معاف داشتم۔
دیکھ مہندی لگے ان ہاتھوں کو
پھول آکر لگے ہیں پانوں کو
سانپ کی طرح کنڈلی مارے ہے
زلف تیری ہے کوئی بس کی گانٹھ

نہ جوں زلفِ تیرہ ہے ہر دل کی آہ
نصیبوں سے ملتے ہیں بختِ سیاہ

شرمندہ ہو گئی ہے ترے منہ میں آرسی
اب پھر کے روبرو وہ ترے ہر گز آئینہ

رات اسی زلف کا وہ افسانہ
قصہ کوتہ تری کہانی ہے

بے تکلف ہو سبھوں سے وہ ملے ہے سجاد
دختر رز بھی عجب طرح کی مستانی ہے

اگر شعر من می بود بپیش مصرع ایں قسم می گفتم:
بے تکلف ہو نپٹ سر پہ چڑھے ہے سجاد
و بخاطر فقیر...... باوصف نقیر بپیش مصرع مذکور ایں قسم می گذرد:
منہ لگاتے ہی ذرا سر پہ چڑھے ہے سجاد

ہاتھ ہی میں رہے ہے طفلوں کے
یہ تماشے کا دل کھلونا ہے

بختوں بارے سجن کہیں مل جائیے
لیکن ایسے کہاں نصیب مرے

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے
جو یہ کشتی تری تو بس ڈوبی
ہمہ شعر سبحان اللہ لیکن فقیر را از دیدن شعر تواجد دست بہم می دہد۔
از بسکہ از خواندن ایں شعر حظ بر می دارم، می خواہم کہ بصد جا بنویسم۔
تمہیں غیر سے صحبت اب آبنی
اسے دوستی ہم سے ہے دشمنی

بتوں کے تئیں کس قدر مانتا ہے
یہ کافر مرا دل خدا جانتا ہے

جب تلک نہیں پہنچتے ترے آستاں تلک
تب تلک ہماری خاک کی مٹی خراب ہے

کچھ یہ سجاد کے جیو پر ہی عجب حالت ہے
ورنہ دیکھے ہیں ہیں اس درد کے بیمار کئی

موچنیں سے بسیں تو مت لے شیخ
پشم نوچے سے کیا اپڑتی ہے

اے صنم زنار پہنی تجھ وفا کے واسطے
ورنہ کوئی کافر نہیں ہوتا خدا کے واسطے

عاشقوں کا سجن لہو پی پی!
دم بدم تیری تیغ اگلے ہے!

ماہر دہن یہ شمع محفل میں!
جیسی روشن ہے سب پہ روشن ہے

سپر داری اس کی کسی سے نہ ہو
یہ ابرو تری ننگی شمشیر ہے

پانو جنگل میں دھرنے دیتے نہیں
کیا پھپھولوں نے سر اٹھایا ہے

سائل

محمد یار بیگ، تخلص سائل۔ ہمراہی بذل بیگ خاں ساکن شاہجہاں آباد۔

ملتا نہیں چمن میں قفس کا نشاں مجھے
تقدیر لائی کھینچ کہاں سے کہاں مجھے
آئی ہے گر چمن سے ٹک اب دم تو لے نسیم
پہنچے گی بوئے گل کی صبا پھر کہاں مجھے
شیریں کو کوئی پھر نہ ملا مثل کوہ کن
دے رائیگاں نہ ہاتھ سے اے دل استاں مجھے

احوال این شاعر در تذکرہ ہا مرقوم نیست۔ از میر اولاد علی نوشتہ شد۔

سعادت

فخر شرافت و نجابت، میر سعادت علی سعادت۔[1] از سادات امروہہ بود۔ مرد سلیم الطبع، کم سخن، متواضع۔ سعادت تخلص می کرد۔ فی الجملہ چاشنی درویشی داشت۔ شعر او خالی از لطف نیست:۔

---

[1] نکات: ص ۱۴۴

واللہ جو سر لوح ترا نام نہ ہوتا
ہرگز کسی آغاز کا انجام نہ ہوتا

کس سے پوچھوں دل مرا چوری گیا زلفوں میں رات
ایک جو شانہ ہے سو تو تیل میں ڈالے ہے ہات

بسکہ ہوں کم ظرف دو پیالہ میں ہو جاتا ہوں مست
ہوش کھو دیتی ہیں میرا اس کی آنکھیں مے پرست

کیا صید آ ہوئے دل آسواری سے میاں تم نے
کمر کی ڈاب نہیں کھولی گو یا چیتے کی ڈوری تھی

اہل زر کے سیم تن ہوتے ہیں رام
صید ہوں ہیں جس جگہ دیکھیں دام

یار سے جو رقیب لڑتے ہیں
یہ ہمارے نصیب لڑتے ہیں

سراج

میر سراج الدین سراج تخلص۔ در اورنگ آباد شنیدہ می شود۔ شاگرد سید حمزہ۔ سخن او خالی از مزہ نیست۔ ہمیں قدر در تذکرہ میر تقی میر

مرقوم اشٹ - از دست:[1]

تم پر فدا ہیں سارے حسن و جمال والے
کیا خط و خال والے کیا صاف گال والے

پی بن مجھ آنسوؤں کے شراروں کی کیا کمی
جس رات چاند نہیں ہے ستاروں کی کیا کمی

نہیں ہے تاب مجھے سامنے ترے جاناں
کہاں سراج کہاں آفتاب عالم تاب

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کو ٹانکے
اگر دیکھے مرا سینہ رفو چکر میں آجاوے

شعلہ خو جب سے نظر آتا نہیں
لوٹتا ہے تب سوں انگاروں میں دل

نیں حقیقت میں حسن و عشق جدا
طوق قمری ہے طرۂ شمشاد

مدت سے گم ہوا دل بیگانہ اے سراج
شاید کہ جا پڑا ہے کسی آشنا کے ہاتھ

---

[1] نکات: ص ۹۵

شکر للہ ان دنوں تیرا کرم ہونے لگا
شیوۂ جور و ستم فی الجملہ کم ہونے لگا

نیں ہوا اس شمع رو کے عشق میں داغ اک سراج
ہیں وہ حسن آتشیں کے ایسے پروانے کئی

سلامت

سلامت[1] علی، سلامت تخلص۔ بیک واسطہ شاگرد میر است:

لائے کے تختے کھل گئے میرے مزار پر
مرنے کے بعد لخت دل آئے ... مزار پر

سالک

سالک راست:

پھروں بے ہوش کریں برہنہ پا بدل تیرے
یقین بوجھو تن پیارے کہ سالک کو لبھایا ہے

در تذکرۂ نقی میر ہمیں قدر مرقوم بُود[2] کہ نوشتہ۔

سعدی

سعدی دکھنی راست۔ انچہ بعضے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ایں را گماں

---

[1] سلامت کا ترجمہ حاشیے پر درج ہوا ہے۔

[2] نکات: ص ۱۰۲

بردہ اند، خطا است۔[1]

ہمنا تن کو دل دیا تم نے لیا اور دکھ دیا
تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے
دونین کی پھیر کر دل رور و نجوں دل بھروں
پیش سگ کویت دھروں پیاسا بجا و میت ہے
سعدی غزل انگیختہ، شیر و شکر آمیختہ
در ریختہ در ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے[2]

سلام

میاں نجم الدین علی خاں سلام تخلص مولد اد اکبر آباد است۔ خلف میاں شرف الدین علی خاں پیام کہ احوال او نگاشتہ شد۔ جوان، یار باش مخلص مسیح، حقیقت، حمیت، لیاقت آدمیت، شخصیت، حرمت عزت ہمہ دارد۔

---

(۱) نکات ص ۱۰۵
(۲) آخری دو شعر حاشیے پر درج ہوئے ہیں۔

با تقی میر اخلاص تہ دل دارد۔ چنانچہ اکثر اوقات اتفاق باہم فکر شعری کنند وگپ می زنند و مزاح ہم می نمایند۔ حق تعالیٰ زندہ دارد۔ از دست :

حدیث زلف چشم یار سے پوچھ
درازی رات کی بیمار سے پوچھ

سوز

محمد میر تخلص سوز۔ قبل ازیں میر تخلص می نمود۔ الحال موقوف نمودہ سوز تخلص خود قرار دادہ۔ مردیست درویش وخوش فکر و بدیہ گو وشوخ طبع ساکن شاہجہاں آباد۔ از دست :

شہرۂ حسن سے ازبسکہ وہ محجوب ہوا
اپنے چہرے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

عالم کا تمنا میں تری جاں بلب آیا
رحمت ہے خدا کی تو لب بام نہ آیا

بلبل کہیں نہ جائیو زنہار دیکھنا
اپنے ہی دل میں پھول کے گلزار دیکھنا
نازک ہے شیشۂ دل عاشق سنبھالیو
غم سے بھرا ہے اے مرے غمخوار دیکھنا
جو جو سنا تھا کان سے دیکھا ہے آنکھ سے
چپکا ہی رہیو اے لب اظہار دیکھنا

دل سے ہی گیا نہ یار سے ہے
ہے ہے دل بے قرار ہے ہے

مت چیر مرے سینے کو یوں اس میں بھی کچھ ہے
پھر کاہے کو کس واسطے کیوں اس میں بھی کچھ ہے

یوسف کو جو کہتے تھے کہ گل پیرہنی ہے
سو نام خدایاں بھی تو نازک بدنی ہے

قطعہ

شکوہ عبث ہے یار کے جوروں کا ہر گھڑی
غیروں کے ساتھ شوق سے ہر بار دیکھنا
سودا کی بات بھول گئی تجھ کو سوز واہ
جو کچھ خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا

اے مرے دل تو کیوں پڑا ہے نڈھال
آنکھ تو کھول چونک میرے لال!
کیا کسی پر ہوا ہے تو عاشق
نہ مرے لال یہ برا ہے خیال

سلیمان

میر مراد علی۔ سلیمان تخلص، ساکن دہلی۔ مدت است کہ در صوبہ بہار (۱)

---

(۱) سلیمان کا ترجمہ حاشیے پر درج ہے۔

قیام دارند۔ بخانۂ اشرف علی خاں مرحوم ملاقات نمودہ۔ از دست

اے دل تو عبث ڈھونڈھے یہاں کام کو اپنے
پہنچا نہیں ہے کوئی سر انجام کو اپنے
اس گنج قناعت سے قدم رکھیو نہ باہر
جیوں نقش نگیں چاہے ہے گر نام کو اپنے

تجھ سے ظالم سے ملا دیکھیو طراری دل
کچھ بھی دھڑکا نہ گیا، بل بے جگرداری دل

سلیمان

(۱)
سلیمان :
نکل کے قالب سے اے نفس تو کرے گا کیدھر گزارا اپنا
نجا تو حب الوطن سے ہرگز نہ چھوڑ ظالم دیار اپنا

ساماں

میر ناصر ساماں۔ شعر فارسی خوب می گفت۔ گاہے فکر ریختہ ہم می نمود شاگرد حضرت مرزا جان جاں مظہر مدظلہ العالی۔ چند سال است کہ بجنت شتافت :

اٹھیں کیوں کر نہ اب دل سے ببھو کے
کبھو تھے آشنا ہم بھی کسو کے

---

(۱) حاشئے پر اس سلیمان کا بھی ذکر ہے۔ ہو سکتا ہے دونوں ایک ہوں۔

خبر بھی آ دینے رہ گئی ہے
کبوتر اور گئے سپے بیتم کے کو کے

ہمیں دو شعر در تذکرہ شیخ علی تبریزی مرقوم بود[1] و دیگر خیر۔

سلیم

میر محمد سلیم سلیم تخلص ساکن عظیم آباد۔ مرویست بسیار سلیم الطبع و غریب
انتخاب از دست :

ابر دریا بار سے نے فیض یم سے آشنا
ہے حباب آسا دل اپنا اپنے دم سے آشنا
گو سدا ہے دل غریق بحر سے لیکن نہیں
جو گہر دامن کا اس کے عکس نم سے آشنا
بے نشاں کیوں کر نہ ہوئے دشت بے پایان عشق
راہ دریا کی نہیں نقش قدم سے آشنا
ہے طلسم عکس ساقی اس میں اے مستان عشق
ساغر دل کو نہ کیجیو جام جم سے آشنا
جس نے اس وحشت سرا میں دیدۂ دل وا کیا
جوں نگاہ چشم آہو ہے وہ رم سے آشنا
صرف غربت عمر کی پر گرد باد آسا سلیم
نے عرب کی راہ و نے رسم عجم سے آشنا

---

(۱) گردیزی ص ۹۸

یہ مثل شمع عریاں زندگی میں ہے بدن اپنا
اٹھا وے گا نہ احسان کفن مرنے پہ تن اپنا
نہ ہوگا زینت دستار گل اس کا کہ رہتا ہے
برنگ نقش قالی پائمالی میں چمن اپنا
غرض کیا ہم سے نازک خاطروں کو تنگ پوشوں سے
حباب آسا نہیں محتاج سوزن پیرہن اپنا
اگر سینے سے موج بادہ پہنچے تا بہ لب ساقی
تمنا سے نہ ہوئے بند جوں ساحل دہن اپنا
سلیم اس دشت میں ہم گردباد آسا نہیں واقف
کہ جاویں گے کدھر اور کس طرف چھوٹا وطن اپنا

تیغ کی ہے یہ زبان تشنہ اپنی ہم نصیب
تا نہ ڈوبے بحر آتش میں نہو وے غم نصیب
ہے طلسم ہستی دونوں میں اک ہی گو گرہ ہو
کاسۂ چوبیں گدا کے، شہ کے جام جم نصیب

نقص فیض ہمت دریا نہیں اس میں سلیم
جو رہیں محتاج قطرہ کے صدف سے کم نہیں

دو رفیق اپنے تھے اس عشق میں دونوں بگڑے
نے جگر ہاتھ میں نے دیدۂ تر ہاتھ میں ہے

تسلیم

سیلم اللہ خاں، تسلیم تخلص۔ ساکن عظیم آباد۔ بندہ بادشاہی موروثی، بافقیر دوستی و اخلاص دارند۔ دریں روزہا فکر شعری نمایند۔ حق تعالیٰ سلامت دارد۔ از دست:

چرخ کج رفتار کے ہاتھوں سے تو روتا ہے کیا
صبر کر کے بیٹھ رہ اس رونے سے ہوتا ہے کیا
کچھ تجھے بھی فکر ہے پرسش کا روز حشر کی
ٹک تو اب بیدار ہو غافل پڑا سوتا ہے کیا

کام جو کچھ کہ مرا ہے سو کیے جاتا ہوں
مرتے مرتے ہی ترا نام لیے جاتا ہوں

کیا ہی گئی ہے عمر سبک داڑی ہوئی
میں دیکھتا ہی رہ گیا اس گرد راہ کو

خالی پڑا ہے شیشہ اور ہے ایاغ خالی
اوپر سے تو کرے ہے ناصح دماغ خالی

بلبلا سمجھوں ہوں میں اس ہستی موہوم کو
کوئی دم کو پھوٹ جاتا ہے حباب زندگی

منصور کو انا الحق کہنا بہت بجا ہے
جب زنگ آئینہ سے دور ہو گیا صفا ہے

رونا آنکھوں کا ہے سرشت مری
چشم کیا ہے وبال رکھتے ہیں
آہ و نالہ بجز اپنا کام سا ہے
مونس اپنا ملال رکھتے ہیں
ذکر غم کا مجھے خوش آتا ہے
ہم بھی قیل و قال رکھتے ہیں

محبت میں نام اپنا کر جائیں گے
جو اور کچھ نہ ہوگا تو مر جائیں گے
نہ سوکھے گا آنسو کبھی آنکھ سے
ترے غم میں ہم چشم تر جائیں گے

سکندر

شیخ سکندر، سکندر تخلص۔ بیشتر مرثیہ می گویند۔ شعر ایشاں کم بسمع فقیر رسیدہ۔ از دست :

شعلہ آہ سے اور اشک سے طوفاں ہے یہاں
آتش و آب عجب دست و گریباں ہے یہاں
گلبدن کو یہ لکھا ہم نے سکندر نامہ
داغ ہجراں سے مرے دل میں گلستاں ہے یہاں

شوق

میاں حسن علی شوق تخلص[1]۔ از شاہجہانپور است۔ شاعر ریختہ، سپاہی پیشہ شاگرد خان آرزو۔ آشنائے تقی میر۔ دیگر احوال مرقوم در تذکرہ نیست۔

از دست:

قاصد پھرا نہ واں سے جواب تک سو آچکا
القصہ اس گلی میں گیا جو سو جا چکا
اے یاس مجکو کام اجابت سے کیا رہا
وقتیکہ جب دعا ہی سے میں ہاتھ اٹھا چکا

اگر قاصد تیرے کوچہ سے ٹک جلدی نہ آوے گا
تو پیارے دیکھیو پھر تو کہ میرا جیو ہی جاوے گا

دکھا دیدار اے پیارے کہ ہیں فرقت سے مرگذرا
مری فرد اے محشر آج ہے میں کل سے درگذرا
کسی کو باغ دنیا سے نہ دیکھا شاد ہم جانے
برنگ شبنم ایک عالم یہاں سے چشم تر گذرا

آج ہی ملو تو بہتر وعدہ غلط ہے کل کا
جیوں طفل اشک میں تو مہماں ہوں کوئی پل کا

---

[1] نکات: ص ۱۱۷

کیا کیا ستم نہ تھے جو کیے چشم یار نے!
جو سختیاں تھیں مجکو زمانہ دکھا چکا!

میں اپنی کم زبانی سے عزیزاں گرچہ مرتا ہوں
لب زخموں سے قاتل کا ادائے شکر کرتا ہوں
عبور بحر دریا میں سبک ساری سے کرتا ہوں
حباب آسا شمار دم سے بے کشتی گذرتا ہوں

ماتم میں میرے کوئی نہ رویا تو غم نہیں
تربت پہ میری شمع کا ہنسنا بھی کم نہیں
تردار کس پہ کھینچتے ہو ہم تو مر چکے
پیاسے ہو کس کے خون کے ہم میں تو دم نہیں

مدت سے یہ بحث درمیاں ہے
پر علم نہیں کمر کہاں ہے

بجز مروڑ کے عاشق سے کچھ خیال نہیں
ہم اوسکی زلف کو جانا بڑی ہے سودائی

بجھے گی آتش دل ہم نے جانا تھا گھٹا آئی
ہوائے ابر نے دونی ولے یہ آگ بھڑکائی

آپکا خط بھی نیرانت نیا یک ناز ہے
ہو چکی آخر بہار اور اب نئیں آغاز ہے

خبر لے شوق کی ظالم تیری فرقت سے مرتا ہوں
برا زتر دار ہے ادہر جو کوئی دم گذرتا ہے

شاعر

میر کمال الدین حسین، عرف کلو، شاعر تخلص[1]۔ خویش و شاگرد حضرت خواجہ میر درد موصوف ساکن شاہجہاں آباد۔ بزمانی خواجہ صاحب میرالم معلوم شدہ کہ فکر ریختہ می نمایند۔ از دست :

پھبتا ہے کیا ہی تجکو اے یار مسکرانا ٹک واسطے خدا کے یک بار مسکرانا

رُباعی

شاعر تو گویا چھاتی پہ سنگ آیا ہے یا دل پہ مرے قید فرنگ آیا ہے
ہاں ہاں تجھ سے خدا چھڑا دے جلدی ہے ہے میرا تو جی تنگ آیا ہے

اپنے کانو سنا ہے لاکھوں بیری کہتی ہے خلق خدا دیکھ صورت میری
تو کس بے رحم کا ہوا ہے عاشق ہے ہے شاعر یہ نوجوانی تیری

شاغل

شاغل[2]، جوانے بود شاگرد بسمل، در دہلی گاہ گاہے پیش تقی میر ہم می آمد۔ از دست :

جاتی نہیں ہے اس سے تیری فکر زلف و رُخ
شاغل کو روز و شب ہے یہ اذکار زلف و رخ

---

[1] شاعر کا ذکر ناسخ نے بھی کیا ہے۔

[2] نکات، ص ۱۲۶

شعوری

از شعوری جالاپوری[1]

برسات میں نہ دیکھا نظر بھر کر آفتاب
روشن ہے یہ کہ عاشق ہوا تجھ پر آفتاب

شیفتہ

میر محمدی، شیفتہ تخلص، وطن جائے دیگر است، الحال در شاہجہان آباد استقامت دارد۔ از دست:

ایک تو دل مرا مدت سیتے سودائی ہے
تس پہ کیا دھوم ہے دیکھو تو بہار آئی ہے

شیدا

شیدا۔ شاعریست از شاہجہاں آباد لیکن احوال او در تذکرہ مرقوم نیست یک غزل در بیاض علی پسر میر نظر علی کہ تازہ وارد اند، از مرقوم بود۔ از دست میں کھینچنے والا ہوں جفا عشق کے نالے اے حسن کش آگے نہ مرا ہاتھ قلم لے

ہے چہرہ بدل مہر مرے شوخ سے یارو کچھ اوسکی جھمکتی نہیں دستار فلک پر

---

[1] نکات: ص ۱۰۰

شیفتہ

سید اللہ بخش، شیفتہ تخلص۔ از چند سال در عظیم آباد قیام می دارد و اکثر مرثیہ می گوید۔ چنداں مربوط نیست کہ احوال او مفصل معلوم شود۔ سیزدہ شعر خود انتخاب نمودہ مرسلہ ازاں جملہ چند شعر مرقوم گشتہ۔ از دست:

جوش سودا کا ہوا چلیے او جاڑوں کے بیچ
رو دیئے خوب پٹک سر کو پہاڑوں کے بیچ

تیری زلفوں میں نہیں یہ دل وحشی میرا
مجنوں بیٹھا ہے سجن بید کی جھاڑوں کے بیچ

سرد مہری سے ترے مکھ کا ہوا اور ہی چاؤ
جیسے خورشید کہ خوش لگتا ہے جاڑوں کے بیچ

گل ستے خوشیاں نہ کرنے پائے اے صیاد ہم
ساتھ تیرے ہائے گلشن سے چلے ناشاد ہم

کہو اوس ظالم بے رحم کو اب یاد کیا کیجئے
جو کہتا ہے کہ اوس ناشاد کیتیں شاد کیا کیجئے[1]

شاہ

شاہ سعد اللہ، لقب عشق علی متخلص شاہ، مرید شاہ کریم اللہ سلمہ اللہ

---

[1] آخری دو شعر حاشیے پر درج ہیں۔

جانشین حضرت شاہ ازاں قدس سرہ، شاگرد خواجہ میر درد و مہربان حال این عاصی۔ از دست:

ہر ایک نے تلاش کیا تیرے میاں کا
پر علم کسی کو نہ ہوا رازِ نہاں کا
ادراک کیا فہم نے جو جس کے جہاں تک
اثبات ہوا اوسکو وہاں اپنے گماں کا

ایک بار تجکو دیکھنے گر پاوے آفتاب
ہر صبح اوٹھ گلی میں تیری آوے آفتاب

اشک پر اشک ٹپکے ہیں مری آنکھوں سے
یاد آتی ہے وہ عجب موسم برسات کی رات

نہ ذوقِ باغ نہ شوق فضائے کشت مجھے
جہاں ہے یار میرا ہے وہی بہشت مجھے

قطعہ

ادھر تو شیخ پکارے ہے آ تو کعبہ کو
ادھر کہے ہے برہمن کر چل کنشت، مجھے
عجب دو راہے ہیں آ کر کے اتفاق ہوا
کدھر کو دیکھیے لے جائے سرنوشت مجھے
کسی کے تکیہ مخمل سے کام کیا ہے شاہ
بہت ہے سر تلے رکھنے کو ایک خشت مجھے

قطرہ و بحر میں نہیں کچھ فرق　　گرچہ قطرہ ہیں عین آب ہیں ہم
کشورِ باطن کے سلطاں ہیں　　شاہ ظاہر ہیں گو خراب ہیں ہم

شور

خواجہ عاصم خاں، فرزند رشید خواجہ محمدی خاں غفرلہ، شور تخلص، مرد یست صاحبِ اخلاق و خوش خلق و عابد۔ ساکن شاہجہاں آباد۔ الحال در موضع منہاری قیام می دارند۔ شاگرد حضرت شاہ رکن الدین عشق عرف مرزا گھسیٹا مدظلہ العالی، گاہ گاہ فکر می فرمایند :۔

لوگوں کی .... مر گئے ہم　　تھا حق وفا سو کر گئے ہم
تیرا ہے خیال دل ہیں وہیں !　　گو آپ سے گذر گئے ہم

بستا ہے تو میرے یار جی میں　　اس پر بھی نہیں قرار جی ہیں
ظاہر ہیں ملیں ہیں گو کہ روکھے　　کرتے ہیں پہ تجکو پیار جی میں

صیاد تو ملول نہ کر اس بہار میں　　کیا حسرتیں بھری ہیں دل داغدار میں

حیراں ہوں کیا کروں میں اس لخت دل کے ہاتھوں
ایذا بہت اٹھائی کم بخت دل کے ہاتھوں

رو برو سے تو ٹال آئینہ
ہو گیا ہے وبال آئینہ

آرزو یہ ہے کہ اس طرح سے دن رات کٹے
جتنی باقی ہے مری عمر ترے ساتھ کٹے

سینہ کے سوز سے میری جلنے زباں لگی
یہ آگ یارو آہ کہاں سے کہاں لگی

دن وہی تھے جو ترے پاس کٹے
باقی جتنے کٹے اداس کٹے!

آہ و فریاد تیرے خوف سے کم کرتے ہیں
پر میاں دل ہی سمجھتا ہے جو ہم کرتے ہیں

فصل گل آئی اور اس وقت چمن چھوٹے ہے
آہ بے وقت غریبوں سے وطن چھوٹے ہے

کس طرح سے سامنے اب اوسکے یارو جائیے
ہجر میں جیتے رہے، کیا منھ اسے دکھلائیے

رباعی

دنیا کا جو درد و غم اٹھایا تو کیا
ناحق جو اس عمر کو گنوایا تو کیا
ہم سا ہے جو نا سمجھ جہاں میں اے شور
آیا تو کیا وگر نہ آیا تو کیا

شاداں

لالہ بنگالی لعل، شاداں تخلص۔ مردیست صاحب اخلاق و شائستہ، در محفل مشاعرہ می آمد و شعر غزل طرحی می گفت۔ ساکن عظیم آباد است۔ حق تعالیٰ

سلامت دارد۔ از دست :

ہم نے وفا کا اپنی تماشا دکھا دیا
کھینچی جو اون نے تیغ وہیں سر جھکا دیا

صبر و قرار و ہوش دل و نامہ لے گیا
قاصد بھی یار پاس اک ہنگامہ لے گیا

ہاتھ اس دل سنگیں کے یہ شیشہ حلبی ہے
حافظ مرے اس دل کا، خزینہ وہی ہے
زنہار صبا خاک میرے تو نہ چھونا
جل جاوے گی، اس راکھ تلے آگ دبی ہے
نومید نہ ہو دولت بیدار سے شاداں
مقبول دعائے سحر و نیم شبی ہے

شاہ

مرزا غلام شاہ[1] ساکن شاہجہاں آباد، پسر رحمت یار خاں بن عثمان یار خاں۔

موجود بہر وجود رب ہے
یہ جلوہ گری جہاں میں تب ہے

---

(۱) مرزا غلام شاہ کا ذکر غلام کی رعایت سے "غ" کے ذیل میں بھی کیا گیا ہے۔ ترجمہ اور نمونۂ شعر میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔

شورش

از غلام حسین شورش :-

کیجئے کس طرح سے اس مہر انور کی ثنا

ذرے سے کب ہو سکے ہے ذرہ پرور کی ثنا

لاکھ کو جب میں ایک کر جانا ۔ تب خدا کو میں اپنے پہچانا

قطعہ

عشق کی آگ زور بھڑکی ہے

سو جھتا ہے ہر اک کو جل جانا

شمع جلتی ہے اک طرف شورش

اک طرف جلتا ہے یہ پروانہ

نہ ہوتی شمع گر روشن نہ جلتا کوئی پروانہ ۔ نہ آتا حسن جلوے میں نہ ہوتا کوئی دیوانہ

عجب قسمت ہماری ہے، پڑا ہر کام پتھر سے ۔ بطور کوہ کن اٹھ کر ہمیشہ سر کو ٹکرانا

ترے کوچے میں ہم کو یار جانا ۔ کریں نفریں گو سارا زمانا

رہے دونوں سلامت زیر گردوں ۔ مری فریاد تیرا مسکرانا

ہنسی کی بات شورش سب گئے بھول ۔ مگر اک یاد ہے رونا رلانا

یاں جان کا ہے سودا افشائے راز کرنا ۔ منصور کے سخن سے ٹک احتراز کرنا

ہمارے دل کے کئی ہیں نام اس پردے میں دنیا کے
کوئی کہتا ہے کعبہ ہے کوئی کہتا ہے بت خانہ

کیونکر ظہور نور ہو اس آفتاب کا — باعث پڑا ہے میرا تعین حجاب کا
بنیادِ چشم سیل سے آنسو کے بہہ گئی — احوال کیا کہوں دل خانہ خراب کا
ہستی کو کچھ قیام نہیں ہے ہزار حیف — اک دم میں پھوٹ جاتا ہے کاسہ حباب کا
شورش کا دل تو آگ میں لوٹے ہے روز و شب — چسکا پڑا ہے یار کو جب سے کباب کا

وہ روشنی دے بار خدایا تو چشم کا — اٹھ جائے جس سے فرق سیاہ اور سفید کا

مشتاق میں ہوں کب کسی حور و قصور کا — شیدا ہوں جان و دل سے میں اپنے ظہور کا

قطعہ

سننا نہ بات شیخ کی ہرگز بگوش دل
اور مبتلا نہ ہونا کبھی اس کے زور کا
جو کچھ کہے گا فیض الٰہی وہ تجھ میں ہے
مظہر تو ہی بڑا ہے غرض اس کے نور کا
دوڑے ہے کس لیئے تو بڑا کہہ ادھر ادھر
شورش دیوانہ میں ہوں ترے اس شعور کا

شہ رگ سے متصل ہے نہ دیکھے تو کیا کروں
ناحق تو قصد کرتا ہے واللہ دور کا

احوال لکھے کیوں کے کوئی تیرے ستم کا — نے تاب ہے کاغذ کو نہ مقدور قلم کا
کس زیست پہ تعمیر کرے کوئی عمارت — اس عالم ہستی کو بھروسا نہیں دم کا

اے باد صبا تجھ کو ارادہ ہے کدھر کا — رکھتا ہے یہ دل ساتھ ترے عزم سفر کا
اس طرح گزرتی ہے مری شاہ گدا سے — ممنوں نہیں ابر سے جو مرے ثمر کا

بلندی ساری دنیا کی مجھے ڈھتی نظر آئی
گزند اس کو پہنچتا نہیں عجب رتبہ ہے پستی کا
گریباں چاک کرنے کو میں چاہا تھا تو کر بیٹھا
دیوانہ میں تو ہوں شورش تری اس پیش دستی کا

رتبہ ہے وہ بلند مرے دل کی آہ کا — پہنچے نہ علم جس کو کسی اہل جاہ کا
خورشید رو کے میرے تجلی کچھ اور ہے — اس کے مقابل ہو سکے منہ دیکھو ماہ کا
ممکن ہے یہ کہ ریگ بیاباں کریں شمار — اک نہیں شمار ہے تو ہمارے گناہ کا

گلوں پہ جی کو جلانا ہے کام بلبل کا
اسی سبب سے یہ روشن ہے نام بلبل کا

کروں احوال کیا ظاہر کسی سے جاں فشانی کا
یہاں تو نام آتا نہیں زباں پر قدر دانی کا
کوئی پوچھے یہ بلبل سے گلوں بن کیونکے جیتی ہے
ہمیں تو ایک دن بھاری ہے اس میں زندگانی کا
یہ کس جلادِ عالم کو دیا ہے تو نے دل شورش
مجھے افسوس آتا ہے تری اس نو جوانی کا

مجھکو رلایا دل کو پھنسایا آنکھوں نے کیا کام کیا
ہنسی کرائی آخر ہے ہے عالم میں بدنام کیا
بیٹھی کیا ہے اٹھ چل شیریں سنتے ہیں فرہاد نے آہ
پتھر سے سر مار کر اپنا اس نے کام تمام کیا

دفتر کو میں جہان کے رد کر ڈبو سکا | پر اپنی سرنوشت کو ہرگز نہ دھو سکا
شورش ترے ہی نالۂ جاں کاہ سے تو رات | چاہا کہ سوؤں کوئی گھڑی پر نہ سو سکا

اگر واقعی بے مروت ہے یہ دل ۔۔۔ گیا آج نہیں کل کو جاتے رہے گا

شورش کے آہ و نالہ کو برباد تو نہ دے | جو مر گیا کہیں تو جلایا نہ جائے گا
گلشن تو کیا بلا ہے میاں ہم سے تم بغیر | جنت میں بھی قسم ہے کہ جایا نہ جائیگا

داستاں اپنی گر سنائے گا ایک عالم کے تیئں رلائے گا
کون دل سوز ہے مرا شورش شمع ساں جس پہ دل جلائے گا
لہر کوئی آگئی اگر دل میں تو تماشا تمھیں دکھائے گا

ملتے ہی یار جب بگڑ بیٹھا آج کو یہ ہے کل کو کیا ہوگا
آشنا کا جو آشنا ہوگا آشنا سے وہ کب بڑا ہوگا

پیدا کوئی دنیا میں تجھ سا نہ ہوا ہوگا گر کوئی ہوا ہوگا ایسا نہ ہوا ہوگا
ایسا نہ گرا ہوگا قطرہ کوئی آنسو کا جو گر کے زمیں اوپر دریا نہ ہوا ہوگا

رونے کو ذرا طول نہ دے عشق میں شورش
ہمسایہ تجھے کہتا ہوں بدنام کرے گا

تو بات کہے گا، ہم سنیں گے وہ دن بھی کبھی خدا کرے گا

منظور اگر یار کو اغیار نہ ہوتا تو اشک سے مژگاں کو سروکار نہ ہوتا
گر سب میں نمایاں تری ہوتی نہ تجلی کوئی کسی صورت کا گرفتار نہ ہوتا

جدائی کا بڑا دکھ ہے اگر کوئی خط بھی آجاتا
تو بارے اس کو میں اس درد میں تعویذ جاں کرتا

جاں تجھ بن رہا نہیں جاتا　مجھ سے یہ دکھ سہا نہیں جاتا
کوئی دم ہے کہ آنکھ سے آنسو　تیری دولت بہا نہیں جاتا
دل پہ میرے جو کچھ گذرتی ہے　کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا

بار اغیار خوش نہیں آتا　آنکھوں میں خار خوش نہیں آتا

آنے سے خط کے منہ کا ترے کیا ضرر ہوا　تو سبز رنگ تھا ہی میاں سبز تر ہوا

کیا جانے کہ ہجر میں آنکھوں کو کیا ہوا
جاتا ہے سیل اشک سے دریا بہا ہوا
آنسو جو آستیں سے نہ پونچھوں تو کیا کروں
لخت جگر سے ہے مرا دامن بھرا ہوا
رکھنا قدم سنبھل کے اسے برگ گل نہ جان
شورش کا لخت دل ہے یہ ظالم پڑا ہوا

جب گیا ہوش مرے ہاتھ سے تب غش ہوا　خوب سمجھا کہ سمجھ کر کے میں خاموش ہوا
جن دلوں کان نہ تھے سنتے تھے سب کی شورش　بات سننے سے رہے خلق کی جب گوش ہوا

جو کوئی چاہے اسے توڑ کر بہا دیوے　ہمارا سر نہ ہوا کاسہ حباب ہوا
چھپائے چھپتا نہیں اب کسی طرح شورش　ہمارا داغ جگر تھا سو آفتاب ہوا

عشق کے ہاتھوں میں گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا
دل مرا درد سے نالاں نہ ہوا تھا سو ہوا
دیکھ رفتار کو اس شوخ کی بولا شورش
آج تک سروِ خراماں نہ ہوا تھا سو ہوا

آپ سے قید ہی ہوئے جاتے ہیں دیوانے تمام
کس قدر شورش پہ ہے اس سال زنداں کی ہوا

دل جو پامال کیا غیر کے کہنے سے مرا   قدر کی تو نے یہ اسکا بھی سزاوار نہ تھا

جو ترے ہاتھوں سے ہم نے اٹھائے یار   آنکھوں سے دیکھنا بھلا، کانوں سنا نہ تھا

قطعہ

خدمت میں تیری نامہ جو بھیجا تھا ہم نے یار
اس میں بجز سلام و دعا اور لکھا نہ تھا
کیا حرف تھا کہ جس پہ مکدر ہوا مزاج
تجھ سے یہ ظلم آج تلک تو ہوا نہ تھا
نامے کو پھاڑے گا کیا نامہ بر کو قتل
جو کچھ کہ تو نے سمجھا مرا مدعا نہ تھا

یار ملنا ہی تجھے مجھ سے تو منظور نہ تھا
ورنہ یہ خانۂ غمخوار تو کچھ دور نہ تھا

کیا کہوں یار ترے تیر نگہ کے ہاتھوں
کونسا سینہ تھا جو خانۂ زنبور نہ تھا

یک قلم دیکھا تری چشم جہاں بیں کے حضور
سر اٹھا کر چلے نرگس کو یہ مقدور نہ تھا

عشق نے دل کو جلا کر خاک ناحق کر دیا
گو برا تھا یا بھلا اپنا ہی دولت خانہ تھا

ملتے ہی اس دوست سے دل میرا دشمن ہو گیا
پھر نہ کچھ سمجھا گیا اپنا تھا یا بیگانہ تھا

تو جو اغیار سے لے لے کے بڑا کہتا تھا
سن کے آنسو مری آنکھوں سے بڑا بہتا تھا

ایک دن مکر دگے تم ہی کے نشے کو مجھے
میں اسی سوچ میں ہر وقت میاں رہتا تھا

میں وہ نازک طبیعت ہوں جہانیں کوئی بہودیگا
اٹھا سکتا نہیں مطلق سخن کا بار دل میرا

پہنچ گئے یاں تلک کو میں تمہارے عشق میں شورش
ہوا باعث اذیت کا جو تھا غمخوار دل میرا

دوستی کرنا کسی سے دشمنی ہے آپ سے
سخت دل ڈرتا ہے یارو آشنائی سے مرا

روبرو لانا نہ اسکے آرسی شورش کبھی
بھاگتا ہے کوسوں ہی دل خود نمائی سے مرا

وہ دے شراب مجھ کو ساقی ہوں جس سے بیخود
اٹھ جائے سامنے سے یہ ننگ و نام تیرا
دیر و حرم میں جاکر ٹک کان دھر سنو تم
مذکور ہر مکاں میں ہے صبح و شام تیرا

عالم کو گو نہ سوجھے ظاہر ہے نور تیرا
ہر جسم و جاں میں دیکھا ہم نے ظہور تیرا
شاغل تو جانتے ہیں نزدیک دل سے تجھ کو
غافل کے جان و دل سے ہے دھیان دور تیرا

کہتے ہیں آہ مجھ سے رکھنا نہ تم توقع
اب دور جا بسا ہے ہم سے اثر تمھارا

ملنے سے تیرے کچھ نہ ہوا کام ہمارا
اور مفت میں بدنام ہوا نام ہمارا
ایسا ہی گنہ گار ہوں جیتا و نہ چھوڑے
سہوا ہی اگر لیوے کوئی نام ہمارا

میں درد دل سے اپنے ظالم کو جوں پکارا
کہنے لگا کہ چپ رہ بھر میں نے دم نہ مارا

چھوڑا جو تم نے مہر و وفا کو بھلا کیا
لیکن ستم بھی چھوڑ دیا یہ برا کیا

عاشقی میں کام ہم نے دو کیا جو کسی سے بن نہ آیا سو کیا
کس طرح چھوڑوں میں اے ناصح شراب لطف ساقی نے مجھے بدخو کیا
ایک ہی تر روار تھی بس ذوالفقار جس کے تیں مارا برابر دو کیا
عاشقی کرنا نہ تھا شورش مجھے کہہ اٹھا کوئی کچھ کہے اب تو کیا

کہتا ہے تو کہ جان کو رکھتا ہے یہ عزیز کب داغ دل کو تیر نگہ کا سپر کیا

تنہا نہ میں ہی عشق میں رو رو کے مر گیا
دیکھا تو اسکے چلتے اک عالم کا گھر گیا
بے عشق مردہ دل ہیں سبھی گو جیا کریں
ہے زندہ وہ جہان سے جو بے جسم تر گیا

اک آن میں گدا سا پر اک شاہ ہو گیا دست تہی یہاں سے گیا آہ جو گیا
شکر خدا کہ یار کو دیکھا ہے خواب میں جاگے تھے میرے بخت کہ اسوقت سو گیا

اک جام مے کا ساقی تو نے دیا تو پھر کیا
اس کو اگرچہ ہم نے تنہا پیا تو پھر کیا

اے دل مایوس تو روتا ہے کیا کوئی دم میں دیکھ تو ہوتا ہے کیا
ہم سفر تو کوچ کر جاتے رہے چل نکل تو بھی پڑا سوتا ہے کیا
قتل شورش تجھ پہ ثابت ہو گیا رنگ خوں دامن سے تو دھوتا ہے کیا

اشک کے افراط سے ڈوبے ہے عالم بڑا
چشم کہاں حق نے دی مجھ کو تو دریا دیا
گل دیا بلبل کے تیں سرو دیا قمری کو
شورش شیدا کو دیکھ حق نے یہ صحرا دیا

ہم نے جو کچھ نیاز میں پایا — شیخ نے کب نماز میں پایا
خوبیاں جتنی ہیں تری محمود — ان کو ہم نے ایاز میں پایا
ہم نے اس بے نشاں کا آج نشاں — اس دل بے نیاز میں پایا

ہے وہی خوب روئے کون سکا — یار آنکھوں میں جس کے جو بھایا

جسے کہ سنتے تھے عقبیٰ میں خلق دیکھے گی — اسی صنم کو میں آنکھوں سے اپنی یاں دیکھا

وفا سے شیریں کی آگاہ تجھ کو کرتا ہے — میرا جو کہنا نہ مانا اے کوہ کن دیکھا

ہم نے عالم کو اک قلم دیکھا — آشنا آشنا سے کم دیکھا

اپنے رونے میں وہ اثر دیکھا — بہہ گیا جس کو آنکھ بھر دیکھا

جہاں میں کوئی ہم نے ایسا نہ دیکھا — ترے عشق کا جس کو سودا نہ دیکھا
معطل سبھی ذات کی فکر میں ہیں — جسے پوچھا کہتا ہے سمجھا نہ دیکھا

ترے دید کو خوب سمجھا جو شورش سوا فہم ناقص کے پروانہ دیکھا

روتا ہوں کس طرح مری جان دیکھنا تک اشک کا ہمارے یہ طوفان دیکھنا

یہ کیا ہے غضب غریب پرور لکھنا جو کبھی عتاب لکھنا

ہمیں تو جام خالی سے ہمیشہ کام رہتا ہے
نہیں معلوم اے ساقی کہاں معمور ہے شیشہ

جسے تم قبر کہتے ہو وہ مشتاقوں کی خلوت ہے
جہان فانی میں ہوتا نہیں ایسا مکاں پیدا
فلک انسان کامل کو غذا بہتر نہیں دیتا
ہما کے واسطے دیکھو کیا ہے استخواں پیدا

یہ طفل اشک جانا تھا کہ کچھ بہتر ہوا پیدا
نہیں رہتا ہے آنکھوں میں عجب ابتر ہوا پیدا
فلک کا تاج جس سے ہے زمین کے سر مبارک پر
غذا کے گھر میں سچ بولو بجز حیدر ہوا پیدا

غیر دشنام بات نہیں کہتا کیسے کافر کے منھ میں نام پڑا

ذرا عز و ورے شورش ورے پرے رہنا　　بہت برا ہے فراست میں خودنمائی کا

جہاں کے کام میں ساقی یہی کچھ کام بہتر تھا
پلانا تشنہ لب کے تئیں اگر کوئی جام بہتر تھا
ہوا کہہ کیا برا اس میں جو حال دل کہا میں نے
نسیم صبح گر کہتی مرا پیغام بہتر تھا
شریف کعبہ بن بیٹھے پہ یہ حسرت رہی جی کو
لکھا جاتا جو میخواروں میں میرا نام بہتر تھا

نہ پوچھو دل کو میرے تم کہاں تھا　　قیامت تھی جہاں برپا وہاں تھا
نسیم صبح نے آکر جگایا　　نہ اٹھا واں سے میں سوتا جہاں تھا
سگ کوئے بتاں نے بھی نہ کھایا　　الٰہی کیسا میرا استخواں تھا
ذرا تو بیٹھ لیتا دل میں میرے　　میاں یہ بھی تو اپنا ہی مکاں تھا

کیا اظہار کس نے عشق کا راز　　یہ دل واقف تھا اس سے یا کہ تو تھا
مقابل ہو گیا جی کھو کے شورش　　سنا ہوگا وہ کیسا تند خو تھا
تعین کے گئے پردے جو سب اٹھ　　وہی اک یار میرے روبرو تھا

شور اس کے جور کا از بسکہ تھا گھر گھر پڑا
کام اس ظالم سے شورش تیرے تئیں کیونکر پڑا

ہے نام خدا نام سے معبود کی پرستش — کوئی نام نہیں لیتا ہے بے نام و نشاں کا

ساقی نے آج ہم کو نشہ سے جھکا دیا — شیشہ ہی میرے منھ سے اٹھا کر لگا دیا
کیا ظلم ہے کہ پڑھ کے مری سرنوشت کو — راحت کا نام یار نے لے کر مٹا دیا
کس کی نگاہ گرم پڑی آہ اس قدر — مانند طور خانۂ دل کو جلا دیا

بتوں کے عشق میں شورش مجھے مرنا ہی بہتر تھا
اگر میں جی بچاؤں گا تو میرا نام کیا ہوگا

شکر گردن میں مرے طوق گریباں نہ پڑا
تیری الفت ہی رہی میرے گلوگیر سدا
ایک دم سے نہ ملی زخم کو فرصت شورش
دل میں چبھتا ہی رہا آہ کا یہ تیر سدا

شیشۂ دل بیمار ا پھوٹ گیا — اس تعین سے صاف چھوٹ گیا

اک دم کی ملاقات کو مرتا ہوں میں شورش — دنیا میں کوئی مجھ سا بھی ناشاد نہ ہوگا

دلی دوستی کا تو مذکور کیا ہے — کبھی پیار اس کا زمانے نے دیکھا؟

دل ہمارا ہو گیا مفتون اس دلدار کا — ناصحو کیا فائدہ دیوانے سے تکرار کا

ایک عالم ہو گیا سیراب اسکے آب سے　　تشنہ لب اک میں رہا ظالم تری تروار کا

تجھ سے سمجھا کہ یار سب ہو گا　　اب تلک کیا ہوا جواب ہو گا
اتنا جانوں ہوں رونا شورش کا　　بے سبب نیں ہے کچھ سبب ہو گا

جدائی کا دل پر یہ کچھ غم رہے گا　　قیامت تلک جس کا ماتم رہیگا
چلا ہی کریں گے جو سنگ حوادث　　کہاں تک یہ شیشہ مسلم رہیگا

کیا جا کے کرے عیش کوئی شیخ کے گھر میں　　اک دانۂ تسبیح ہے شیشہ نہ پیالا

جس وقت خداوند نے عاشق کو بنایا　　آتش میں محبت کی اسی وقت جلایا
یہ خاک تری جاوے گی برباد اے شورش　　دامن کو اگر اس کے ذرا ہاتھ لگایا

احکام شرع جتنے تھے اکثر جدا ہوئے
گرویدہ ہو کے ہم سے اک اسلام رہ گیا

ممکن نہیں جو گھر کا پتہ اپنے بتاوے　　پوچھا تھا غرض نام تو کچھ اور بتایا
حیراں ہوں اسی فکر میں پر آن اے شورش　　دل لیکے مچل جانا اسے کس نے سکھایا

اس دلربا کی ہائے محبت کو کیا ہوا
اے یہ بھی در کنار مروت کو کیا ہوا

سو طرح کی خوشی ہے وہلے دل خوشی نہیں
اس زندگی کی ہائے حلاوت کو کیا ہوا
ساقی نے چشم پوشی کیے گو کہ میرے ساتھ
اے دوستاں تمہاری سخاوت کو کیا ہوا

واہ ساقی تو نے بھلا لایا — کیا تو پینے گیا تھا کیا لایا
پوچھ بیٹھے ہیں گے ہم رقیبوں سے — اب کے جینا اگر خدا لایا

افسوس ہے نہ کھایا سگ در گر بہ نے ترے — جز و بدن ہما کا مرا استخواں ہوا

جب تک کہ ہوں قفس میں ناچار ہوں اے خوش
کچھ اور ہوگا عالم گر میں (قفس سے) نکلا

ہوا دل زلف کا جب سے ہو دا نا — نکالا اور ہی اس نے شاخسانہ

سو عشق کیے دل کو پر آرام نہ آیا — رونے کے سوا عشق میں کچھ کام نہ آیا

اظہار تشخص مجھے کر نہیں اپنا — بینا جو کوئی ہووے گا پہچان سکے گا

نام لیتے ہی یار بوسے کا — کہہ اٹھا صاف یہ قرار نہیں
کون کہتا ہے چشم نرگس میں — تیرے آنے کا انتظار نہیں

احوال مرا سن کے خیران ہوا ہوگا	خیران ہوا ہوگا گریان ہوا ہوگا

گل کی نظروں میں جو دیکھا تجھ کو خار اے عندلیب
حال پر روتا ہوں تیرے زار زار اے عندلیب

مومن اور کافر کا میں کرتا نہیں بے جا ادب
مقتضیٰ ہے عقل کی کرنا ہر اک دل کا ادب

اگرچہ لطف نہیں رکھتی بے کباب شراب	خمار ہے مجھے ساقی پلا شتاب شراب
عجب نہیں جو تمنا میں اس کی مر جاؤں	اٹھوں میں حشر میں کہتا ہوا شراب شراب

منہ پر ہمارے داغ کے کب آئے آفتاب	بے تاب ہو کے گرمی سے جل جائے آفتاب

کس زخم پہ مارے ہے اے یار پشت دست
لوہو سے دیکھتا ہوں میں گلزار پشت دست
دیتا ہوں سر پٹکتا ہوں میں تیری یاد میں
بستر پہ جیوں بکھارے بیمار پشت دست
ہم تو نگاہ تند کے عہدہ برآ نہیں
وے اور ہی ہیں جو کھاتے ہیں اے یار پشت دست

پیدا کیے جہان میں ہم نے ہزار دوست	تجھ سا پر ایک بھی نہ ملا مجکو یار دوست

کیا ہوا ساقی بھی کیونکر ہوئے نہ ہوشیار مست
دیکھتا ہوں میکدے میں ہے در و دیوار مست
ساقی ایسی مے پلا جس میں خودی جاتی رہے
بیخودی میں بھول جاوے ایسے ہوویں یار مست

نقش پا کی روش ہری آنکھیں ہو گئیں انتظار کی صورت
تجھ سوال پہ میرے جز خفگی نہیں ایک سے بے ہزار کی صورت

جو کچھ شانہ کرے ہے زلف کے ہر تار کی خدمت
وہ کب ہوتی ہے دست نارسا سے یار کی خدمت
یہ ممکن نیں کہ مجھ کو جس نے ہوا ابرو ے قاتل سے
کیسی ہے ہم نے ساری عمر اسی تروار کی خدمت

یا رب عا پیتے نیں شراب درست بلکہ پیتا نہیں ہے آب درست

کیوں کر بھلاؤں جی سے اس آشنا کی الفت
کھٹکے ہے میرے دل میں اپنی وفا کی الفت

دل داغ ہوا دیکھ کے پروانے کی جرأت
کیا ہاتھ لگی ہے اسے جل جانے کی جرأت

نہ جاتا آگے ہستی سے قدم لیکن کوئی انساں
رخنوں نے بھر کے جانے کا ہوا حب الوطن باعث

جانا کہ ہم ہوئے تھے ترے مبتلا عبث — زیادہ ستا نہ مجھ کو ارے بے وفا عبث
ہر شخص اپنے کام میں مامور ہے یہاں — کرتا نہیں ہے خلق کسی کو خدا عبث

قطعہ

شورش سے میں نے پوچھا تری کیوں ہے چشم تر
اتنا تو کیوں ہے کہہ بھی میاں بے قرار آج
کہنے لگا کہ کیا کہوں میں تجھ سے حال دل
درپیش ہے گا مجھ کو عجب اضطرار آج
سنتے خبر ہوں یار کے جانے کی کل کے روز
روتا ہوں اس سبب سے میں زار و نزار آج

عجب نہیں کہ ترا ہوں میں دل رہا محتاج
غرض کہ شاہ کا ہوتا ہے ہر گدا محتاج

گر کبھی پوچھے کوئی تعریف تجھ زلفوں کی یار — سو زباں ہو کر کہوں میں ہو بو شانے کی طرح

بہار آنے دے گلشن میں تحمل کر ذرا ناصح — دکھا دوں گا گریباں کو کوئی دن میں کلا ناصح

وعدہ کر ہے ہے آنے کا رات ہم سے یار صبح
گذری ہے راہ دیکھتے یاں کئی ہزار صبح

یہ کس دست حنائی نے کیا چاک گریباں ہو رہا ہے جا بجا سرخ

قطعہ

شورش گیا میں مجلس ہولی میں ایک رات
از عرش تا بہ فرش ہر اک تھا مکان زرد
محفل کا واں کے رنگ میں اظہار کیا کروں
تھے سب لباس پہنے ہوئے مہربان زرد
رنڈی سے ایک
چمپے کا ہار ڈالے گلے نوجوان زرد
ضمنا تھے مار قمقہ ابرک کے دست و برد
پچکاریوں کے رنگ سے تھا آسمان زرد
اودم گلیں تھیں جو ٹٹی ہر ایک متصل
روشن تھی کہربا کی گئی شمع دان زرد
ان سب میں ایک بیٹھا تھا مسند پہ دل ربا
سونے کا آگے رکھے ہوئے پاندان زرد
بس دیکھتے ہی آنکھوں کو یرقان سا ہو گیا
یاں تک ہوا کہ ہو گئے سب استخوان زرد

اس شب بے میرا حال یہ پہنچا ہے یا نصیب
ہوتا ہے مرض موت میں جوں نیم جان زرد

عشق کو کچھ لباس شرط نہیں   خواہ پھر ہو سیاہ خواہ سفید

قطعہ

ہجر میں روتے روتے لیل و نہار
ہو گئے سارے مو سیاہ سفید
تو بھی آیا نہ یار اے شورش
مفت میں مو ہوئے یہ آہ سفید

جا کے پوچھا میں راہ چلتوں سے ، تم نے دیکھا کدھر گیا قاصد
ایک بولا کہ کچھ نہیں معلوم   پہنچا منزل یا مر گیا قاصد

ہر اک مسجد میں تو نے جا کے سر اپنا گھسایا ناہ
سوا اک داغ پیشانی تجھے کہہ کیا ملا زاہد

دور ہے شان عشق سے فریاد   گو کریں دل پہ یہ بتاں بیداد
یار میرے کی کھینچ کر تصویر   نقش دیوار ہو گیا بہزاد
کچھ نہ کی ہم نے ان بتاں کی یاد   زندگی مفت میں گئی برباد
قتل کرنے سے گر نہ ہو راحت   ظلم کوئی اور کیجئے ایجاد

قطعہ

یار میرا تو ایسا دانا ہے
دیوے بیہ کو بھی دل کی داد
کوئی مطلب فرد گذاشت نہیں
واہ رے ہوش بل بے تیری یاد

خوب رو باندھتے بازو پہ ہیں اکثر تعویذ
تو بھی اک باندھ مری جان مقرر تعویذ

ہم سنا کرتے ہیں اکثر یوں کہ آتی ہے بہار
جی اگر حاضر نہ ہو پھر کس کو بھاتی ہے بہار

چشم بینا رکھے ہے گر تو یار
کھول کر دیکھ جلوۂ دلدار

قطعہ

علم ظاہر میں سخت جھگڑا ہے
ایک کا رد لکھے ہیں چار ہزار
بس سمجھ جا کہ عقل رکھتا ہے
علم باطن میں کچھ نہیں تکرار

اپنا مطلب تمام کر قاتل
زخم دل کو مرے حساب نہ کر

اس ناتوان دل کو پہلو سے مت جدا کر　　پہنچا ہے پاس تیرے ظالم خدا خدا کر

سب سے بالاتر ہے یارو حیکصفدر کی قدر　　جسطرح ہے دین اور دنیا میں پیغمبر کی قدر

ہر گھڑی اس کا برسنا تم نہ جانو بے سبب
حال پر مجھ چشم گریاں کے پڑا روتا ہے ابر
یار ہے ہم ہیں چمن میں مے سے مطرب مست ہیں
ایک دم تو آ برس جا کیوں مزا کھوتا ہے ابر

تنگ اس دل سے خوب مت کر　　آئینہ کی تو جستجو مت کر
غیر حق کی تو جستجو مت کر　　شورش اسکا خیال تو مت کر
پی ہی جاؤنگا آنکھوں میں ساقی،　　دختر رز کو روبرو مت کر

اس زیست کی تمنا کب تک اے یار بس کر
مرنے سے بھی تو پہلے مرنے کی ٹک ہوس کر
اے شیخ عجب دکینہ کر دور اپنے دل سے
ظالم خدا کے گھر میں مت جمع خار و خس کر

کون مرہم اب رکھے گا یار بن ناسور پر　　رحم آتا ہے مجھے اپنے دل رنجور پر
ان بتان سنگ دل ہیں ہمکو دکھلاتا عشق　　جو تجلی حق نے موسیٰ کو دکھائی طور پر

عشق میں ہیں بہت چھپے اسرار　　اس کا اظہار تو نہ کر زنہار
میں بھی ماضی ہوں تو بھی حاضر ہے　　دیکھتا کیا ہے مار اک تروار

یار ملنے سے ہوں ترے مجبور　　کہ زمیں سخت و آسماں ہے دور

قطعہ

اپنے روزے نماز سے شورش
دل میں اپنے کبھی نہ ہو مغرور
کیا ہوا اگر تجھے ملی جنت
فائدہ کیا جو ہاتھ آئیں حور
یار بن کب مزا یہ دیتی ہے
اس کے ملنے سے تو نہ ہو مسرور
وصل دلدار سخت مشکل ہے
شیشۂ دل بہت ہوئے ہیں چور
یہ مثل کیا سنی نہیں تو نے
ہے زباں زد ہنوز دلی دور

سوز دل سے وہ جو تھا آتش کا پر کالا پہاڑ
طور کی صورت سے جل کر ہو گیا کالا پہاڑ
تو دہ کہسار سو نالے سے ٹل سکتے ہیں یار
ہم سے اک جاتا نہیں انا وہ کا نالا پہاڑ

کیا غضب یالا تھا شورش کیسی موثر آہ تھی
دیکھتے آنکھوں کے جس نے خاک کرڈالا پہاڑ

زندگی بار ہے گی سینے پر مرگ ہنستی ہے ایسے جینے پر

قطعہ

کچھ نہ نکلا کسی سے ہم سے کام
داغ ہے اسکا میرے سینے پر
مفت رسوا ہوئے جہان کے بیچ
نام کھدوا کے ہم نگینے پر

اے یار میں سنتا تھا تجھے عرش بریں پر
کیا ہے کہ تو پھرتا ہے بڑا روئے زمیں پر
جس خاک میں ہر سبزہ ہو تخم محبت
پتھر پڑیں پانی کی جگہ ایسی زمیں پر

بھولی نہیں ہے دل سے ہمارے جفا ہنوز وعدہ وفا کا کرتا ہے وہ بے وفا ہنوز

سچ کہہ نہیں ملا ہے وہ بے دادگر ہنوز
دیوانے! دیکھتا ہوں تری چشم تر ہنوز

الفت میں کب رکھوں ہوں مری جانِ جاں عزیز
سب جانتے ہیں اس کو جو ہیں مہرباں عزیز
ابرو تو در کنار وہ مژگاں پہ مر گیا
میرے سنا ہے دل کو ہے تیر و کماں عزیز

ہوا ہے اشک سے میرے چمن سبز ۔ نہ ٹھہریں کیوں کے یہ گل پیرہن سبز

کب بغیر از گل کے بھاتی ہے مجھے گلشن کی سیر
ایسے ویراں باغ سے باللہ زنداں ہے عزیز
بلبلوں کو گل ہے شورش اور قمری کو ہے سرد
اس دل وحشی کے تیں چشم غزالاں ہے عزیز

اگر مے مجھکو دینی ہے تو ساقی یہ سبو بھر دے
کہ ان جاموں سے ہوئے گا نہیں مجھ کو نشہ ہرگز

رہ تو مہمان میں کہتا ہوں بھلا آج کے روز
رونق بزم ہو لئے جان نہ جا آج کے روز

پڑی صد سال گو پٹکے زمین پر سر کو وہ اپنے
تری آنکھوں کی کیفیت کو کب سکتی ہے پا نرگس

پھر پلکیں نہ لگیں آہ مری آنکھوں کی　　دیکھ صورت کو تری ہو گئی حیران کہ بس

مجھ سے ملتا نہیں ہے یار افسوس　　ایک افسوس کیا ہزار افسوس

بڑھ گیا ہے شور سے رونے کے طوفاں کا تلاش
دیکھتے ہوا ان وندنوں میں چشم گریاں کا تلاش

تجھ کو وہ دل کا ملنا بھاتا نہیں　　کون تجھ سے کرے گا جا اخلاص

دوستی میں شمع کی جاتی ہے پروانے کی جان
بے جہت کوئی جی جلاتا ہے کسی پر کیا غرض

اس طرح شورش سے مل جا جان تو جی کھو نکر　　جس طرح سے گل کو ہے باد صبا سے اختلاط

اس دل شیدا کا شورش کیجیو مت اعتبار　　معتبر نہیں عقل کے نزدیک دیوانے کا ربط

قطعہ

شورش برے کسی سے جدا میں نہیں ہوں دیکھ
لکھتا ہوں پھر یار کو میں ایک بار خط
لیکن میں جانتا ہوں اسے حد غرور ہے
لکھنے کا نہیں ہے مجکو کبھی زینہار خط

اگر حالت میں شورش کی کبھی ظاہر کردوں تجھ سے
دیوانہ سن کے ہو جاوے، پھرے تو دربدر واعظ

چشم نابینا کو شورش کب نظر آتی ہے شمع
ورنہ جلوئے حسن کے کیا کیا نہ دکھلاتی ہے شمع
کل تو جلوائی تھی شورش اس نے پروانوں کی جان
آج کی شب دیکھیئے تو کیا بلا لاتی ہے شمع

سوز دل سے دیکھ لو ہے اس قدر بیتاب شمع
ایک دم آرام سے کرتی نہیں ہے خواب شمع

تب جان لو کہ عشق کا مارا ہوں آہ سے
روشن رکھوں مزار پہ اپنے ہزار شمع

روشنی اس کے گھر سے دیکھا ہے کبھی جاتی نہیں
جس کے گھر جلتا ہمیشہ ہے مروت کا چراغ
چشم میں روشن دلوں کے دونوں ہی تاریک ہے
کیا امارت کا چراغ اور کیا عمارت کا چراغ

لالہ تو کیا دیکھتا ہے مجھ کو دو چار داغ
گوشے میں دل کے ہیں گے مرے بیشمار داغ
کس کس کے واسطے کو جلاؤں میں اپنا جی
مشہور وہ مثل ہے کہ اک دل ہزار داغ

یار کے چہرے کے آگے چشم نیں کرتی ہے کام
دیکھ کوئی سکتا نہیں خورشید تاباں کی طرف

چپ رہو، زیادہ تم نہ بولو اب　　تم سے سمجھا کہ ہو چکا انصاف

دل کھول ملا نہ کھو مجھ سے یار حیف　　منہ ڈھانپ ڈھانپ روتا ہوں زار و نزار حیف

اگر تو دیکھے کبھی وہ مراد ریختا　　کرے تو دیدۂ و دل اس پہ سب نثار صدف
ہر اک در روں میں کہاں اتنی آبداری ہے　　مرے جو آنسو کے قطرے ہیں آبدار صدف

خدا سوائے جہاں میں نہیں ہے کوئی شفیق
ہزار بار من ایں نکتہ کردہ ام تحقیق

لکھوں تو کیوں کے لکھوں سو دیا زبان فراق
زبان خامہ ندارد سر بیان فراق
میں سانس لے نہیں سکتا ہوں ناتوانی سے
وگرنہ شرح دہم با تو داستان فراق

اس زخم کو جانے ہے ہمارا ہی کلیجہ
ابرو کے ترے کاٹ یہ تیر دار تصدق

سنا میں کیا کہوں اب کے کہ کچھ کہنے میں نہیں آتے
ہر اک محفل کو دیتے ہیں ہمارے آشنا رونق
چمن کو گل سے ہے رونق و محفل کو ندیموں سے
مرے ویرانۂ دل کو دیا شورش نے آ رونق

اس کے ہم دیکھنے کے ہیں مشتاق — حسن جس کا ہے شہرۂ آفاق
شعر دلچسپ ہے تو رکھ شورش — ہووے فرزند بد تو کیجے عاق

تو لے دکھائے رنگ جہاں کے ہزار تک — نغزیں خیال خام نہ پہنچا تو یار تک
صحرا میں گو پھرے یہ تمنا ہی رہ گئی — پہنچا نہ آبلے کا جگر نوک خار تک
مجبور ناتوان ہوں بے دست و پا ہوں میں — پہنچا دے سیل اشک مجھے کوئے یار تک
اس موسم خزاں میں یہ شورش کی دھوم ہے — دیکھیں تو کیا گذرتی ہے شورش بہار تک

ساقی کی قسم ہے تو دیوانہ ہووے شورش
دکھلائے اگر شیشہ میں اک بار پری رنگ

کیوں کر ملے گا تجھ کو اے ظالم نشان اشک
ٹپکے ہے خون آنکھوں سے میرے بجائے اشک
قطرہ ہمارے آنسو کا دریائے شور ہے
زیادہ میں کیا بیان کروں عز و شان اشک

کتنی اُٹے بلبل کہاں تک اس ترے گلشن کی آگ
یاں تو دہکائے ہوئے صحرا کی ہے دامن کی آگ
ہم چھپے شعلے کو دل کے تک اگر ظاہر کریں
آب ہوئے شرم سے کیا سنگ و کیا آہن کی آگ
کیونکے آشنا دل جلاوئے بلبل اس گلزار پر
اس خزاں کے ہاتھوں پانی ہو گئی گلشن کی آگ
چشم تر کیوں کر نہ ہوں فرہاد کے ماتم میں آہ
غیر آنسو کے فرو ہوتی نہیں شیون کی آگ

پاؤں مت رکھیو سمجھ لخت جگر آگ ہے آگ
پار مت کیجو کبھی اس پہ گذر آگ ہے آگ
عشق کی آگ ہنیش وہ کہ بجھے پانی سے
دور بھڑکے گی تو کر اس سے حذر آگ ہے آگ

مرتا ہوں ترے ہجر میں آوے گا کب تلک
پہنچی ہے ان دکھوں سے مری جان لب تلک
قاصد کے ہاتھ بھیجا تھا نامہ میں یار کو
غائب تھا کہ لاتا جواب اس کا شب تلک

معلوم نہیں دیر ہوئی کیا جواب میں
وہ نامہ بر نہ پہونچا مرا ہائے اب تلک
شورش کھڑا تو رستے میں اب اسکی راہ دیکھ
پڑھتا پھر اپنے مطلع رنگیں کو جب تلک
مرتا ہوں تیرے ہجر میں آوے گا کب تلک
پہنچی ہے ان دکھوں سے مری جان لب تلک

ظالم مرے مزار پہ گو تو نہ لائے گل
جاؤں ہوں نقش پا کو ترے میں بجائے گل

مر جائے گا فراق میں اس گلبدن کے آہ
شورش کسی نے کوئی بھی گر نہ لائے گل

بھرا ہے اتنا ہی دل میں محبت گلشن تیرے
بجا ہے سبز رہتی ہیں تری آنکھیں سدا بلبل

ہاتھ مے سے نہ اٹھانا کہ سیہ مست نہ ہو
پھر میخانے میں شورش کہیے آنا مشکل

کیا ہوا کرتا نہیں ہیں درد و دکھ اظہار دل
کوئی دیتا ہے کسی کو اس قدر آزار دل

دین و دنیا دونوں جاوے ہاتھ سے کچھ عیب نہیں
دیکھ لو ایسا نہ ہو، یاوے کبھی آزار دل

فصل گل پہنچی نہیں شورش دیوانہ ہو گیا
اب کے دیکھوں ہوں جنوں کے بے طرح آثار دل

جتنا سمجھاتا ہوں دل کو باز نہیں آتا ہے دل
دوڑ دوڑ اس بے وفا کے ہاتھ پھر جاتا ہے دل

کیا کئی تقصیر میری پھر کھڑا ہوس تو لے
بے سبب آزردگی کر کیوں چلا جاتا ہے دل

فصل گل میں کیا کرے ناچار ہو تیرا اسیر
دام میں زنجیر کی گرہوں سے بہلاتا ہے دل

مشابہ جب سے گیسو کا کسی کے تو ہوا سنبل
تب آتا نام چرچے میں ترا یوں جا بجا سنبل

کیوں کے ظاہر کروں میں دل کا حال — یاں تو آتا ہے ایلچی پہ زوال

شکر احساں کا ترے کیا کچھ کریں صیاد ہم
ایک دم گر آشیاں میں جا کے ہوں آباد ہم

شاہ شاہاں ہیں یا گدا ہیں ہم — کچھ خبر نہیں کہ کیا ہیں ہم

وعدے پہ اپنے رونے کے گر آئیں یار ہم — گلزار کو دکھائیں ہر اک نوک خار ہم

مرے آنسوں کے قطروں کو تو کب پہنچے گی بھلا شبنم
میں کہتا ہوں بہا دوں گا مرے منھ پر نہ آ شبنم
ہوا رونے کی میرے دیکھ کر یہ ابر اڑ جاوے
تو آئی ہے ذرا سا ٹپکے آنسو یاں بھلا شبنم

سنو ز کہنے نہ پایا تھا وہ پیام تمام — کہ اس نے کر دیا قاصد کا میرے کام تمام

کب تک رہیں مکدر آپس میں یار ہم تم
ہے روز عید کر لیں رفع غبار ہم تم

کب چشم تھی نہ اس سے اے مردمان دیدہ
روئیں گے اس طرح سے سیل و نہار ہم تم

ہائے مجنوں جب تلک جیتا تھا نرگس زار تھا
چشم سے ان آہوؤں کے یک قلم صحرا تمام

دل و دین کا کرتا ہے تو بیان قلم
نہ کیوں کے چاک کرے سینہ اور زبان قلم

ابر روتا ہے تو بھی رو اے چشم
اس میں جو ہو سو ہو وہ اے چشم

دل تو خوباں کا ہو گیا ہمدم
تو ہی آتا ہے ان دنوں کم کم

عجب کچھ تماشا یہاں دیکھتا ہوں
جو مخفی تھا اس کو عیاں دیکھتا ہوں
اب اور ہی مقام و دیں پھرتا ہے دل
نہ یاں دیکھتا ہوں نہ واں دیکھتا ہوں
مری چشم کیا دور ہیں بنکے خورشید
کہاں ہو رہیں تنہا کہاں دیکھتا ہوں

دیکھنا یار ہیں کس طرح چلا آتا ہوں
چشم تر خاک بسر آبلہ پا آتا ہوں
غنچۂ دل نہ کھلا باغ جہاں میں شورش
جیسا افسردہ گیا ویسا چلا آتا ہوں

نہ دے تکلیف رفتگی مجھے اے یار کہتا ہوں
ہماروں کا کوئی دم میں در و دیوار کہتا ہوں

جسے قطرہ تو سمجھا ہے وہی دریا ہے اے شورش
خدائی کا میں خدمت میں تری اسرار کہتا ہوں

نہ کچھ مجھ سے پوچھو کدھر دیکھتا ہوں — جدھر دیکھتا ہوں ادھر دیکھتا ہوں
میں کب غیر کو بھر نظر دیکھتا ہوں — تجھے دیکھتا ہوں اگر دیکھتا ہوں
مجھے آہ تجھ سے توقع نہیں ہے — ترا بھی بھلا اب اثر دیکھتا ہوں۔

اسے مجھ سے پوچھو کہ کیا جانتا ہوں — خدا جانتا ہے، خدا جانتا ہوں

نہ کچھ جفائے فلک سے میں زار روتا ہوں — جلا ہوں عشق میں بے اختیار روتا ہوں
کبھی جو یاد کچھ آتا ہے اسکی الفت سے — مثال ابر کے میں زار زار روتا ہوں

نے سرو نہ قمری ہوں نہ طوبیٰ کا شجر ہوں — توحید کے میں نخل کا باللہ ثمر ہوں
دو دن کے ترشح پہ نہ ہو ابر تو نازاں — دریا کی طرح دیکھ سدا دیدۂ تر ہوں

نہ مجبور ہوں میں نہ ناچار ہوں میں — غرض کچھ عجب چار و ناچار ہوں میں

اس زلف ستم گر کا گرفتار میں ہی ہوں
اس قید کے عالم میں سزاوار میں ہی ہوں

مت پونچھ میری گرد کو آفت رسیدہ ہوں
آتا ہوں راہ دور سے محنت کشیدہ ہوں

پیوند مت کرو مجھے ہر شاخ گل کے ساتھ
دیکھو تو کس شجر کا میں شاخ بریدہ ہوں

جز دود آہ دل میں مرے اور کچھ نہیں
مانند شمع کشتہ گویا آفریدہ ہوں

ہم تمنا جو کریں وصل کی مقدور نہیں — تو اگر لطف کرے یار تو کچھ دور نہیں

گھر میں ہمارے ایک سوا نقش بوریا — زر کا تو کیا گماں ہے کہیں خار و خس نہیں

غور کر دیکھ مرے دل کو بھلا ہے کہ نہیں — اب کے معلوم ہو جائے گا بھلا ہے کہ نہیں

کون دم ہے جو تری یاد نہیں — کون دل ہے جو تجھ سے شاد نہیں
نام ہے دوستی کا باقی خیر — جہاں باہم میں اتحاد نہیں

وہ کون سا مکاں ہے جہاں دل ربا نہیں
اندھے کو تیں نہ سوجھے تو اسکی دوا نہیں

اس بے وفا کے دل سے غمخوار ہیں تو ہم ہیں
خوش ہیں اگر تو ہم ہیں بیزار ہیں تو ہم ہیں

کیا شیخ و کیا برہمن سب کام پر ہیں اپنے
گر بندۂ خدا ہیں بیکار ہیں تو ہم ہیں۔

ہم جو روتے ہیں لوگ ہنستے ہیں
ہنستے ہی گھر سنا ہے بستے ہیں
کہکشاں دیکھنے کو ہے شورش
دل کی منزل کے دو ہی رستے ہیں

یار آنکھوں میں تری خار ہوں میں
ورنہ اک باغ اور بہار ہوں میں
شمع جلتی ہے دیکھ کر مجھ کو
نخل آتش ہوں شعلہ بار ہوں میں
غیر کیونکر نہ مجھ سے کٹ جاویں
ایک تروار آب دار ہوں میں
ہوں میں گردنکشوں میں اگر دن کش
خاکساروں میں خاکسار ہوں میں

قطعہ

یا علی جی سے تیرا بندہ ہوں
تیری ہی راہ کا غبار ہوں میں
دشمنوں کا ترے میں ہوں دشمن
دوستداروں کا دوستدار ہوں میں

بن کے بیٹھا ہے یار گلشن میں
کیوں نہ ہووے بہار گلشن میں
بہر تعظیم اس کی اے شورش
گل کھڑے ہیں ہزار گلشن میں

بھاتی ہے مے کشی میں دل کو ہوائے باران
گر یاد ہو تو پڑھ دے زاہد دعائے باران
ساقی ہے مے ہے ہم ہیں اور سیر ہے چمن کی
ہے سب ہی کچھ مہیا خالی ہے جام باران
کیا العطش پڑی ہے مے خانۂ جہاں میں
دیتے ہیں جام جسکو کہتا ہے ہائے باران

یارب کیا لکھا ہے مری سرنوشت میں
دیوانہ ہو کے ماروں ہوں سر سنگ و خشت میں
شورش بتاں کو چھوڑ کے کعبے کو تو نہ جا
ہے یہ بھی اک مزا جو رہے تو کنشت میں

ہم اپنے دل کے ہاتھوں آزار کھینچتے ہیں   آزار کھینچتے ہیں نا چار کھینچتے ہیں
اہل جہاں کی عالت میں کیا کہوں اے شورش   جو راست گو ہو اس کو یہ دار کھینچتے ہیں

یار کا جور و ستم کس سے کہیں   دل کا اپنے درد و غم کس سے کہیں
اس کی تو سنتے ہیں شورش دو کروڑ   میری کوئی سنتا ہے ہم کس سے کہیں
جھڑکیاں دیتا ہے ہم کو صبح و شام   یہ الم ہے یہ الم کس سے کہیں۔

رات کاٹی ہے ہم نے اے شورش   اسی خانہ خراب آنکھوں میں

مجھ کو اپنی عزیز جان نہیں ‌ ‌ یار گو مجھ پہ مہرباں نہیں
تم تو ایسی طرح سے کہتے ہو ‌ ‌ گویا منہ میں مرے زباں نہیں
شکوہ تیرا کریں گلی بہ گلی ‌ ‌ مقتضی اسکو اپنی شان نہیں

لوگ جاگے ہیں آپ سوتے ہیں ‌ ‌ خود بدولت پڑے سو روتے ہیں
راہ میں خار جو بچھاتے ہیں ‌ ‌ اپنے حق میں وہ کانٹے بوتے ہیں

تجھے کب شرارت میں کم جانتے ہیں ‌ ‌ جو کچھ یاد ہے تجھ کو ہم جانتے ہیں
یہاں فکر جاتی ہے کب پیش شورش ‌ ‌ تری ذات کو ہم اتم جانتے ہیں

مدت ہوئی کہ دل کو ہم اپنے رو چکے ہیں
اس کی وفا سے شورش ہم ہاتھ دھو چکے ہیں

شورش اس عشق کے ہاتھوں سے بگولے کی طرح
بے سر و پا پڑے صحرا میں پھرا کرتے ہیں

غیروں کی محبت کے پابند ہوئے خوباں
اب تجھ کو مرے شورش کب یاد وے کرتے ہیں
اس جینے کا اب ہم کو کچھ لطف نہیں ملتا
کیا ہجر میں ہم ناحق دن عمر کے بھرتے ہیں

ہم نہیں ٹلتے زمیں پاؤں سے گو ٹل جاوے
شوق سے اپنا قدم کر کے جہاں رکھتے ہیں
خوف آتا ہے کہ خورشید نہ جل جاوے کہیں
اس لیے داغ کو سینے کے نہاں رکھتے ہیں

کچھ یہ نہیں ہوا ہے ہے دل کا داغ دو ہیں
الفت کا تیری روشن ہیگا چراغ دو ہیں

جستجو کر لے بتاں کی جب تلک ہے تندرست
کوئی دن مہماں ہے طاقت یہ جوانی پھر کہاں
ضعف کا شکوہ نہ کر شورش غنیمت اسکو جان
زندگی کا یہ بھی چہل ہے ناتوانی پھر کہاں

ہم کہاں تم کہاں وہ باغ کہاں — دل کہاں گل کہاں دماغ کہاں
آنکھ اٹھا کر کسی کو کیا دیکھیں — ہم کو رونے سے ہے فراغ کہاں

شمع رو گر دوست رکھے میر جل جانے کے تیں
دوں خجالت عشق میں باللہ پروانے کے تیں
جان کر عاشق مجھے خوش چشم معشوقوں کا آہ
دیکھیو ہم سے گلی نرگس بھی شرمانے کے تیں

کیوں نہ چاہوں جان و دل سے مہرباں اپنے کے تیں
دوست رکھتا ہر کوئی ہے قدرداں اپنے کے تیں
سن کے شورش آب ہو سرتا قدم فوارہ وار
گر پڑھوں مجنوں کے آگے داستاں اپنے کے تیں

جس نے دیکھا ہے مرے یار کے تیں
بھول بیٹھا ہے سب بہار کے تیں
دل مرا باغ باغ ہوتا ہے
دیکھ کر اپنے گل عذار کے تیں

سنگ میں بھی ہے اسی کی کچھ تجلی کا اثر
پوجتا ہے برہمن اس واسطے پتھر کے تیں

پاؤں مرے رہ گئے چلنے سے جنگل کے بیچ
خار مغیلاں کے ساتھ کیا میں مداوا کروں
دیکھ کے شورش کا حال کہنے لگا وہ طبیب
نبض تو ملتی نہیں اس کی دوا کیا کروں

تجھ بے وفا کے عشق میں اے یار کیا کروں
روؤں نہ دل لگا کے میں ناچار کیا کروں
خواہاں جو تو ہے جان کا حاضر ہے میری جان
اتنے کے واسطے تجھے بیزار کیا کروں

دنیا کی کب تلک میں بھلا جستجو کروں ۔ بہتر ہے یوں کہ ترک سبھی آرزو کروں
زمرے میں عاشقوں کے نہ جا گر ملے کبھی ۔ عقبیٰ کی آرزو جو اگر ایک ہو کروں

..... چاں گلی بیچ بغل میں شیشہ ۔ دیکھ اس سہج کو تری، پیار کروں یا نہ کروں

دل میں تو ہے دل میں تیرے جا کروں ۔ بس نہیں چلتا ہے میرا کیا کروں
چشم ہے یہ دیدہ ترسے مجھے ۔ چاہوں تو صحرا کو بھی دریا کروں

دل کو لے کر جلا دیا تو نے ۔ شمع رو ہائے کیا کیا تو نے
غیر کی بات اک طرف ظالم ۔ آشناؤں سے کیا کیا تو نے

کس ستم گر کو دل دیا ہم نیں ۔ ہائے رے ہائے کیا کیا ہم نیں
گالیوں تک پہنچ گئی نوبت ۔ نام بوسے کا جب لیا ہم نیں
فصل گل تک کوئی یہ بچتا ہے ۔ گو گریباں اب سیا ہم نیں

نال اول نہ سمجھے تھے خوشی کا ۔ رلایا مجھ کو آخر اس ہنسی نیں

مری چشم خوں بار ہے اندنوں ۔ گریباں گلزار ہے اندنوں

راحت کا منھ نہ دیکھا کم بخت دل کے ہاتھوں
روتی ہی اپنی گذری اک لخت دل کے ہاتھوں

دل کا خیال اتنا نہیں کچھ بیاں میں
بدلا کرے ہے رنگ بڑا آن آن میں

کون اس طرح سے چاہ کے کھاتا ہے اے ہما
سچ کہہ کہ کیا مزا ہے مرے استخواں میں

کہیں کعبے میں یہ جلوہ نظر آتا ہے زاہد کو
دیا ہے حق نے میرے تیں عجب بت خانہ پہلو میں

اے جان و دل شورش اس گردش دوراں میں
کوئی آپ سا بھی دیکھا اس حضرت انساں میں
خوش چشمی آہو کی افراط سے کیا کہیے
پھولا ہے گویا تختہ نرگس کا بیاباں میں
اس نوح کے طوفاں میں کشتی پہ بچا عالم
کشتی ہی ہوئی غارت اس چشم کے طوفاں میں

کفر ہے گردوں کا خیال کریں
ایک قوت ہے ہزار آنکھوں میں

کس مصیبت میں رات کاٹا ہوں
یار سیل و بہار آنکھوں میں

کیوں نہ دیکھوں میں تجھ کو دنیا میں
تو ہی پیدا ہے چشم بینا میں

آبلے دل کے یوں چمکتے ہیں
نور چمکے ہے جوں ثریا میں

دل کی حالت بیان کیا کیجے
لاکھوں موجیں ہیں ایک دریا میں

اشک بہار میر اگذرے اگر چمن میں
سب غنچے پھول بیٹھیں اک بار پیرہن میں

اے جان تو آجا مرے بر میں — مرتا ہوں کوئی گھڑی بھر میں
سینے کے ہیں داغ یوں نمایاں — جوں پھول جڑے ہوئے سپر میں

یاروں کا یار ہے کہوں کیا میں — زور دلدار ہے کہوں کیا میں
جاننا غیر سارے عالم کو — اپنا پندار ہے کہوں کیا میں
کاش ابرو کے اس کا مت پوچھ — ایک تروار ہے کہوں کیا میں

اب کون ہے شراب تجھ بن — دل جل کے ہوا کباب تجھ بن
ہو خاک شگفتہ غنچۂ دل — کس گل کو ہے آب و تاب تجھ بن

خون نابۂ جگر سے ہوئی لال آستیں — ہوتی نہ کاش آنکھوں کی رومال آستیں
شورش کی آنکھیں ہیں رنگیں طوفان نوح ہے — تیرا بتا کہ ہووے گا کیا حال آستیں

قیس و فرہاد کہ حسن کام سے رم کرتے ہیں
تیری الفت میں مری جان وہ ہم کرتے ہیں
بے ادب بات اگر منہ سے نکل جاتی ہے
شمع کی طرح زبان اپنی قلم کرتے ہیں

ہم سے رقیب بولتے ہیں کیسی بولیاں — سنیو خدا کے واسطے یار ٹھٹھولیاں
کیا جانے یہ غریب ابھی طرز گفتگو — ان سے شعور زانہ رکھیں ہیں یہ بولیاں

اس چشم کے ہاتھوں میں اک آفت میں پڑا ہوں
جوں شمع میاں روتا ہوں جلتا ہوں کھڑا ہوں
میں نام نہیں لیتا محبت کا زباں پر
عالم کی وفاداری سے اتنا ہی ڈرا ہوں

شیخ جی کہتا ہوں تم سے دوبدو — کُلُّ شَیءٍ مَا خَلَقَ اللّٰہُ بَاطِلُوٗ
کُنتُ کَنزاً کلمہ قدسی ہے یار — پڑھ کر اس کو بھول جاتو آپ کو

قطعہ

امید سبھی رکھتے ہیں تجھ لطف و کرم کی
کرتا نہیں کیوں پیار مرے یار کسی کو
اک میں ہوں گنہگار یا ہے ساری ہی خلقت
بیزار کوئی کرتا ہے دلدار کسی کو
کہنے لگا چل پوچھ نہ بک سامنے میرے
اس کہنے پہ چاہے مری بیزار کسی کو

بن ترے خار ہیں آنکھوں میں گلستاں مجھ کو — بلکہ فردوس سے بہتر ہے یہ زنداں مجھ کو
میں تو دل تنگ تھا غنچے کی طرح کیا کہیے — مسکرانے نے کیا ہے ترے خنداں مجھ کو

قفس میں یار کی بو کیوں نہ پہنچائے صبا مجھ کو
نہ آئی راس اب کے سال کی ہرگز ہوا مجھ کو

مدتوں روتے پھرے آخر نہ پہنچے داد کو
اب کہاں لے جائیں ظالم اس دلِ ناشاد کو

ہاتھ میں رکھتا ہوں ناخن فکرِ تیشہ گی کرے
پیش پا افتادہ بھی سوجھے نہ کچھ فرہاد کو

بھگا سکتے ہیں اکثر آستیں کو
ڈبونا کام رکھتا ہے زمیں کو

بھلاؤں دل سے کیونکر نام تیرا
اٹھا سکتا ہوں حرفِ دلنشیں کو

قطعہ

قتل کیوں کرتا ہے ناحق بعد توبہ آمیاں
حسن پہنچا ہے ترا اب ایسی ہی تاثیر کو
صوفی و شیخ و برہمن واعظ و ناصح سبھی
باؤلے ہو جائیں تیری دیکھ کر تصویر کو

گویا نیلم جڑا ہے لعل کے بیچ
لب مے گوں کے خال کو دیکھو

ابروے یار گر نہ دیکھا ہو
آسماں پر ہلال کو دیکھو

گر نہ دیکھا ہو تم نے مجنوں کو
شورش خستہ حال کو دیکھو

عاشق کو جان تجھ بن سودا نہ ہو تو کیا ہو
ہر کوچہ اور گلی میں رسوا نہ ہو تو کیا ہو
جس تشنہ لب کو ساقی کوثر سے جام دیوے
پینے پہ اس کے آب دریا نہ ہو تو کیا ہو

خفا ہوا ہے مرا یار دیکھیے کیا ہو — عجب طرح کا ہے خوں خوار دیکھیے کیا ہو
میں دیکھوں کون اب آتا ہے منہ پہ آ کر کے — دل و جگر میں ہے تکرار دیکھیے کیا ہو

آئینے کو جو منہ دکھاتے ہو — سینہ صافوں کو کیوں رلاتے ہو
غیر کی چاہ گر نہیں دل میں — آنکھیں کس واسطے چراتے ہو
خوش رہو غیر سے پرائے صاحب — پاس شورش کے تم کب آتے ہو

مزاج اپنا رونے سے برہم نہ ہو — اگر شورش چشم تر کم نہ ہو
شگفتہ رہے زخم دل مثل گل — اگر درمیاں پائے مرہم نہ ہو

کیا چشم ہے وہ چشم کہ جو چشم تر نہ ہو — وہ آہ کیا بلا ہے کہ جس میں اثر نہ ہو
انسان اس کا نام ہے ہمت ہو جسکے بیچ — وہ نخل مثل چوب ہے جس میں ثمر نہ ہو

اس دل ربا کو دل سے سروکار ہو نہ ہو — دل اک کا یار ہو چکا وہ یار ہو نہ ہو
مجھ کو لباس فقر کا کرنا ادب ضرور — گر اس میں کوئی صاحب اسرار ہو نہ ہو

میں مارے دکھ کے کرتا ہوں ان آنکھوں سے رواں آنسو
وگرنہ دوستی یہ ہے کہاں میں اور کہاں آنسو
مزاج آیا ہے رونے پر کدھر کو اب گیا آنسو
بہت بہتا تھا شدت سے کہو اب کیا ہوا آنسو

اس درد کی حالت کو مری آہ نہ پوچھو　　کچھ کہہ نہیں سکتا ہوں میں باللہ نہ پوچھو

کم نہیں آنسو مرا دانے سے مروارید کے
تم کو گر باور نہ ہو کوئی اسے رخ اکلا تول لو
چار دن ہے چاندنی پھر تو اندھیری رات ہے
بلبلو! شورش سے تم سب جتنا چاہو بول لو

قطعہ

شورش گیا میں یار کے کوچے میں ایک روز
آگے نظر وہاں پڑے بے جان ایک دو
پوچھا میں ساکنوں سے وہاں کے جو اسکا بھید
کہنے لگے انھوں سے سخندان ایک دو
معلوم نیں کہ کیا ہے مزا تیغ یار میں
ہوتے ہیں قتل شوق سے ہر آن ایک دو

داغ دل ہے دکھانا ہمدم کو　　رکھیو جراح تو نہ مرہم کو
ہم نشینوں نہ کیجیو جلدی　　ہم بھی چلتے ہیں یاں سے کوئی دم کو

کون سمجھاوے کہ مت کر عشق تو دیوانے کو
باز رکھ سکتا نیں کوئی جلنے سے پروانے کو

کچھ نہ پوچھو عشق میں اس کے سمندر کی طرح
آگ دے بیٹھے ہیں اپنی صاف ہم کاشانیکو
عشق کی آتش سے ہرگز ہم تو گھبراتے نہیں
شمع ساں رہتے ہیں بر لب مستعد جل جانیکو

گرچہ ایذا ہے سراپا عشق میں		آدمی نہیں وہ جسے یہ غم نہ ہو

گر نور رکھتا ہے مرے قتل کی خواہش دلمیں		میں بھی حاضر ہوں دل و جان سے آ بسم اللہ

کھل کے تیرے ڈر سے میں رو نہیں پاتا ہوں آہ
کچھ نکل پڑتے ہیں آنسو کچھ ہی پی جاتا ہوں آہ

دکھانہ مجھ کو کھلے سر کے اپنے بال سیاہ		ہماری جان کو کافی ہے خط و خال سیاہ
سمجھتا کون یہ بات چشم آہو کی		کرے ہے خال کا تیرے صنم خیال سیاہ

کرے ہے دل کے تئیں مہر حب جاہ سیاہ		کہ جوں خسوف سے ہوتا ہے روئے ماہ سیاہ
الٰہی راہ محبت میں سرخ رو رکھنا		نہ ہووے ایسا کرے عاقبت گناہ سیاہ

کس پہ کرم دم بدم کس پہ ستم واہ واہ		واہ صنم واہ واہ، واہ صنم واہ واہ
دل میں بھر آئے غم جشم جو ہے وہ بھی نم		اس پہ یہ کہتے ہیں ہم گذرے جو دم واہ واہ

گو باغ جہاں کے ہیں اے یار بہت تحفہ
ہے داغ سے سینے کا گلزار بہت تحفہ

لال لب کو میاں چھپا مت رکھ   بولنے کی کسی کے جا مت رکھ

اتنا میں چاہتا ہوں خدا سے دلِ عزیز   ایسا نہ ہو کہ جاوے کسی بے وفا کے ساتھ

کون کہتا ہے مجھے ربط نہیں یار کے ساتھ
دوستی ہے گی دلی بلکہ بہت پیار کے ساتھ
چھوڑ زنداں میں مجھے آپ گیا یار کے ساتھ
دل نے کیا کام کیا مجھ سے گرفتار کے ساتھ

ہمارے جامۂ کہنہ سے مے کی بو نہ گئی   سیاہی ہو گئی پہ دل کی آرزو نہ گئی

جوں زلف ستم گر کی تصویر نظر آئی   وو ہیں مری انکھوں میں زنجیر نظر آئی

نہیں میں چھوڑنے کا آشنائی   دوانہ گو کہے ساری خدائی
نباہ اس کا نہیں بنتا ہر اک سے   بہت مشکل ہے پاس آشنائی

روتے روتے چشم مری بہہ گئی   دیکھنے کی دل میں حسرت رہ گئی
غنچۂ گل سب کھلے پڑے ہیں آج   کان میں باد صبا کیا کہہ گئی

جو ہمسفر تھے راہ میں سب یار رہ گئے
ہمراہ ان میں گنتی کے دو چار رہ گئے

داغ اگر دل پہ ہو کچھ عیب نہیں — سچ ہے سپاہی کو سپر چاہیئے
شورشِ بے باک کو مت چھیڑنا — چھیڑ لے کو اس کے جگر چاہیئے

شیشۂ دل لے کے کدھر جائیے — سنگِ حوادث ہے جدھر جائیے
... لذت جاوید نہیں — آپ سے ایک دم جو گذر جائیے

. . . . گھڑی یہ اس کے ملنے کی
پھر کچھ اور ہی صورت سے یہ کج رفتار کیا کیجے

کس طرح اس کے دل میں جا کیجے — بس نہیں چلتا آہ کیا کیجے

عمرِ گراں مایہ کو دیتے ہیں برباد ہم — غیر کو کیا روئیے اپنا ہی غم کیجئے
یہ تو کہو کس طرف جائیے ہو تم سیر کو — آئیے ٹک بیٹھئے یاں بھی کرم کیجئے

ایک کو معبود جانا چاہیئے — لاکھ ہیں موجود جانا چاہیئے

اور کیا شکوہ کریں یار کی بد مستی کا
توڑنا شیشۂ دل میں تو ہنر اس کا ہے

بتا قاصد شتابی کام کیا ہے		تو خط لایا ہے یا پیغام کیا ہے
وہی آتش ہے فرقت کی یہاں بھی		مجھے اس گور میں آرام کیا ہے

باندھے فتراک میں بہت سے دل		دیکھ وہ شہ سوار آتا ہے
مثل نرگس کے چشم ہے نگراں		شاہد نوبہار آتا ہے

ستم بھی اہل معنی کا دلوں پر عین رحمت ہے
جو دانہ آنچ نہیں کھاتا وہی پھر خام رہتا ہے

کس شوخ بے وفا کو تو نے بھی دل دیا ہے
شاباش مجھ کو شورش تیرا ہی حوصلہ ہے
دنیا میں آشنائی دیکھا تو دل بدل ہے
میں اس کا مبتلا ہوں وہ میرا مبتلا ہے
خوبی سے دل ربا کے میں کیونکے دل بچاؤں
مانند کاہ میں ہوں وہ مثل کہربا ہے

لطف و کرم کا تیرے امیدوار دل ہے		پامال کر نہ اس کو آخر اے یار دل ہے

صوفی صافی کے تیں مذہب ستی کیا کام ہے		اس کا تم مذہب جو پوچھو تو خدا کا نام ہے
اپنی شامت آپ ہر تکلیف لاتی ہے ہزار		یہ فلک ناحق بیچارہ مفت میں بدنام ہے
جانتے ہیں اس فلک کو باعث ایذا و رنج		وہ سو اپنی حرکتوں سے آپ بے آرام ہے

احولوں کی چشم میں انواع تصویرات ہے
مردم بینا کی نظروں میں تری اک ذات ہے

اب کے فصل گل میں میری یوں بندھی تصویر ہے
ہم ہیں اور زنداں ہے اور پاؤں بڑی زنجیر ہے
باوجود اسکے کہ دیکھا نیں کسی نے آنکھ سے
تسپہ تیرے نام پر یہ دھوم دیر تقریر ہے
عشق کا حاصل جو پوچھو ہم سستی تو درد ہے
اس سوا جو کچھ کہ ہے سب دام اور تزویر ہے
رنج پہنچانا کسی کے دل کو شورش خوب نیں
جتنی ہی تقصیر اس کے ساتھ اک تعزیر ہے

فلک تو اپنی ہی گردش میں اب حیراں ہے
نہ رکھو اس سے توقع کہ خود پریشاں ہے
ہزار پرزے کروں اس کے تو سہی شورش
یہ آج ہاتھ ہمارا ہے اور گریباں ہے

داغ دل کی بہار تجھ سے ہے — یہ چمن لالہ زار تجھ سے ہے
ایک کو ایک سے جلا رکھنا — یہ ستم روزگار تجھ سے ہے

مجال کس کی جو دلے میں ٹھہرا ہم چشم
گھٹا بھی شرم سے پانی میں ڈوب جاتی ہے

وہم میں کچھ، گماں میں کچھ ہو | دید میں کچھ، بیاں میں کچھ ہے
بات میں اس کی کچھ ثبات نہیں | دل میں کچھ ہے زباں میں کچھ ہے
کوئی صورت نظر پہ چڑھتی نہیں | ہے وہی گردشیاں میں کچھ ہے

جینے کی تمنا جو کریں بوالعجبی ہے | مرنے کی دعا مانگیں تو یہ بے ادبی ہے
کیا اپنے پیمبر کی کہیں تم سے حقیقت | باطن میں وہ اللہ ہے ظاہر میں نبی ہے

. . . . دل سامنے . . . . بوالعجبی ہے | میں تجھ کو سمجھتا ہوں جو کچھ . . . .

موجود کو تنہا تو نہ کر بزم میں ساقی | لا دختر رز جلد کھلی ہے یا بری ہے
بے رنگی پہ یہ رنگ ہے کیا رنگ ہے باللہ | سو رنگ سے اے یار ترا رنگ بری ہے

دل کا لینا اگر تجھے منظور ہے | کون رکھ سکتا ہے کیا مقدور ہے
جان دیے تک ادا ہوتا نہیں | دوستی کا مرتبہ کیا دور ہے
آبلوں کی طرح سے شورش ترا | دل کہاں ہے خوشۂ انگور ہے

کرتا نہیں کوئی گوشش مری بات کو ہرگز
معلوم نہیں . . . .

ہر چند میں چھوڑوں ہوں نہیں چھوٹتی شوؔرش
کیا دخترِ رز ہاتھ کو دھو پیچھے پڑی ہے

چشمِ خدا میں سے دیکھ غیرِ خدا کون ہے
مردمِ بینا سے پوچھ اس کے سو کون ہے
مجمعِ خوباں ہے آج پردۂ دنیا کے بیچ
شوؔرشِ غم خوار کہہ یار تیرا کون ہے
کہنے لگا وہ مجھے چشمِ جہاں بیں تری
غیر دکھاتی ہے یاں غیر بھلا کون ہے

اغیار کا وہ یار گرفتار ہے سو ہے
اور نام سے ہمارے وہ بیمار ہے سو ہے
تیرے سوا جہان میں کوئی دوسرا نہیں
دل سے زباں سے لب پہ یہ اقرار ہے سو ہے

لوگ کہتے ہیں مجھے معشوقِ یوسف ہے ترا
میں کہاں اور وہ کہاں جو نہیں ہیں یہ سب ہے سو ہے
اپنے تیں تقلید سے شوؔرش کسی کے کام نہیں
شعر کہنے میں نرالا سب سے اک ڈھب ہے سو ہے

پاؤں جل جاتے ہیں رکھتے خاک
دل جلا شاید کوئی مدفون ہے
جن کے تیں حق کی میسر دید ہو
اس کے تیں ہر روز روزِ عید ہے

شان و شوکت سے ہمارا دل یک قلم بیزار ہے
اس کو کچھ درکار ہے تو اور ہی درکار ہے
دل میں اپنے دیکھتا ہوں کچھ عجب اسرار ہے
اور ہی کچھ سیر ہے کچھ اور ہی بازار ہے
کیا کیا میں تن کے تیں اور کیا جیسے ہو گئے
ایک نقطے کا جہاں میں کس قدر ستار ہے
کیوں پھنسا رکھا ہے ساقی عقل کے گرداب میں
اک توجہ میں تری عالم کا بیڑا پار ہے

مذکور خدا کا جب تلک ہے اپنا بھی قیام تب تلک ہے

عاشقی اور جیسے ہے شورش دل سے سب ننگ و عار کھوتی ہے

خط کے آنے سے کس کو ہو تسکیں کہیں اوسوں سے پیاس جاتی ہے

نہ جانے کس طرف چلتا رہا وہ شوخ بے پروا
تمنا وصل کی اسکی مری دل گیر پھرتی ہے
مری آنکھوں کو گردش ہے گی دامن ساتھ یوں تیرے
جوں فانوس خیالی میں تری تصویر پھرتی ہے
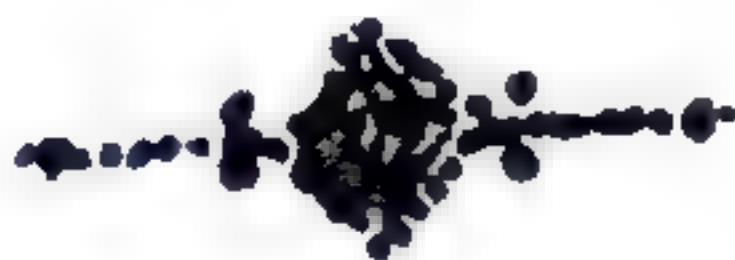
درد دل سے میرے شورش کون یاں آگاہ ہے
عالم غیب اور شہادت کوئی نہیں اللہ ہے
عشق میں محنت کسی کی رائیگاں جاتی نہیں
داد ملتی ہے ہر اک کو جس کی جتنی چاہ ہے
دل سے لیکر تا زباں کچھ اور ہم رکھتے نہیں
ایک آہ سرد ہے اور نالہ جانکاہ ہے

کیا پوچھ کر بھلا تو اس سے بگاڑتا ہے سن تو ارے دیوانے سودا تجھے ہوا ہے

سجدۂ شکر ادا ہونا تو ہم سے معلوم سر پٹکنے کی ترے در پہ مگر خوشی ہے

جان و دل کو جو کوئی نثار کرے وہ تجھے یار اپنا لیا کرے

عارف حق کے جو دیکھا تو فنا اور ہی ہے
وے جو کہتے ہیں بقا ان کی بقا اور ہی ہے
گوش دل سے جو سنا ان کے محقق کا کلام
اتنا سمجھے کہ نصیری کا خدا اور ہی ہے
جب سے مجبوری کا عالم ہے ہمارے شورش
تب سے غیروں کے دماغوں میں ہوا اور ہی ہے
بلبلیں باغ کی کرتی ہیں فضا کی تعریف
شورش اس سینۂ عاشق کی فضا اور ہی ہے

یاد تیری ہے یار جو دم ہے — بھولنا مت اگر تو ہمدم ہے
شاہ خوباں کی تم نہ کچھ پوچھو — ان دنوں اور اس پہ عالم ہے
نامرادی ہے عین دل کی مراد — پوچھتا ہے وہی جو محرم ہے

مر جاؤں ترے ہجر میں آرام یہی ہے
میں کشتۂ الفت ہوں مرا کام یہی ہے
جس واسطے نالاں ہیں یہ سب بلبل و قمری
وہ فخر چمن سرو گل اندام یہی ہے

ننگ و ناموس صاف کھو بیٹھا — دل کی میرے یہ کارروائی ہے
دید کو ان بتاں کی مجھ کو عزیز — زندگانی ہے زندگانی ہے
ہم نے شورش جو کچھ کہ دیکھا ہے — اب وہ قصہ ہے اور کہانی ہے

پلادے جام صبوحی وہ مجھ کو اے ساقی — کہ جس کے پینے سے باقی نہ کچھ خمار رہے
قصور عشق پہ اطلاق کرتے ہیں اس کو — ذرا جو ننگ سے دل میں یا کہ عار رہے

خوف میں جان کے نت کیوں نہ دل زار رہے — جب کھنچی اس سے تری ابروئے خمدار رہے

قطعہ

یار نے آج کہا کہہ دو دوانوں سے مرے
جو کوئی دوست ہو وہ مرنے کو تیار رہے

گو گنہ ان کا نہیں مجھ پہ ہے ثابت لیکن
کب تلک تیغ مری میان میں بیکار رہے
دیکھ کر ہم کو شگفتہ نہ ہوا گل کیطرح
زاہد خشک کی آنکھوں میں سدا خار رہے

تو عیادت کو بھی آیا نہ مری اے ظالم — تا لب گور ترے طالب دیدار رہے

گرم اس میں شعر کوئی ہوتا نہیں — یہ زمیں بھی کس قدر مرطوب ہے

دل پر درد کو میرے ستائے جس کا جی چاہے
اسے مانند شبنم کے رلائے جس کا جی چاہے
میاں پتھر کے کھودنے سے کوئی فرہاد ہوتا ہے
بھلا اک سنگ پر تیشہ لگائے جس کا جی چاہے

مجھ کو شکوہ ہے سخت جانی سے — باز رکھتی ہے جاں فشانی سے
شوق رکھتا ہوں دل میں اس کا — کب ڈرتا ہوں میں لن ترانی سے
دل تو بے چین ہے تنک شورش — نیند آتی ہے کب کہانی سے

دنیا کے بہت در پر گھستے رہے پیشانی — پر کچھ نہ ہوا حاصل اے وائے ری نادانی
اب کس سے کروں ظاہر کیفیت انسانی — پائی یہاں جاتی ہے سب حالت ربانی
انسان کی کیا طاقت جو عرش پہ چڑھ جاوے — ظاہر ہوئی پردے میں وہ قدرت سبحانی

کعبے کا سفر کرنا گو فرض ہے پر مجھ کو ۔ رخصت نہیں دیتی ہے یہ بے سر و سامانی
تو فکر ستائش میں مصروف رہ اے شورش ۔ اس حرص و ہوا کے تئیں لکھتے ہیں سبھی فانی

مزا بلبل کے رونے کا کچھ صیاد کیا جانے
وہی جانے جو عاشق ہو نہیں جلاد کیا جانے

کیفیتوں سے کون ہے واقف شراب کے
پردے ابھی اٹھاتی ہے دل سے حجاب کے
معلوم نیں کہ کیا ہوا قاصد کو میرے آہ
مرتے ہیں انتظار میں خط کے جواب کے
شورش تجھے تو عشق نے پیر کر کیا جوان
ورنہ تو کب کے جاتے رہے دن شباب کے

پڑا جب ہاتھ میں اس تند خو کے ۔ گریباں کب رہا قابل رفو کے

کیا کہوں میں آہ مارے پیار کے ۔ جی ہوا جاتا ہے صدقے یار کے
کیا معاف خط ہوا پیارے خود ۔ گل کہیں دیکھا بھی ہے بے خار کے

کیا ابر کی مجال بجز چشم تر مرے
خوں نابہ جگر سے زمیں کو ڈبو سکے

ممکن ہے دردِ عشق مرے دل سے جا سکے
وہ ظرف کون سا ہے جہاں یہ سما سکے
آتش ہمارے عشق کی کیونکر کے سرد ہو
وہ اور ہی آگ ہے جسے پانی بجھا سکے
صورت کو اپنے دوست کی شورش تو یاد رکھ
اور سب کے تیں بھلا دے جہاں تک بھلا سکے

کیسا کیا مزا دکھاتی ہے شورش کا مجھ کو یہ
ہوتا ہوں جان و دل سے میں قربان زندگی
دل تیرے دردِ ہجر سے اے جان زندگی
کرتا ہے چاک چاک گریبان زندگی

پھولی پھلی نہ ہرگز کچھ چاہ کوہ کن کی
گئی گور میں حسرت ہمراہ کوہ کن کی

گو نخلِ آہ میں ہے نہیں برگ و بار کچھ — لیکن اثر کا اپنے ثمر دیوے ہے مجھے
شورش میں کیونکے دور کروں دل سے داغ کو — تر دار سے پناہ سپر دیوے ہے مجھے

دیتے نہیں ہیں چین یہ اہلِ جہاں مجھے
یارب تو دینا ہاتھوں سے ان کے اماں مجھے

وہ ستم گار نہیں رکھتا ہے بیکار مجھے ایک نہ ایک دیا کرتا ہے آزار مجھے
ہچکیاں دم نہیں لیتی ہیں ذرا آنے میں یاد کرتا ہے گا شاید وہ مرا یار مجھے
میں تو بہترا ہی چاہا کہ نہ روؤں شورش چین کب دیتی ہے یہ دیدۂ خوں بار مجھے

تاب لا سکتا نہیں دل عشق کے آزار کی دیکھیے ہوتی ہے کیا حالت دل بیمار کی

قطعہ

پوچھتا ہے کون تیغ ہر زہ گالی کو میاں
مچ رہی ہے دھوم تیرے ابروئے خمدار کی
یہ ہمارا ہی کلیجہ تھا جو سنمکھ ہو گئے
کب اٹھا سکتا ہے رستم ضرب اس تروار کی

ظہور ذات کی خاطر بنائی شکل انساں کی
جو کیفیت تھی وحدت میں سو کثرت میں نمایاں کی
یہ نوبت اُسکے پہنچی ہے ہمارے چشم گریاں کی
کہ دہشت دل میں رکھتا ہے اک عالم اسکے طوفاں کی
ترے اس آہ نالہ سے اے مجنوں کون سوتا ہے
پلک سے مل نہیں سکتی پلک چشم غزالاں کی

سنا تو کر لیتے ہیں ہم بات کان سے سب کی
ولے کسی سے نہیں کہتے اپنے مطلب کی

عجب نہیں کہ کلیجہ ہو لعل کا پانی
کہ اس نے آنکھوں سے دیکھی ہے سرخی ترے لب کی

... زلف دو کامل کا نہیں لازم ہے بہتر ہو
وہی زنجیر بہتر ہے جو دیوانے کے کام آوے
میاں اپنوں کی خدمت تو ہر اک کوئی بجی سر کرتا ہے
بڑا وہ مرد ہے سب میں جو بیگانے کے کام آوے
ہوا تو زاخاکستر کا اے زاہد تو کیا حاصل
وہ مشت خاک بہتر ہے جو پیمانے کے کام آوے

ہوا کے رخ پہ جو کوئی گرد اڑا دے یقیں جانو کہ پھر کر منھ پہ آوے
ترے دست مبارک میں ہے وہ نور ید بیضا سا جس سے رشک کھاوے

فلک پر کیا مقرر ہے ٹھکانہ یار کا زاہد
ہر اک جا گر میں تو دیکھے جو تجھ کو کچھ نظر ہووے
اب اس شورش سے روتا ہے ترا فرہاد اے شیریں
اگر کوئی سنگ چشم تر ہووے

دلوں میں اپنے بندوں کے اگر الفت خدا دیوے
تو میں حق سے یہ کہتا ہوں کہ مہر مرتضیٰ دیوے

امیر ہو کر جہاں میں دیکھا نہیں ہے جو دولت کو پائداری
فقیر ہو کر جو خوب سمجھے تو زور زر نہ دولت ہے خاکساری
ہوا ہوں عاشق میں جب سے تیرا تبھی سے دل کو ہے غم نے گھیرا
...... نہ میرا رہے ہے آنکھوں سے اشک جاری
کہاں تو بیٹھا ہے جا کے ظالم نہ آپ ہی آوے نہ خط ہی بھیجے
دل و دو دیدہ ستم رسیدہ کریں ہیں کیا کیا نہ آہ و زاری

کوئی آپ سے بھی دل پہ اٹھاتا ہے بیکلی
آتی نہ ہو وے نیند تو آرام کیا کرے
الفت نے میرے پاؤں میں ڈالی ہیں بیڑیاں
شورش جنوں کو یاں کوئی بدنام کیا کرے

ممکن نہیں کہ چھوٹے ہم سے یہ عشق بازی — گو دوستاں کریں ہیں ناصح سے کارسازی
سولی پہ چڑھ کے ہوا منصور بے محابا — باقی ہے راستی کی دولت یہ سرفرازی
اس پردہ زمیں پر ظاہر ہے نیک و بد پر — تیری یہ جبہ سائی میری کا زباں درازی

نہ کوئی ہمدرد رکھتا ہوں جو میرے درد کو پہنچے
نہ کوئی ہمدم ہی ایسا ہے جو آہ سرد کو پہنچے

ناصحو کیا مزا دکھاتا ہوں — منہ تلک میرے جام تو پہنچے

ممکن نہیں شیشۂ جو گرے تار نہ ٹوٹے
دل اس سے بھی نازک ہے خبردار نہ ٹوٹے
میں اپنے تو مرنے سے ہراساں نہیں قاتل
دھڑکے ہے مرا دل تری تلوار نہ ٹوٹے

تا ٹُغ اشک نہ ہو دل تو مجھے رونے دے
گھر اگر ہوتا ہے ویراں مرا ہو لینے دے

گھڑیاں بھی کٹیں رو رو کے اور آٹھ پہر بھی
رکھتی ہے الٰہی یہ شبِ ہجر سحر بھی
پامال کیے گل تو بہت بلکہ شجر بھی
ہاتھ آیا ہے ظالم ترے کچھ اسکا ثمر بھی
گر قصد کرے سیر کو گلشن کی صبا تو
تک لیتے ہوئے جانا مرے دل کی خبر بھی
یاں تک تو کیا نالہ و فریاد نے شورش
ہنستا ہے جو کوئی کہتا ہے اے کاش کہ مر بھی

میں تو کچھ کہتا نہیں اے گلبدن کس واسطے
اپنی کم گوئی پہ یہ طولِ سخن کس واسطے

باتیں نہ کر تو مجھ سے اے ناصح کڑی کڑی
آنکھوں پہ کیف عشق کی جس کے چڑھی چڑھی
ناصح میں کیوں کے چھوڑ دوں خرابات کی نشست
خوابت دائے جس کی جو کچھ کہ بڑی بڑی

کیوں کر دل کو چین پڑے اس کے ہجر میں
چھتی ہے سانس پھانس کی صورت گھڑی گھڑی

کب تمنا ہے مجھے عیش میں اوقات کٹے
یاد میں تیری کٹے دن کٹے یا رات کٹے
تجھ کہو شیخ جی میں باز نہیں آنے کا
سر بھی گر عشق میں اے قبلۂ حاجات کٹے
ایک دم ایک طرح سے تو گذرتی ہی نہیں
سخت مشکل ہے کہ اوقات مساوات کٹے
روز و شب روتا ہی رہتا ہے بیچارہ شورش
کون تدبیر کریں جس سے یہ برسات کٹے

قطعہ

جی میں یہ آرزو تھی مدت سے
پاس میرے وہ دل ربا بیٹھے
ناگہاں مل گیا وہ مجلس میں
ان لنے جا کر دور جا بیٹھے
میں کہا اس سے کچھ مضائقہ نہیں
آشنا پاس آشنا بیٹھے
سن کے کہنے لگا کہ چلیے دور
پاس تیرے مری بلا بیٹھے

یہ حالت ہوئی ہے ہماری جہاں میں ۔ کہ جوں تھک کے کوئی بیچ منزل میں بیٹھے

عشق کا دعویٰ میں کر سکتا نہیں اے سنگ دل
پر ترے ہجراں میں کروں اک چاہ پیدا تو سہی
گر لب بام آ کھڑا ہووے ہمارا ماہ رو
چھوڑ کر یوسف کے تئیں دوڑے زلیخا تو سہی

طاقت ہے اس کے سامنے تیر قضا چلے
اس تند خو سے وہ بھی ذرا سر جھکا چلے
شاہ و گدا کو شوق تری ہم رہی کا ہے
جس کو تو کہہ دے ساتھ ترے وہ چلا چلے
اس طرح جائے دل تو کھنچا یار کی طرف
جوں کاہ کہربا کی طرف کو کھنچا چلے

ظالم بھلا کہاں تک ہم صبر کر رہیں گے
گھبرا کے بس کسی دن ناچار مر رہیں گے
پروانہ کا ارادہ تیری ہی طرف کرے گا
جب تک کہ مرغ دل کے یہ بال و پر رہیں گے
مت کھینچ اے مصور تصویر اس پری کی
مر جائے گا اک عالم خالی یہ گھر رہیں گے

آنکھوں کا میرے آنسو ممکن نہیں کہ سوکھے
پہلو میں گر ہمارے دل اور جگر رہیں گے
شورش ترا یہ رونا گر ایسے ہی ہے ہر دم
باقی جہاں میں کیونکر دیوار و در رہیں گے

جو کوئی جسم و جان رکھتا ہے — خوف تجھ سے ہر آن رکھتا ہے
زیست کرتا ہے اس جہان کے بیچ — تجھ سا جو مہربان رکھتا ہے
برہمن سے نہ بولنا شورش — وہ بھی منھ میں زبان رکھتا ہے
میں تو عاشق ہوں ایسے یوسف کا — دوست جسکو جہان رکھتا ہے

اپنا مطلب بیان کیا کیجے — ہے گی ساکت زبان کیا کیجے
نیستی میں کمال رفعت ہے — ایک نام اور نشان کیا کیجے
کسی صورت سے وہ ریجھتا نہیں — ہے بڑا بدگمان کیا کیجے

جو کوئی دل کو آفتاب کرے — سیر عالم کی وہ شتاب کرے
زلف میں تیری دل ہوا ہے گم — کہدے شانے کے تئیں طلب کرے
جو نہ دشمن کہے کسی کے کیساتھ — حق میں ناداں کے یہ خراب کرے

دشت یا در میں تجھے یار کہیں دیکھا ہے — یاد پڑتا ہے کہ اک بار کہیں دیکھا ہے
تجھکو سب کہتے ہیں مختار ہے اسکے گھر کا — بندہ بھی فاعل مختار کہیں دیکھا ہے
جان کو اپنے دیا حق سے نہ گذرا ہرگز — تجھ سا منصور سا سردار کہیں دیکھا ہے

قطعہ

ایک دن روٹھ چلا میں تو بلا کر یہ کہا

دوسرا مجھ سا طرحدار کہیں دیکھا ہے

پھر تو میں نے بھی کہا اس سے کہ اے بندہ نواز

دوسرا ایسا گرفتار کہیں دیکھا ہے

بے ہنر ہیں اس طرح اہل ہنر ممتاز ہے

چشم نابینا میں جوں اہل بصر ممتاز ہے

چشم عالم سے ہماری چشم تر ممتاز ہے

آب دریا سے عرض آب گہر ممتاز ہے

زلیخا کیا کہوں تجھ سے کہ میرا یار کیسا ہے

ترا یوسف با ایں خوبی یہ اس کا ایک بندا ہے

ہم اسی حسرت میں یارو مر چلے
آئے تھے کس کام کیا کر چلے

درد و غم کا اس جہاں سے گو رہیں
لے کر اپنے ساتھ اک دفتر چلے

حاصل اس دنیا سے یہ ہم کو ہوا
خاک رکھ چھاتی پہ اور پتھر چلے

کب دل کو مرے تو نے کہہ شاد کر دیا ہو
ناشاد کر دیا ہے برباد کر دیا ہے

اک پھر نہ دیو سے خالی صیاد اس قفس سے
ناکارہ جان مجھ کو آزاد کر دیا ہے

کب جانتے تھے لینا تم دل کسی کا پیارے
دل دے کے ہم نے تم کو استاد کر دیا ہے

قربان اسکے جاؤں جس نے پہ تیرے قدکو ... قمری کے دل کی خاطر شمساد کر دیا ہے

اے چشم ذرا دیکھ مری جان یہی ہے ... گر تجھ کو شناسائی ہے پہچان یہی ہے
بینائی جسے کہتے ہیں حکمائے زمانہ ... وہ مردمک دیدۂ انسان یہی ہے
افراط کسی چیز کا ہر چند نہیں خوب ... اے عشق جلا دے مجھے ارمان یہی ہے

اس غنچۂ دل سے ہے مجھے جنگ صراحی
ہوتا نہ مرے رونے سے تو تنگ صراحی
تشبیہیں گردن کی دوں کیونکر کے کسی کو
مشہور ہے یہ بات کہ ہے سنگ صراحی
اس واسطے منہ تم کو لگاتی نہیں سن لو
جانے ہے تمھیں شیخ جی بے ڈھنگ صراحی

جو کوئی مری جان گرے تیری نظر سے ... ہر چند اٹھاویں نہ اٹھے نوع بشر سے
تقصیر نہیں رونے میں آنکھوں کی ہمارے ... آنسو تو چلا آتا ہے ہر آن جگر سے
وہ یار نکلتا ہی نہیں گھر سے اے شورش ... ہر چند کہ سر ماروں ہوں دیوار سے در سے

گر میرے تصوّر میں وہ تصویر نہ ہوتی ... جینے کی مسیحا سے بھی تدبیر نہ ہوتی
اے دل تجھے پتھر سے بھی بدتر میں سمجھتا ... گر آہ تری صاحب تاثیر نہ ہوتی
افراط محبت نے دوانہ کیا شورش ... ورنہ مرے پاؤں میں یہ زنجیر نہ ہوتی

دل دیوانے کئے نہ کچھ زور نہ زر ہاتھ میں ہے
اتنا جانوں ہوں کہ رونے کا ہنر ہاتھ میں ہے

وہ تجلی ہے کف دست میں تیرے ظالم
جو کوئی دیکھے تو جانے کی قمر ہاتھ میں ہے

فکر کونین کی مجھ کو نہیں ہرگز شورش
یار بیداد مرا میرے اگر ہاتھ میں ہے

نفرت کرے وہ ہم سے، رقیبوں کو بٹھاوے
دشمن کے بھی دشمن کو خدا یہ نہ دکھاوے

یہ وہ ہے ستم گر کہ سنا ہووے گا تم نے
جی جیتے ہی چھاتی یہ جو دیوارا بٹھاوے

کچھ عاشقی کرنا تو برا کام نہیں ہے
پر ایک مصیبت ہے کہ آرام نہیں ہے

شیشہ ہی مرے منھ سے لگا دے مرے ساقی
اس وقت مرے پاس اگر جام نہیں ہے

لاکھ تدبیر کرے باد صبا کیا ہووے   غنچۂ دل نہیں بے ذکر خدا کھلتا ہے

اے دل ربائے عالم ہم سے حجاب کیا ہے
کر بے حجاب ہم سے منہ پر نقاب کیا ہے

ایک پرتو ہے تیرا جس سے یہ روشنی ہے
اب آگے کیا کہوں میں یہ آفتاب کیا ہے

ظاہر جو زخم دل میں وہ سو سے کم نہیں ہیں
پوشیدہ ہیں جو دل میں ان کا حساب کیا ہے

زلف رسا سے شورش کہنا کہ بل نہ کھاوے
حاضر ہیں دل دہی کو پھر پیچ و تاب کیا ہے

جہاں میں مرا آشنا ایک ہے
نہیں جھوٹ کہتا خدا ایک ہے

کسی نوع سے کوئی یاد اس کی کر لے
ہر اک ذکر کا مدعا ایک ہے

دوئی ہو تجلی میں شورش کہاں
ہر اک شمع کی میاں ضیا ایک ہے

ہمارے قتل کی تم نے جو ابرو سے اشارت کی
بہت ہم خوش ہوئے دل میں غرض کیا ہی کرامت کی

بھلا اے شیخ جی تم نے نماز مقتدی کھو لی
بصارت تھی نہ آنکھوں میں تو کیوں تم نے امامت کی

کل یار دل میں اس کی محبت جو آ گئی
قالب میں میرے روح سی گویا سما گئی

آ کر بہار جالی رہی چار دن کے بعد
یوں تھا کو داغ دل کے کھلے تھے وہ کھل گئی

کیا آگ تھی غضب کی الفت میں یار دے گیا
مانند طور خانۂ دل کو جلا گئی

کچھ بڑھ چلوں میں تم سے میری مجال کیا ہے
پر شیخ جی یہ کہیے تم میں کمال کیا ہے
دے اور ہی ہیں گے معنی جس میں کشود ہوئے
نزدیک عارفوں کے یہ قیل و قال کیا ہے
ہے پوچھنا تو اس سے جس نے لکھا ہے تاً
شورش تو ایلچی ہے تجھ کو سوال کیا ہے

جو کچھ دل میں میرے تری چاہ ہے — خدا ہی مرا اس سے آگاہ ہے
عدم کے مسافر ہیں سب پیش و پس — جہاں میں نہیں کوئی گمراہ ہے
خدا ساتھ شورش تجھی کو نہیں — ہر اک بندے کو اک خودی راہ ہے

کشتی چاہ آہ یوں ڈوبی ، یہ بھی اپنے نصیب کی خوبی

وہ کام کیے جاتا ہوں الفت میں بتاں کی
مجنوں کی طرح میرا بھی افسانہ لکھیں گے

جو راہ سے واقف نہیں وہ رہنمائی کیا کرے
جس کی نظر بینا نہ ہو . . . . . کیا کرے

شورش کی جو مصور تصویر کھینچتا ہے
اول اک اس کی خاطر زنجیر کھینچتا ہے

ہے صفا دل کی شرط اے زاہد
کیا ہوا ریش ہو گئی جو تمام سفید
سیاہی رو بلے کی دل سے جاتی نہیں
گو کہ ظاہر میں ہیں ہزار سفید

جی سے بھاتا ہے مجکو اے شورش
چاندنی میں لباس یار سفید
اور پھولوں کی سیج جام شراب
موتیوں کے گلے میں ہار سفید

رباعیات

ہر رنگ میں دیکھا تو اسی کا ہی ظہور
خورشید کا ہی ذرے میں ہے جیو کہ نور
بینائی اس شرط ہے جو دیکھے کوئی
شپرک سے ہے دیکھنا خورشید کا دور

گر کفر اور اسلام کے تیں خوب نگاہ
دیکھا تو ہے دونوں رستے پیدا اک راہ
مشرک تو وہی ہے کہ جیو جانے دو ہے
میں ایک سمجھتا ہوں گا واللہ باللہ

کیا آنکھ کوئی لگا دے اس شوخ بیوفا سے
سائے پہ جو ہمارے شمشیر کھینچتا ہے
زاہد کے پاس بیٹھوں کس طرح سے اے شورش
اپنی طرف وہ مجھ کو بے پیر کھینچتا ہے

قطعات

ہے جمیع صفت کے تو موصوف
غائبانہ میں ہوں ترا مصروف
بندگی حق کی جوں بلا قبلہ
کچھ ملاقات پر نہیں موقوف

انسان کی نہ پوچھو شاہوں کا شاہ یہ ہے
اور دین میں جو دیکھو تو دیں پناہ یہ ہے
لش پر کہا نبی نے احمد ہوں میں بلا میم
وہ ذات پاک شورش بے اشتباہ یہ ہے

کعبے کو اگر جاویں تو
آتش کو اگر پوجیں تو جلنے کا گماں ہے
ہر بات میں اک نوع کی ہے تکلیف اے شورش
دنیا کی غرض پردے میں آرام کہاں ہے

کیا مدح کرے کوئی تمھاری یا شاہ
تم عالم ایجاد کے ہو پشت پناہ
کچھ فرق نہیں تم میں نبی میں مطلق
اس دعویٰ اوپر لحمک لحمی ہے گواہ

اے پیر مغاں دل کو نہ کر میرے کباب
اس تشنگی مے میں پلا مجھ کو شراب
باقی نہ رہے دل میں تمنا اس کے
مٹ جائے جو یہ نقش کبھی مثل حباب

جان دل سے میں چاہتا ہوں تجھکو ظالم
صد دل سے میں چاہتا ہوں تجھکو ظالم
موت کرم کرے ہے شورش یہ مرے
بہ دل سے میں چاہتا ہوں تجھکو ظالم

شیون

میر احسن شیون، ساکن عظیم آباد، مردے بود، سپاہی پیشہ، گاہے فکر شعر فارسی و گاہے ریختہ ہم می نمودند و در محفل مشاعرہ تشریف می آوردند، با فقیر اخلاص تمام داشتند۔ آخر الامر ترک روزگار نمودہ ترک روزگار نمودہ فقر اختیار کردند و از شاہ کام جو رصحبت برار ساختند و از دوستاں ترک ملاقات فرمودند و جان بجاناں دادند۔ یک شعر یاد ماندہ، ہماں نوشتہ شدہ۔ از دست :

اے شیخ تو یہ خرقۂ سالوس جلا دے
ڈاڑھی نیں یہ پھوس ہے، یہ پھوس جلا دے

مرغ بسمل کے بال پر کھینچو
اس دل بے قرار کی صورت
آج نرگس کی آنکھ میں دیکھا
خوب ہم انتظار کی صورت

شائق

میر قمر علی شائق تخلص، ساکن عظیم آباد :۔

شب کو تیری بزم میں اغیار سب سوتے رہے
ایک ہم کمبخت بیٹھے صبح تک روتے رہے

قاتل کے روبرو سے پھر آیا نہ جائے گا
تیغ نگہ سے دل کو بچایا نہ جائے گا

اے شیخ نہ بندا ہوں نہ میں شاہ و گدا ہوں
تم جس کو صنم کہتے ہو میں اوس کا خدا ہوں

ہم نے دلبر کو بھر نظر دیکھا
آج اس آہ کا اثر دیکھا

جس گھڑی ہم . . . . . . گئے
دیکھ کر اغیار سارے جل گئے

یار سینہ کا داغ پھر چمکا
جو بجھا تھا چراغ، پھر چمکا

شجاع

نواب شجاع قلی خاں، شجاع تخلص، نور چشم نواب منیر الدولہ نادر جنگ غفرلہ۔ از چند سال در مغل پورہ تشریف می دارند و اوقات بخوبی بسر می برند حق تعالی سلامت دارد۔ از وست:

بھلا نہیں جو برا بھلا کو پیش غیر کہو
پر اس میں ہے جو تمھاری خوشی تو خیر کہو

ہے جلوہ گاہ بتاں زاہدو ازل سے یہ
حرم کہو دل عاشق کو تم کہ دیر کہو

(۱) ایک ہی ورق میں شجاع کا ذکر دو بار کیا گیا ہے لیکن دونوں تحریروں میں الفاظ

کا خاصا تفاوت ہے پہلی بار اس طرح ذکر کیا گیا ہے :-
نواب شجاع قلی خاں، فرزند رشید نواب منیر الدولہ نادر جنگ غزلہ
دریں روزہا فکر شعری فرماید۔ ایں مطلع تا احقر رسیدہ، مرقوم ساختہ :-

اتنا نہ کر اضطرار دم لے
دم لے دل بے قرار دم لے

بھلا نہیں جو برا مجھ کو پیش غیر کہو
گر اس میں ہے جو تمھاری خوشی تو خیر کہو

شاہ

ابو الحسن تانا شاہ، شاہ تخلص، بادشاہ دکن، مرید شاہ سلطان

قلزم :

کس در کا ہوں، جاؤں کدھر، مجھ دل کو بل بچھراٹ ہے
اک باٹ سے گئے ہوں گے کئی پرجی تو بارہ باٹ ہے

سید ابو الحسن بادشاہ دکن ملقب بہ تانا شاہ غفراں پناہ۔ خوبی عدل و انصاف حضرت ایشاں تا حال در دل خاص و عام منقوش است۔ بادشاہ اورنگ زیب مخاطب بخطاب عالمگیر از محنت ما لہا از قبضۂ قدرت ایشاں برآوردہ، خود متصرف گردیدہ وہماں جا مدخون گشتہ۔

صانع

صانع ساکن بلگرام[1] - ازوست :

کیا دے کر سگ لیلیٰ کو رخصت استخواں اپنا
نہ چھوڑا ہائے کچھ مجنوں نے صحرا میں نشاں اپنا

صنعت

مغل خاں صنعت از اقربائے نواب نظام الملک آصف جاہ است۔
ازوست :

غمزے سے مارتا ہے جلاتا ہے ناز سے
کیا ملک حسن کا صنما! تو خدا ہوا

یار گھر جاتا ہے یارو کیا کروں
ہائے گھر جاتا ہے یاروں کیا کروں

دو دستی[2] قافیہ ایں شعر تردد است۔

صمصام

نواب[3] امیر الامرا خان دوران ... م الدولہ صمصام تخلص ی ... ازوست :

نزدیک ہے خزاں کا ہووے اگر گزر چمن میں
اب شور کر لے بلبل آنے جو تیرے بن میں

---

(1) گردیزی ص ۱۰۱
(2) گردیزی ص ۱۰۱
(3) گردیزی ص ۱۰۱

صوفی

مہربان دلی، میر منظر علی، صوفی تخلص ساکن پرگنہ راج گیر، سرکار صوبہ بہار۔ در علم ظاہر عالم بسیار مردم شاگرد اوست۔ الحال در فقر می کوشند۔ اکثر فکر شعر فارسی و گاہے فکر شعر ریختہ ہم می نمایند۔ بر احوال فقیر توجہ بسیاری فرمایند۔ از وست:

بس اب یہ اٹھنے کا نہیں ناتواں یہیں کا ہوا
بسان اشک جہاں گر پڑا وہیں کا ہوا

چھوٹ جاویں غم سے ہر دم کے جو نکلے دم کہیں
خاک ہے یہ زندگی جو ہم کہیں اور تم کہیں
سارے عالم کو ڈبایا کیا چاہے ہے اور
بس خدا کے واسطے اے چشم گریاں تھم کہیں

صفدری

صفدری عظیم آبادی، بسیار مرد غیور بود و در فن شعر فارسی خوش گو۔ گاہے فکر شعر ریختہ ہم می نمود۔ باایں ہمہ مصور، و تیر انداز و خوش نویس و بریدہ تراش بے بدل بود چنانچہ نواب نظام الملک ہزار روپیہ قیمت یک فیل بریدہ می داد۔ قبول نکرد کہ مرا ازیں پیشہ زر گرفتن نیست۔ یک روپیہ روزانہ سرکار خواجہ محمد مقیم برادر نواب خان دوراں می یافت۔ ہماں اکتفا نمودہ۔ گاہے بخانہ کسے نرفتہ آخر در دہلی وفات یافتہ و یکے از کمالات آں ایں بود کہ در گنبد ہائے رفیع الشاں بے نردبان

بخط چوب میان گنبد آیتہائے قرآنی معہ بسم اللہ ہی نوشت اما کسے راہمراہ نمی برد۔

از وست :

تجھ دہن سے قرض ہنسا لے کے اس تنگی کو بھول
کیا شگفتہ ہو کے بیٹھے ہے گُل گلشن میں پھول

سجن نے پان کھا مسی ملی ہے
دہن گویا کہ لالے کی کلی ہے

صبائی

صبائی احمد آبادی۔

زر ست ہے آشنائی زر سے ملے ہے بھائی
زر نہیں تو ہے جدا (؟) دنیا میں جو ہے نر ہے

ضیا

میاں ضیاء الدین ضیا تخلص، متوطن دہلی، جوانے است مودب و مہذب متواضع با فقیر ربطے بسیار دارد (۲) ہمیں قدر در تذکرہ میر رقوم است۔ از وست :

جنت کا ست دیو مژدہ مجھ خاک میں رلے کو
آرام واں بھی معلوم ایسے جلے بلے کو

گریاں وفا کے ارتا جیوں ابجیوں بگولا
صحرا میں تونے مجنوں وحشی ضیا بھی دیکھا

(۱) نکات، ص ۱۰۱
(۲) نکات :

میر ضیاء الدین از چند سال حوالۂ عظیم آباد وارد اند۔ در محفل مشاعرہ روزے تشریف آوردہ بودند لکن بایں نمط کہ مردم ندانند کہ ایں ضیا است۔ از فضل الٰہی نور بصارت ہر یک دوستاں بر شناخت اسود درست بود۔ چگونہ ضیا پوشیدہ ماند۔ شناختند اما شعر نہ خواندند۔ آنچہ مناسب بود تواضع نمودہ آخر رخصت شدند۔ بعد چندے معلوم شد کہ رفیق راجہ بہادر بودند۔ در محفل ہولی مردمان بے ادبی کمال نمودند۔ خانہ نشینی اختیار نمودند۔ وقتیکہ راجہ بہادر صوبیدار عظیم آباد شدند طلبیدہ باز رفیق ساختند لکن میر موصوف ناز دستار بر سر نہ نہادند۔ الحال سخن بطور فقرای فرمایند۔ از وست :

تخمِ انساں میں حق کا جھاڑ چھپا
تنکے کی اوٹ میں پہاڑ چھپا

کون سے صدمے کی یہ آہٹ ہے
پھر درِ دل پہ کھٹکھٹاہٹ سی

ڈر سے کسی کے نالہ بھی لب تک نہ ہٹ گیا
جوں نوں کے سانس اٹھا تھا سو پھر پلٹ گیا

خم ہی میں بیٹھے بیٹھے ادھل پڑی ہے باہر
دخترِ مغاں نے اپنی کتنی دلیری کی ہے

در اول مصرع لفظ ادہلی گئی ہے بسمع فقیر مولف نہ آمدہ و در آخر مصرع شراب را دخترِ مغاں قرار دادہ است، اگرچہ دخترِ رز و دخترِ تاک و بنت العنب

شراب رامی گویند لیکن دختر مغاں گاہے نشنیدہ ۔

(فقیر مولف)

طالع

شمس الدین طالع[1]، جوانے خوش طلعت و پاکیزہ رو، در عین جوانی جان بجاناں دادہ، حق سبحانہ تعالیٰ رحمت کند۔ از دست :

عرصے میں ہے اے زاہد اس دور میں پیمانہ
مسجد کے تئیں جاویں کیوں چھوڑ کے میخانہ
آباد کر اے طالع تو چل کے بیاباں کو
مرنے سے مجنوں کے ویران ہے ویرانہ

نہ جا ناصح کی باتوں پر وہ تیرا درد کیا جانے
وہی کر تو ارے دل جس میں اپنا کچھ بھلا جانے

زبس معمور ہے سینا گلوں سے داغ الفت کی
شگاف دل کو اپنے ہم در گلزار کہتے ہیں

طالب

از میر طالب علی ساکن الہ آباد برادر زادہ حضرت مصیب عزلہ :

ڈھلتی ہے بلا جو تہ افلاک سے نیچے
ڈرتا ہوں الٹی کر یہ ظالم کدھر آوے

---

(1) گردیزی : ۱۰۳

رس شعر از انتخاب نیست۔ وقت تحریر ہمیں شعر بدست آمدہ والا شعر ایشاں اندک رتبہ دارد، و مشاق قدیم اند۔ محض برائے یادگار نوشتہ اگر دیگر بدست خواہد آمد باز خواہم نوشت۔

طالب

طالب[1] علی طالب تخلص برادر شیخ غلام علی راسخ ساکن شاہجہان آباد ذوق شعر از عظیم آباد نمودہ و شاگردی میاں فدوی اختیار نمودہ:

دیکھا چراغ و شمع مہ و لالہ زار کو
پہنچے ہے میرے کوئی دل داغدار کو
کس کس کو روؤں لوٹ لیا آہ عشق نے
عقل و خرد کو ہوش کو صبر و قرار کو

اپنی ضد پر یہ چشم گر آوے
شمع کیا ابر بھی نہ تر آوے

ظاہر

خواجہ محمد جان ظاہر، شاگرد حضرت مرزا مظہر مدظلہ العالی۔ بہ۔۔۔ از خویش علی نواز خاں، رفیق نواب غلام حسن خاں پسر نواب اعظم خاں از دہلی بہ عظیم آباد تشریف آوردہ۔ اشعار ایشاں ہنوز شہرت نیافتہ بود کہ صحبت شناخت از دوست:

---

(۱) طالب علی طالب کا ترجمہ حاشیے پر درج ہے

پھر زلیخا نہ نیند بھر سوئی
جب سے یوسف کو خواب میں دیکھا

محبت کوہ کن کی رنگ اگر جا کر نہ پھیلاتی
نہ خسرو سرخ ہو آتا نہ شیریں زرد ہو جاتی

اے آہ اس قدر تو گر بے اثر نہ ہوتی
ممکن نہ تھا کہ اوس کے دل کو خبر نہ ہوتی

باطن میں گو کسی سے مجھے دوستی نہ ہو
لیکن تجھے رعایت ظاہر ضرور ہے

ظہور

میر محمد باقر، خلف فخر اللہ خان ساکن عظیم آباد۔ بعد شہادت خان موصوف تشریف بہ شاہجہاں آباد بردہ بخدمت برادر نسبتی خواجہ محمدی خان صاحب عفر لہ رسیدہ۔

و شاگرد مرزا مظہر گردیدہ، حزیں تخلص یافتہ چنانچہ مشہور و معروف است کہ صاحب دیوان بودہ۔ آخر در وقت نواب زین الدین احمد خان ہیبت جنگ از دہلی مراجعت نمودہ، در سرکار نواب موصوف نوکر گشتہ۔ بسیار بسیار بعزت و حرمت اوقات بسری برد۔ دیوان دیگر در ڈھاکہ درست فرمود و تخلص ظہور قرار دادہ چوں بار دگر در عظیم آباد آمدہ، ساقی نامہ و ترجیع بند تصنیف نمودہ۔

آخر ہمراہ نواب صولت جنگ بوسیلۂ پیر محمد وحید صاحب قبلہ مغفور در پرینہ رفت و جان بجاناں دادہ۔ ذر روضہ حضرت شاہ مصطفٰے اجمال الحق قدس سرہ زیر چبوترہ جائے مدفن یافتہ۔ از وست :

جب سے دل آئینہ رویاں کا بلاگرداں ہوا
ہم جدا حیراں ہوئے اور دل جدا حیراں ہوا
کیا مزا پھر آشنائی کا رہا اے دل سمجھ
یار کو ملنا نہ ملنا جب ترا یکساں ہوا

ذرا دم لے، میں حاضر ہوں، جفا بنیاد کر لینا
نئی طرحیں ستم کی بلکہ اور ایجاد کر لینا

اپنی جدا خبر لے، دل کی جدا خبر لے
یہ ایک جی ہمارا، کس کس کی کر یا خبر لے
برسات کے دنوں میں حاضر شراب رہیے
شاید خدا کسی وقت ابر و ہوا خبر لے
لٹے وفا کا شکوہ کرتا ہے کیا سمجھ کر
اے بیٹھ بے مروت اپنی تو جا خبر لے

اس شوخ بیوفا نے ناحق ہمیں ستایا
یاں تک کہ درد کا بھی ہم نے مزا نہ پایا

ملا جب ہم سے وہ ہمدم ہمارا
کچھ اور ہی ہو گیا عالم ہمارا

دل میں رکھتے ہیں یار کی صورت
ہے ہمیشہ بہار کی صورت
دیکھ کر باغ باغ ہوتے ہیں
اپنے اس گل عذار کی صورت

شاید بہار آئی دوانوں کو کل نہیں
آتی ہے ہائے ہو کی صدا ہر گلی سے آج

غیر سے تجھ کو چھپاؤں کس طرح
جی سے تجھے اپنے ملاؤں کس طرح

(رباعی)

جب سے پڑے ہیں بحر توحید میں ہم
کرتے ہیں ہمیشہ زندگی دید میں ہم
کچھ کام نہیں کسی کے مشرب سے ہمیں
پڑتے نہیں کتنے سے تقلید میں ہم

ادب[1] سے رہ گئیں شوخی کی حسرتیں دل میں
کبھو نہ تجھ سے ہوا جان دل مرا گستاخ

---

(۱) یہ اور اس کے بعد کے اشعار حاشیے پر درج تھے۔

دوستی اس کی بھلا کر زندگی کرتے ہیں ہم
تو بھی آجاتی ہے بعضے وقت ان چاہوں کی یاد

نہیں سکتا ہے میرے درد کی تحریر سے کاغذ
مرے آنسو کے ریلے سے جلا جاتا ہے یہ کاغذ

جان پر سختی نہ کرتا وہ بھی دلبریاں تلک
ہم کسو پتھر پہ اتنا مبتلا ہوتے اگر
جمع کی تھی رات مجلس عیش کی تم نے سنا
کیا برا ہوتا صنم ہم بھی بھلا ہوتے اگر

وصل میں بھی جب خیال آتا ہے ڈر جاتا ہوں میں
غم نہیں بھولا صنم تیری جدائی کا ہنوز

کوئی دن درد . . . . دیکھا
آخر اس عشق نے ہم کو کیا ناشاد کہ بس

کیوں نہ ایسی مے سے ہو ساقی کے پیمانے کو رقص
دیکھ جس کا حسن آجاتا ہے میخانے کو رقص

یار سے باتوں میں تو تندی نہ کر ہرگز ظہور
ہے تجھے کام اس سے کچھ تجھ سے نہیں اسکو غرض

ظاہر

مخلص دلی، میر لطف علی، ظاہر ولد میر محمد باقر ظہور۔ جوانیست شائستہ و نیک نیت یار باش۔ در علم موسیقی فہمید درست دارند و کارہا می کنند و گاہے شعر ریختہ ہم می فرمایند۔ در محفل مشاعرہ نیز تشریف می آوردند.... الحال ہمراہ میر ابو صاحب می باشند۔ از دست :

ہے یہ وہ آہ سنگ ہو پانی
اس کے دل پر نہ کچھ اثر دیکھا

دیکھ سرگرم سخن غیروں کو تجھ سے پیارے
لگ اٹھی آگ مرے سینۂ سوزاں کے بیچ
اب نہ کوئی چاہ نہ کوئی دل میں ہوس باقی ہے
دیکھا کیا کیا نہ کچھ اس گردش دوراں کے بیچ

محبت میں پایا مزا کچھ نہیں
بجز درد و غم کے ملا کچھ نہیں
ذری بات میں ہو گئے غیر کے
میں دیکھا تمھاری وفا کچھ نہیں

گو لاکھ طرح کے پھول پھولیں
آتی نہیں خوش بہار تجھ بن
دے جام پہ جام آج ساقی
کھینچا ہے بہت خمار تجھ بن

ایک وہ بے وفائے عالم ہے
ہم سے مر گئے ہزار، کیا غم ہے
آتش ہجر کا جلا، نہ بچے
ہاں مگر وصل یار مرہم ہے

آ دیکھ اے آفتاب تجھ بن
بے نور ہے ماہتاب تجھ بن
اے مست شراب یہ تغافل
دل جل کے ہوا کباب تجھ بن

اور سے کام کیا تجھے ظاہر
نقش کر دل میں یار کی صورت

جدا ایک دم مجھ سے رہتا نہ تھا
مرے دل کو اب ہائے کیا ہو گیا

آرام کہیں نہ چین پایا
اس دل کے لئے جدھر گئے ہم

کون سی جا ہے کہ جس جا نہ گزر اس کا ہے
دیدۂ و دل میں جہاں دیکھئے گھر اس کا ہے

اوروں سے ہے اختلاط، ہم پہ ستم واہ واہ
چاہئے یوں نہیں تمھیں واہ صنم واہ واہ

ممکن ہے تری بزم میں اغیار نہ ہووے
کیا معنی جہاں گل ہو وہاں خار نہ ہووے

جب نظر مجھ کو یار آتا ہے
میرے دل کو قرار آتا ہے

کیا کہوں دل میں جان میں کچھ ہے
واپسیں دم زبان میں کچھ ہے

مجھے رات دن جو تری یاد ہے
اسی یاد سے دل مرا شاد ہے

یہاں مو سے باریک گردن ہے ظاہر
اٹھے عشق میں کس سے بار گریباں

کٹے گی کس طرح یہ آج کی رات
کہانی خوش نہیں آتی نہ کوئی بات
تو زاہد زہد کے جذبے نہ دکھلا
بہت دیکھی ہے خشک ایسی کرامات

محفل میں تو اس بت کے غیروں کی رسائی ہے
اور ہم پڑے پھرتے ہیں، اظہار خدائی ہے

ظہور

ظہور اکبر آبادی۔ در موزونان عصر بخوش گوئی مشہور است۔ و در ریختہ[1] تتبع دیوان انعام اللہ خاں یقین می کند و لیل و نہار بیشتر در ہمیں کار بسر می برد ازدست :

تمھیں خدا کی سوں لے جان لو ہوا سو ہوا
بھلا دو غصے کو آؤ چلو ہوا سو ہوا

جی نکلتا ہے مرا اس بے وفا کے واسطے
اوس کو لے آدے کوئی مجھ تک خدا کیو اسطے

عاصمی

خواجہ برہان الدین عاصمی۔ شاعریست خوش فکر چنانچہ کلام شاہد حال است۔ عاصم[2] از خطاست۔ متوطن شاہ جہاں آباد۔ در[3] علم تاریخ مہارتے دارد و در لطیفہ گوئی نیز۔ ازدست :

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتاتا باغباں رو رو کے یاں غنچہ تھا یاں گل تھا

---

(۱) گردیزی ص ۱۰۳
(۲) گردیزی ص ۱۰۵
(۳) نکات ص ۱۱۷

رات کو میں شمع کے مانند رو کر رہ گیا
صبح کو دیکھا تو سب تن اشک ہو کر بہہ گیا

عارف

محمد عارف عارف تخلص متصل (۱) دہلی دروازہ می باشد۔ اکثر تلاش لفظ تازہ می کند بنا بر کم می گوید و شاگرد میاں مضمون است۔ دیگر احوال معلوم نیست۔ از دست :

دختر رز کو کڑکے اس سے مل
ورنہ عارف افیم کھاوے گا

ہزاروں معنی باریک آویں دل میں اے عارف
اگر زلف سیہ کا پیچ اوس کے منہ پہ کھل جاوے

عاشق

عاشق شاہ جہاں آبادی۔ از دست :

خط سے زیادہ اور ہوا حسن یار کا
آخر خزاں نے کچھ نہ اوکھاڑا بہار کا

عزیز

شاہ عزیز اللہ عزیز (۲) تخلص۔ از شاہ جہاں آباد است۔ رتبۂ شاعری از

---

(۱) نکات ص ۱۲۵
(۲) اس کا ماخذ غالباً گردیزی (ص ۱۰۶) ہے

شعر پیداست :

ڈرتا نہیں ہوں بانک و کٹاری کے زخم سے
بانکی نگاہ دیکھ تیری بل گیا ہوں میں
کان نمک ہوا ہوں تیرا حسن سبز دیکھ
لونی برہ کی جب سے لگی گل گیا ہوں میں

عمدہ

سیتارام عمدہ تخلص۔ از کشمیر جنت نظیر است۔ در ریختہ تتبع[1] دیوان انشاء اللہ خاں یقین می نماید و شعر را بخوبی می گوید۔ از دست :

پھنسا کر آپ کو بالوں میں اس شانے نے کیا پایا
پہن کر پاؤں میں زنجیر دیوانے نے کیا پایا

مرے تابوت پر حاجت نہیں پھولوں کی چادر کی
کہ میرے نعش پر وہ سرو گل رخسار پہنچے گا

کہے گا یار سے اے دل غم اپنا تو تو کیا ہوگا
دکھ اپنا شمع سے کہکر کے پروانے نے کیا پایا
نہ کیجیو خاکساری ہیچ گر اے عمدہ تو ہرگز
ملا کر آپ کو ماٹی میں ویرانے نے کیا پایا

---

(۱) گردیزی ص ۱۰۷

کسو کے سینے میں ہرگز میرا سا داغ نہ تھا
مرے چراغ سے روشن کوئی چراغ نہ تھا
چمن میں کھینچ کے لائے ہیں گل رخاں مجھ کو
وگرنہ سیر چمن کا مجھے دماغ نہ تھا

مدام کیوں کہ مراحی رہے نہ صہبا میں
کوئی شراب سی شے دوسری ہے دنیا میں

یہ ٹوٹے ہے سخن سخت سے، وہ پتھر سے
مرے سے دل کی کہاں نازکی ہے مینا میں

مرنے کے وقت یار نے مجھ سے کہی یہ بات
اے عمدہ تو چلا ہے کدھر اس جہاں کو چھوڑ

دل ہمارا دست دہاموں کا ہے دیوانا ہنوز
مر چکے ہیں تس پہ خوش آتا ہے ویرانا ہنوز

حکم کیا ہے اسے راتوں کو ترے کوچے میں
دل میرا نالۂ و فریاد کرے یا نہ کرے
عمدہ اب ہم تو بہت یاد اسے کرتے ہیں
یاد ہم کو وہ پری زاد کرے یا نہ کرے

عزلت

صاحب طبع والا فطرت، سید عبدالولی عزلت پسر سید سعد اللہ[1] قدس سرہ۔ مرد یست عالم و فاضل[2] بزرگ و متوکل۔ مشق شعر فارسی ہم نمودہ اند لکن مزاج مبارک ایشاں میلان طرف ریختہ بسیار دارد۔ تازہ وارد شاہجہان آباد اند باایں ہمہ کمال ایں قدر وسعت مشرب دارند کہ در ہر رنگ مثل آب می آمیزند ازوست:

اون کو پہنچی خبر کہ جیتا ہوں
کسی دشمن ستی سنا ہو گا

عزلت گمان یوں تھا کہ جل کر ہوا ہے راکھ
پھر دود آہ دل نے میرا دیدہ تر کیا

بندہ ہیں تیرے چھب کے مہ سے جمال والے
سب گل سے گال والے سنبل سے بال والے

بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا
سوائے بیکسی اب اور آشنا نہ رہا

نہ پوچھو یہ بگولا ہے میرا ہم تول صحرا میں
یہ قبر حضرت مجنوں ہے ڈانواڈول صحرا میں

---

(۱) گردیزی ص ۱۰۱
(۲) نکات ص ۹۳

فقیروں سے نہ ہو بیرنگ لالا افضل ہولی میں
تیرا جامہ گلابی ہے تو میرا خرقہ بھگوا ہے

نخل امید بے وفاؤں سے
دل سلامت پھرے تو پھل پایا

دل میں رندوں کے پھپھولا ہوا عمامۂ شیخ
یارب اس بزم سے یہ زہر کا مکڑا جاوے

ہوش دل لے کر ہمارا اب نہیں لیتے سلام
دے جواب اے مروت ہم نے تیرا کیا لیا

عمر

خان عالی شاں، معتبر خاں عمر تخلص از منصب داران سرکار والا بود[1] شاگرد ولی۔ از دست:

او تری رونے سے مرے ابرو کماں کے بھوں سے چیں
کس طرح ٹھرے کماں اس بارش برسات میں

بس کرو زلف کو لپیٹ رکھو
کیا اسیروں کے مار ڈالو گے
ایک رسوا بہت ہے شہرت کو
جمع کر کیا اچار ڈالو گے

---

[1] گردیزی ص ۱۱۶

تن میں دل لے کے یوں مکرتے ہو
کہ گویا ان تلوں میں تیل نہیں

عشق

میر[1] زین الدین عشق شاہجہاں آبادی۔ باعث عدم موافقت روزگار ناہنجار کہ باکسے اہل کمال ف خستہ است، نخواہد ساخت تا بعظیم آباد رسیدہ و بدولت خانہ حضرت شاہ گھسیٹا صاحب مدظلہ العالی فرود آمدہ مردیست مجسم بعجز وانکسار و نوادرۂ روزگار۔ شاعر فارسی، صاحب دیوان، گاہے فکر ریختہ ہم می نماید۔ از دست :

کون پوچھے ہے دل و جاں کو اگر یار نہ ہو
جنس بے قدر ہے اس جا کہ خریدار نہ ہو
کس طرح مجھسی ہجراں سے رہائی پائے
وعدۂ وصل اگر دل کا مددگار نہ ہو

عاصی

نور محمد عاصی تخلص۔[2] از برہان پور است۔ دیگر احوال معلوم نیست

از دست :

سمجھے ہیں ہم کہ اب کہیں تم نے بھی دل دیا
بیٹھے کہیں ہو بات کہیں ہے۔ نظر کہیں

---

(۱) عشق کا ترجمہ حاشئے پر ہے۔
(۲) گردیزی ص ۱۱۷

آتا تھا میرے منھ کے مقابل جو آفتاب
ایسا گرا کہ تیغ کہیں ہے سپر کہیں

عشق

میر یحییٰ مخاطب بہ عاشق علی خاں، عشق تخلص، متوطن دکن۔ از وست:

ہیں شہید کربلا سب سرخ پوش
مصطفےٰ کے آل کا کیا رنگ ہے

وقت بد میں کیا کسی سے ہے رفاقت کی امید
بھاگتا ہے جب زوال آتا ہے سائے سے رفیق

صاف دل آرسی سا کوئی نہیں
لے کے منھ دیکھے آشنائی ہے

ہاتھ پر ہاتھ مرے دھر کے چلے آئے ساتھ
دیکھو طالع کی مدد آج مرے ہاتھ پڑے

عاجز

عارف[1] علی خاں، عاجز تخلص۔ مدت است کہ در برہان پور قیام داشت
الحال احوال او ہیچ معلوم نیست۔ از وست:

---

(۱) غالباً اس کا ماخذ نکات (ص ۹۷) ہے۔

(۱)
اے زرد پوش تم ہو اگر شاخ زعفران
عاجز بھی باغ عشق کا رنگیں پلنگ ہے

تیری برگشتہ مژگاں کا خیال آتا ہے یوں دل میں
دکن کی فوج جیوں بھالے پکڑ ہنگاہ پر آوے
تیری بانکی گلی میں ہم گزر کر سر سے بیٹھے ہیں
خدا وہ دن کرے قاتل کر خواہش راہ پر آوے

جنجال زندگی سے کیا ہو گیا جو چھوٹے
عاجز ابھی پڑا ہے ملک عدم کا جھگڑا

عطا

(۲)
عطا نام او باشے بود، در وقت عالم گیر بادشاہ۔ از وست :

عطا در مفلسی دو ٹوک رہتا ہے
سمجھتے بوجھتے نمان سنے رہ

اے در نبرد حسن تو کشتہ بجھار چشم
زیر مژہ نہفتہ چو آہو بجھار چشم

ایں شعر ندکور در تذکرہ میر مرقوم است لکن قافیہ معلوم نمی شود چگونہ نوشتہ اند۔

---

(۱) اشعار کا ماخذ گردیزی (ص ۱۱۹) ہے۔

(۲) نکات ص ۳۶ ۔

عبدالرحیم

عبدالرحیم[1]

آیا فراق اب پیو کا، سدھ بدھ گنوا مجنوں کیا
جس باٹ وہ لیلے اگئی اوس باٹ مجھ جانا پڑا

عبدالبر

عبدالبر[2]

سجن کے ہجر کا نیزہ جگر کے بیچ لاگا ہے
نہ چونکے کیوں کہ اب طالع[1] کہ سوا جاگا ہے

عزیزاللہ

عزیزاللہ[3]۔ غزلے گفتہ کہ تمام اولیا را ورد ذکر کردہ، مقطعش اینست :

مجھ نوجواں ہیں کیا بولوں جو ولیاں کی صفت
عاجز عزیز اللہ اوپر دکھن کے سب پیراں مدد

عاجز

عاجز شخصے است نظر کردۂ میاں کمترین[4]۔ از دست :

دل بغل مارے لے جاتے ہیں یہ سب مکتب کے طفل
شیخ سعدی تم بھی اب لیکر گلستاں دوڑیو

---

(۱) نکات ص ۱۰۲
(۲) نکات ص ۱۰۳
(۳) نکات :۔ ۱۰۵
(۴) نکات ص ۱۴۲

عاشق

خان رفعت نشان، علی اعظم خاں خلف خواجہ محمدی خاں غفرلہ، ساکن دہلی۔ مردیست شجاع و در سخاوت یکتا، خوش اختلاط، از چندے ترک روزگار نمودہ، فقر اختیار فرمودہ۔ گاہے گاہے فکر شعر بصلاح حضرت مرزا گھسیٹا صاحب مدظلہ العالی می نمایند و عاشق تخلص می فرمایند۔ از دست :

روز و شب تجھ سے گر ملا کیجے
چین اس پر نہ ہو تو کیا کیجے

یہ دل اور ہی طرح سے آج کچھ فریاد کرتا ہے
کوئی بیداد گر شاید ہماری یاد کرتا ہے

شمع کی طرز کون رو جانے
جس کے دل کی لگی ہو سو جانے

مشرب ترے عاشق کا مذہب سے جدا ہے
ہندو نہ مسلماں نہ ادھر کا نہ ادھر کا

تسخیر کو عاشق کے نیا طور نکالا
کیا طوق محبت ہے ترے کان کا بالا

ٹک غور کر دیوانے وہ سب میں جلوہ گر ہے
ہے یار پاس تیرے تو ڈھونڈتا کدھر ہے

مرے دل کا ادب ہے تم کو لازم
کہ اس میں ہے تمہارا اسم اعظم

چشم بدور یار کی صورت
ہے قیامت بہار کی صورت

عشاق

سید احمد بخش، عشاق تخلص، فرزند حضرت مخدوم احمد چرم پوش ساکن محلہ امبیر من محلات حویلی بہار۔ از دست:

خبر بہار کی لڑکو جنوں کو لا دینا
اگر سویا ہو تو زنجیر کو ہلا دینا

زنہار دل کسی کا لے اے جاں نہ توڑیے
یہ خانۂ خدا ہے اسے ہاں نہ توڑیے

عاصی

میر اسد علی عاصی تخلص ساکن حویلی بہار۔ دریں روز ہا فکر شعری نماید از دست[1] :

---

(۱) ترجمے کے بعد کوئی شعر درج نہیں ہے۔

عزت

شیخ غلام بنگالی، عزت تخلص، پسر شیخ لطف اللہ مرحوم، ساکن محلہ دیوان پادشاہی من محلات بلدہ عظیم آباد۔ بعد وفات پدر خود نوکری سپاہ گری اختیار نمودہ و باعث صحبت دوستاں و آشنایاں اول منقبت می گفت بعدہ جنگ نامہ مشتمل بر فتح نواب زین الدین احمد خان بہادر ہیبت جنگ و شکست مصطفیٰ خاں ببر جنگ بوجہ احسن سر براہ نمودہ۔ گاہے گاہے فکر غزل ہم می نمود۔ آخر سودا سے بہم رسیدہ، راہ گرفتہ:

تھا نظر بند تو کرتا تھا کبھی پھیرا دل
پائے زنجیر ہوا ہائے کہیں میرا دل

عشق

حضرت شاہ رکن الدین عشق عرف مرزا گھسیٹا مدظلہ العالی، صاحب دیوان ریختہ، ساکن شاہ جہاں آباد، نبیرہ حضرت شاہ فرہاد نقشبندیہ قدس سرہ از بست و دو سال در عظیم آباد تشریف آوردہ و ترک روزگار نمودہ استقامت فرمودہ و توکل را رفیق خود ساختہ۔ خلائق را در علم ظاہر و باطن تربیت می فرمایند خصوصاً کتب ہائے علم تصوف مثل مثنوی حضرت مولوی و شرح رباعیات حضرت مولوی جامی و لمعات وغیرہ اکثر مردم می خوانند و مخلص بزرگان می مانند و سماع را دوست می دارند آنچہ انسان کامل را می باید، ہمہ می دارند حق تعالیٰ سلامت دارد:

چشم میں خلق کے گو مثل حباب آتا ہوں
عین دریا ہوں حقیقت میں بہا جاتا ہوں

دم ہم تلک نہ پہنچا ہم دم تلک نہ پہنچے
کیا مفت مر گئے ہیں ہمدم تلک نہ پہنچے

جس کے تئیں زلف نے دکھائی شام
پھر اسے دوسری نہ آئی شام

کیا کیا جفائیں ظالم ہم نے تری سہی ہیں،
لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں
کیوں کر کے چین آوے گر بعد قتل مجھ کو
جو حسرتیں تھیں دل میں سو جیوں کی تیوں ہیں
مرنے کے بعد ہم نے عاشق کا حال دیکھا
لخت جگر کہیں ہیں اور چشم تر کہیں ہیں

غرور حسن وہاں مانع یہاں بھی ناتوانی تھی
گلا آپس میں بیجا ہے نہ ہم پہنچے نہ تم پہنچے

اے آہ تو نے اور ہی شعلہ اٹھا دیا
داغ جگر کو .... جلا دیا

وادیٔ غفلت میں تو سوتا ہے کیا
دیکھ آنکھیں کھول کر ہوتا ہے کیا

نہیں سمجھتے ہو تم لطف منہ چھپانے کا
کہ اس جہان میں مضمون ہے دکھانے کا

آنکھیں دکھلانے کا بہانا تھا
برچھیاں اپنی آزمانا تھا

گو مری آہ نے اثر نہ کیا
پر خدا کا بھی تو نے ڈر نہ کیا

وہ تصور میں کب نہیں آتا
بے خود ہوتے ہیں جب نہیں آتا
عشق یادش بخیر اے یارو
آگے آتا تھا، اب نہیں آتا

غلط ہے مجھے جستجو ہے کسی کی
مری صورت ہی ہو بہو ہے کسی کی

آہ جاں سوز کو سر دفتر دیوان کیا
عشق نے دیکھتے ہو پہلے ہی طوفان کیا

عرش تا فرش سیر کر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

تیر کے نام پر تڑپتا ہے
اس طرح کا کہیں جگر دیکھا

اپنی آنکھوں سے پوچھ لے خوش چشم
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا دیکھا

دل ہوا جل کے تو تیا تو بھی
تیری آنکھوں سے آشنا نہ ہوا

منہ کو دکھا اپنے دو خورشید رو
شام غریباں کو سحر کر گیا

حرم میں نام سنا دیر میں نشاں دیکھا
سوائے تیرے نہ دیکھا غرض جہاں دیکھا

کیا کہوں تم سے کریں آپ کو کیا کیا سمجھا
اتنا سمجھا کہ جو کچھ سمجھا سو بے جا سمجھا

ہنسی بے اختیار آتی ہے باتیں ہیں کہنے کی
ہماری نعش پر لے سنگدل تو چشم تر ہو گا

نہ پوچھا حیف تو نے مر گئے ہم
پسِ دیوار کوئی نیم جاں تھا

تری چینِ ابرو مرا غنچہ دل
وہ عقدے ہیں یہ جس کو کھلتا نہ دیکھا

کرم تری جب سے سمجھا ہوں دل میں
کبھی منکرِ امروز و فردا نہ دیکھا

خدا کی خدائی ہے قائم پہ تجھ سا
نہ دیکھا، نہ دیکھا، نہ دیکھا، نہ دیکھا

شگوفہ باغ میں ہنستا تھا اس کے خام دعوے پر
تری آنکھوں کے آگے سبز یہ بادام کیا ہوگا

اور کو مت دکھائیو صورت
ایک میں بس جہان سے گزرا

کوئی باقی نہ رہا سنگ ترے کوچے کا
جس سے سینہ کو دوانے نہ کوٹا کوٹا

دل کھول لے او یار ہم سے
ایسا بھی کبھو خدا کرے گا

دل حلقہ بگوش ہوگیا ہر چند سنبھالا
ہے حلقۂ تسخیر ترے کان کا بالا

نہ کم آیا نہ حق سے پیش آیا
جن نے جو کچھ کیا سو پیش آیا

آہ اے ساقی دلبر دے مجھے جام شراب
عشق کے ہاتھوں ہوا ہے جل کے دل میرا کباب

مثال جام یہ لبریز ہے سینہ محبت سے
خیال غیر میرے دل میں آسکتا ہے کیا قدرت

سمجھا غنی وہ حق ہے گو اور ماسوا فقیر
کیوں اغنیا سے عشق کرے التجا عبث

آنے دیا تھا عشق دیوانے کو کن نے یہاں
جو بے مزہ کیا مجھے صحن چمن کے بیچ

بس کر رکھتا ہے تصور تری آنکھوں کا یہ دل
ہورہا ہے شوق سے لبریز پیمانے کی طرح

اگرچہ کم ہے وہ گستاخ اختلاطوں میں
ولے ہے قہر ستانے کو تند خو گستاخ

دل تو مت کر فغاں بطور جرس
ہے خموشی میں معنی فریاد

لکھ کے لاتا ہے عبث شیخ مزور تعویذ
داغ محبوب سوا کون ہے بہتر تعویذ

کی ہے کون و مکاں کی ہم نے سیر
جز خدا کے کہاں ہے یار و غیر

بلبلیں دیتی ہیں لوری اور جھلاتی ہے نسیم
طفل غنچوں کو پنگھوڑے میں سلاتی ہے ہوا

باتیں بنا نہ اتنی زاہد تو بیٹھ جا کر
پایا ہے اب صنم کو ہم نے خدا خدا کر

دیکھ کر تیرے گلے میں یہ قبائے رنگ سبز
گل رخوں کا ہو گیا ہے چہرۂ گلرنگ سبز

ہم سے روٹھا ہے گل عذار افسوس
مفت لٹتی ہے یہ بہار افسوس

ہے نظر میں اگرچہ خستہ و ریش
بادشاہ وہ کون ہے درویش

خوب رویوں کو خوب دیکھا میں
کوئی نہیں عشق قابل اخلاص

ناصح اب بکنے کا تجھ سے میں نہیں پاتا دماغ
ہے نصیحت تیری ظالم داغ بر بالائے داغ

اثر کرتے نہیں اوس سنگدل میں
اس آہ نارسا کے ہوں تصدق

جاتے ہوئے دل کو بھلا روکے کوئی کب تک
آیا ہے تو آجا کہ نفس باقی ہے اب تک

---

(۱)
رہی یہ آرزو آخر کے دم تک
نہ پہنچا سر میرا تیرے قدم تک
نشانا اور کوئی منظور ہے آج
جو تیر اس کا نہیں آتا ہے ہم تک

---

(۱) یہ اور اس کے بعد کے اشعار حاشیے پر ہیں۔

ترے ہاتھوں سے چشم تر گئے ہم
غرض روتے ہی روتے مر گئے ہم

کہنے کو ادھر ادھر گئے ہم
تھے تیری طرف جدھر گئے ہم
تا جاں نہ ہوئی عدو کی ملکی
تو نے کہا مر، تو مر گئے ہم

جان ہی کو جہان سمجھے ہیں
یہ سمجھ ہم نہ دان سمجھے ہیں
یہ تبسّم نہیں ہے کچھ بے چیز
ہم بھی اے مہربان سمجھے ہیں

آفت جاں ہیں یا بھبھوکے ہیں
چشم بد دور یہ کسو کے ہیں

ایسا جگر جو رکھے سو اس کے دو بدو ہو
منہ دیکھو آئینہ کا جو اس کے روبرو ہو

دلبری تو نے دل ربا کیا کی
آشنا ہیں سے آشنا کیا کی

بن رُخ و زلف کچھ نہیں منظور
اپنی لیل و نہار کے صدقے

مجھ کو نظروں سے یوں ہوا معلوم
دل نا مہربان میں کچھ ہے

لے صبح تا بہ شام فلک چرخ کھا سکے
سرگشتی ہماری کو لیکن نہ پا سکے

فیض باراں سے ہے تبسم گل
جب میں روتا ہوں یار ہنستا ہے

کروں میں شکر اون کا کیا الٰہی
دم خنجر نے آخر تک نباہی
خراب ہوں اس قدر لے خانہ آباد
تباہی کھینچتی ہے یاں تباہی

تیرے لعل جاں بخش کی سن کہانی
ہوا آب حیواں خجالت سے پانی

غریب

محمد اماں غریب تخلص۔ در تذکرۂ تقی میر[1] مرقوم است کہ جوانے بود

(۱) نکات ص ۱۲۵

غوش ظاہر، زبانش لکنت داشت، ازیں سبب گاہے الکن ہم تخلص می آورد۔ از وست[1] :

تیرے بغل ہی میں دل پر داغ ہے غریب
حسرت چمن کی کاہے کو یہ باغ ہے غریب

بات رہ جاوے گی قاصد وقت رہنے کا نہیں
دل تڑپتا ہے شتابی لا خبر دل دار کی
دل دیکھ دستار بسنتی ساقی سرشار کی
کھل گئی ہیں آج آنکھیں نرگس بیمار کی
کہنے کا کبھی جو وقت پاتا ہے غریب
بھول سب جاتا ہے باتیں دیکھ صورت یار کی

غلام شاہ

از مرزا[2] غلام شاہ ساکن شاہ جہاں آباد، پسر رحمت یار خاں بن عثمان یار خاں۔

موجود ہر وجود رب ہے
یہ جلوہ گری جہاں میں تب ہے

غم

میر اسلم غم[3] تخلص برادر میر ابو صاحب :-

---

(۱) آخری دو شعر حاشیے پر درج ہیں۔
(۲) مرزا غلام شاہ کا ذکر شاہ کی رعایت سے "ش" کے ذیل میں بھی کیا گیا ہے۔ ترجمہ اور نمونۂ شعر میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔
(۳) غم کا ذکر حاشیے پر ہے۔

ہے جو مزا سکوت میں فریاد میں کہاں
پر ضبط اس قدر دلِ ناشاد میں کہاں

غواصی

غواصی دکھنی۔

(۱) جو کوئی اس مزرع دل پر برہ کے بیج بوتا ہے
تو ہرگز اس کے بستاں میں گلِ امید ہوتا ہے

فطرت

از فطرت کہ موسوی خاں خطاب داشت، موسوی (۲) و معز و فطرت ہر سہ تخلص می نمود۔ احوال او در تذکرہ سراج الدین علی خاں آرزو مفصل مرقوم است این شعر ظاہرا ازوست :

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے
در گلشن آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

فہمید

میر میران صاحب کہ سید نوازش خاں خطاب دارد، فہمید (۳) تخلص می فرماید ازاوست :

آہ اگر باغ میں وہ سرو خراماں گزرے
اشک قمری کا گلستاں میں طوفاں گزرے

---

(۱) نکات ص ۱۰۳
(۲) نکات ص ۲۶
(۳) نکات: (ص ۱۰۶) میں میر میران کا ذکر ہے مگر ان تخلص بھید بتایا گیا ہے نہ کہ فہمید۔ نکات کی روایت قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ مجموعۂ نغز میں (صفحہ ۱۱۳) "بھید" کی وضاحت ان الفاظ سے کی گئی ہے "بہ ہائے خفی کہ بہندی راز است۔"

فغاں

مشفق و مہرباں، اشرف علی خاں مرحوم، فغاں تخلص۔ در عشرہ ماہ محرم قبل از
شمشیر خانی در عظیم آباد تشریف آوردہ و بخانۂ نواب خاں بہادر ملاقات شدہ۔ بسیار گرم
جوش و صاحب اختلاط بہ نظر آمدہ۔ چند روز نہ گذشتہ بود کہ بموجب طلب احمد شاہ
بادشاہ روانہ طرف دہلی گردیدہ، در آنجا کوکا خاں خطاب یافتہ۔

بعد تخلل سلطنت شاہ موصوف بار تشریف بہ عظیم آباد آوردہ و
بخدمت مہاراجہ شتاب رائے دوستی پیدا نمودہ و بوسیلۂ ظرافت چناں پیش آمدہ
کہ التمنا ہم رسانیدہ و خطاب ظریف الملک، مصاحب الدولہ، یکتا زجنگ یافتہ
واقعی در ظرافت و مثل گوئی مثل نہ داشت۔ صاحب دیوان ریختہ
بودہ وگاہ گاہ فکر شعر فارسی ہم می نمود۔ شاگرد قزلباش و مرزا ندیم بودہ با احقر دوستی
بسیار داشت و در محفل مشاعرہ تشریف می آورد۔ آخر بجنت شتافت۔

ساقی زمیں یاں آپ سے کچھ چشم تر آیا
دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا

آوارہ پریشاں و شکستہ دل و بدنام سنتے تھے فغاں جس کو سو آج ہی نظر آیا

شکوہ کرے ہے کیوں تو مرے اشک سرخ کا
کب آستیں تری مرے لوہو سے بھر گئی

ایں شعر را مرزا محمد رفیع سودا قطعہ در غزل خود فرمودہ و ایں ہر سہ شعر در تذکرۂ میر تقی میر[1]
مرقوم است۔ دیگر خیر۔

روزے می گویند کہ خان آرزو از راہ خوش طبعی از اشرف علی خاں
پرسید کہ بطرف بنگالہ کسے زنانہ ہم بنظر آمدہ؟ گفتہ: "آرزو ہے"۔

---

(۱) نکات: ص ۷۶

روزے اشرف علی خاں صاحب مرحوم ایں شعر تقی میر می خواند و می گفت:

دل پا کے اس کی زلف میں آرام رہ گیا
درویش جس جگہ کی ہوئی شام رہ گیا

مصرع ثانی ترجمہ فارسی است:

"درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست"

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

می فرمود کہ صدا در اصطلاح ہندوستان زایان گوزرا می گویند۔

روزے مزاج اشرف علی خاں مغفور طرف لطیفہ حاضر بود شخصے پرسید کہ خاں صاحب یا پیک دان نقرہ چرا نمی آید۔ گفت: "چاندی میں کون تھوکے"

ہمیں قسم بسیار لطیفہ از و مشہور است۔ اشعار ایشاں آنچہ ایں احقر انتخاب نمودہ اینست:

عالم میں اگر عشق کا آزار نہ ہوتا
کوئی کسی صورت کا گرفتار نہ ہوتا

وہ چاہے یا نہ چاہے فغاں آپ چاہیئے
اپنی طرف [سے] ہاں مرے حسنا نبا ہیئے

تیر نگہ حریف دل بے قرار ہے
یک جنبش مژہ میں کلیجے کے پار ہے

اے شیخ اگر کفر سے اسلام جدا ہے
بس چاہیے تسبیح میں زنار نہ ہوتا

آیا ہے خط نمودیں اس خوش نگاہ کا
شاید اثر ہوا ہے مرے دود آہ کا

ہاتھ تونے تو رفو سے نہ اٹھایا ناصح
اڑ گیا سیتے ہی سیتے یہ گریباں میرا

کچھ مدارات بھی اے خون جگر پیکاں کی
تشنہ مرتا ہے کئی دن سے یہ مہمان مرا

زور پہ ہوتا نظر آتا نہیں یہ زخم دل
دیکھیے کیا ہوا ہے خدا حافظ ہے اس بیمار کا

جب تک رہے قفس میں یہی شغل نت رہا
سر کو جھکا جھکا کے پر و بال دیکھنا

سن لی خبر کہاں سے مرے اشک چشم کی
کس نے تیرے یہ کان میں موتی پرو دیا

اس کف پا پر ترے رنگ حنا
جس نے دیکھا ہاتھ ملتا ہی رہا

شگفتگی سے ہے غنچہ کتیں پریشانی
بھلا ہوا کبھی کا فر تو مجھ سے وا نہ ہوا

میرا قطرۂ اشک دریا نہ ہوگا
گر آنکھیں یہی ہیں تو کیا کیا نہ ہوگا

اتنا کوئی کہدے کہ میرا یار کہاں ہے
بااللہ میں لینے کا نہیں نام کسی کا

اب کیا کرے گا اس کو مشک خدنگ ناز
میرا جگر تو خانۂ زنبور ہو گیا

رقیب دیکھ میرا حال زار روتا ہے
یہ وہ مثل ہے جو کہتے ہیں سنگ آب ہوا

تیری تو حد سے زیادہ میں گالیاں کھائیں
بس اب سنبھالو تم اپنی زباں مرے صاحب

چشم پوشی اس قدر ساقی مجھے لازم نہیں
دو پیالے دے کہ ہو جائیں سبھی ایکبار مست

میرا ہم چشم یار و ابر ہو سکتا ہے کیا قدرت
کوئی میرے برابر آج رو سکتا ہے کیا قدرت

جذبۂ عشق نپٹ خانہ خرابی پہ ہیں
حائل یار ہوئے ہیں در و دیوار عبث

یا دکر گوشۂ داماں کو اوس ظالم کے
سخت الجھا ہے میرا ہاتھ گریبان کے بیچ

مرتا ہوں زلف و عارض و گلگون یار پر
ٹک چشم وا کرو مرے لیل و نہار پر
ممکن نہیں کہ غیر نہ ہووے رکاب میں
تجھ کو خدا نہ لا دے ہمارے مزار پر

---

(۱) ہوتا اگر نہ خانہ خرابی میں کچھ مزا
کاہے کو بحر بیچ دباتا حباب گھر

---

(۱) یہ اور اس کے بعد کے اشعار حاشیے پر درج ہیں۔

نہیں جفا سے خفا ہوں نہیں وفا سے خوش
رہے ہے یہ دل محزوں تری رضا سے خوش

ہوا ہے آہ شرر بار سے تری ثابت
فغاں تجھے تو کسی شعلہ رو سے ہے اخلاص

تمہارے جور سے گو غیر کم ہوئے محظوظ
جو ہم سے پوچھتے ہو تم تو ہم ہوئے محظوظ

نہ کوئی گور غریباں اوپر جلائے چراغ
جلے ہیں داغ دل عاشقاں بجائے چراغ

ان بلاؤں سے فغاں جاں پر نظر آتا نہیں
تیغ ابرو یک طرف ہے تیر مژگاں یک طرف

افسردہ ہو چلا ہے سر شام داغ دل
یہ وہ نہیں چراغ کہ ٹھہرے سحر تلک

یہ جانا ہیں کہ تم ہو کوہ تمکیں
ذرا بولو تو رستا ہے مرا دل

ے گور میں چشم تر گئے ہم
روتے روتے ہی مر گئے ہم

مجھے دشنام تو دیتا ہے میں سن سن کے روتا ہوں
اگر تو ڈر اگلتا ہے تو میں موتی پروتا ہوں

کس طرح بجھی شمع سحر گاہ نہ پوچھو
احوال دل سوختگاں آہ نہ پوچھو

اے دل خیال عشق کو کم رکھ سمجھ سمجھ
تو راہ عاشقی میں قدم رکھ سمجھ سمجھ

مانند لالہ داغ ہے دل میں مرے فغاں
گو ہوں جگر جلا پہ سزاوار داغ ہوں

عاجز ہوں ترے ہاتھ سے کیا کام کروں میں
گر چاک گریباں تجھے بدنام کروں میں

زاہد کو حرم دیر برہمن کو مبارک
میں کشتۂ الفت نہ ادھر ہوں نہ ادھر ہوں

کہتا ہے یہ بہشت میں مستوں کو جا نہیں
زاہد کا کیا خدا ہے ہمارا خدا نہیں

ہو کر ترے قفس سے میں آزاد کیا کروں
بے بال و پر ہوں لے مرے صیاد کیا کروں

بوئے کباب سوختہ آتی ہے خاک سے
دامن سے کیا گرا کوئی لخت جگر فغاں

فدوی

مرزا بچو، فدوی تخلص۔ ساکن شاہجہاں آباد، شاگرد حضرت مرزا گھسیٹا صاحب مدظلہ العالی۔ جوانے است پست قد و شیریں کلام و با علم موسیقی ہم ربطے دارد و صاحب دیوان ریختہ است۔ غزل بوضع درست می گوید۔ در محفل مشاعرہ تشریف می آورد۔ از وست :

دل میرا ہے یہ شمع ساں اپنا
سر جلا دیں کہاں کہاں اپنا
درد دل کس سے کہیے یاں کوئی
مشفق اپنا نہ مہرباں اپنا
اپنے ہاتھوں اجاڑ بیٹھے ہیں
کس سے پوچھیں ہم آشیاں اپنا

دل تڑپتا ہے صبح و شام پڑا
یا الٰہی یہ کس سے کام پڑا

یاد جب تجھ کو دلاتی ہے شراب
اور بھی چھاتی جلاتی ہے شراب

آرام نہیں بغیر تیرے
کیا کام کہیں بغیر تیرے

کام ہے یاں اوس سے جس سے کام لے سکتے نہیں
منھ میں اوس کا نام سے اور نام لے سکتے نہیں

پوچھ مت اے ہم نشیں کیوں آج چہرا زرد ہے
درد کو وہ جانتا ہے جس کے دل میں درد ہے

شام پھولی دیکھتے ہیں زلف کی آشفتہ وہ
جس کے آگے باغباں صبح چمن بھی گرد ہے

قاصد یہ اعتماد نہیں کچھ دغا نہ دے
یارب یہ اس کے آگے مرے تیں بھلا نہ دے

اس اشک سرخ سے جاوے گی آستیں بگڑی
غضب کرے گی یہ خود ہی اگر کوئی پکڑی

فدوی یہ خون دل ہے کسی کا حنا نہیں
باور نہ کیجیو ہاتھ وہ جب تک دکھا نہ دے

فرحت

شیخ فرحت اللہ[1] فرحت تخلص۔ می گویند کہ صاحب دیوان فارسی و ہندی است۔ شعر او از فصاحت و بلاغت خالی نیست۔

یک روز بھی وہ بت نہ ہوا رام ہمارا
برباد گیا مفت میں اسلام ہمارا

نہ پہنچوں تیری گلی تک میں ضعف سے ہرگز
خیال قد کا ترے گر نہ ہووے مجھ کو عصا

ہوائی اڑ گئی یک بار گی منہ پر دو عالم کے
مرے سینے سے جب یہ نالۂ آتش فشاں نکلا

ہرگز نہ کسی شمع کے منہ پر نظر آیا یا
جو نور کہ ہم نے ترے رخسار میں دیکھا

---

(۱) فرحت کا ذکر حاشیے پر ہے۔

دیکھ کر مجھ کو بگولا گلے لگ کر رویا
ان نے پھر قیس کے تیں بادیہ پیما سمجھا

قامت اس کا کہے ہے یوں ہر دم
میں قیامت ہی کر دکھاؤں گا

تیرے کوچے کی میاں خاک بھی چھانی جا کر
پر دل گم شدہ کو اپنے نہ پایا ہم نے

فضل علی

شاہ فضل علی دکھنی۔ طبع بلند داشت۔ از وست۔
مصور گر تری تصویر کو چاہے کہ اب کھینچے
لگا دے ایک سارا چاند چہرے کے بنانے کو

سجن کو میں کہا ٹک منھ تو دکھلا
کہا آئینہ رو نے بیٹھ منھ دیکھ

زلف کے سلسلے کے طالب کو
پیچ دے کر مرید کرتے ہیں

---

(۱) گردیزی ص ۱۲۲

فدائی

از فدائی احوال او در تذکرۂ بنظر نہ آمدہ۔ ایں قطعہ مرقوم بود۔ از وست
(۱) مست شراب بند قبا۔ وا کیے ہوئے
پوچھا میں اس طرح سے چلے ہو کہاں میاں
کہنے لگا لے تیغ کو غصہ سے ہاتھ میں
سنتا ہے بے یہ کون زباں ہے میاں میاں

فدوی

از فدوی۔ احوال ایں فدوی در تذکرۂ نہ دیدہ۔ یک غزل در بیاض میر اولاد علی ساکن دہلی پسر میر نظر علی سلمہ اللہ تعالیٰ بنظر آمدہ۔ آنہم مربوط نہ بود۔ یک شعر نوشتہ می شود۔ از وست
ناحق کی ہے تہمت کہ تو غیروں پہ ہے عاشق
گر تیرے سوا اور کو چاہیں تو قسم لے

فضلی

فضلی راست۔ تقی میر (۲) مثنوی ہم دیدہ اند۔ شاعر خوبے بود۔
رکھا ہوں نیم جاں جاناں تصدق تجھ پہ کرنے کو
کیا سب تن کو میں درپن اچھوں درسن پائے ہوں
ربط بین المصرعین مطلق معلوم نمی شود کہ چہ می گوید۔ آنچہ رائے میر درست است۔

---

(۱) گردیزی: ص ۱۱۲ (مستانہ کے زیر عنوان)
(۲) نکات ص ۱۰۰

قائم

محمد قائم متخلص قائم بشنیدہ می شود کہ جوانیست وحسن پرست ونوکر پیشہ[1]

دریا ہی بھر تو نام ہے ہر ایک حباب کا
اٹھ جائے گر یہ بیچ سے پردا حجاب کا
کیوں چھوڑتے ہو درد تہ جام مے کشو
ذرہ ہے یہ بھی آخر اسی آفتاب کا

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا
آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا
ہر دم آنے سے میں بھی ہوں نادم
کیا کروں پر رہا نہیں جاتا

بنا دے کوئی عمارت سو کس توقع پر
پڑا ہے قصر فریدوں بن آدمی سونا

نیک و بد جو تجھے کرنا ہے سو کر لے قائم
پھر امید نہیں یہ کہ جواں ہووے گا

ہم سے بے بال و پر اب جائیں کہاں اے صیاد
کاش میں ذبح کیا ہوتا جو آزاد کیا

یہ کہیو اسے قاصد کہ ہے پیغام کسی کا
پر دیکھیو لیتا ہے کبھی نام کسی کا

یک دگر خفگی جب آئی (دہے) تو جھگڑا کیا ہے
تم کو خواہندہ بہت مجھ کو طرفدار بہت

بھلا دے ابر مژگاں اب تو بس کر
ابھی تو کھل گیا تھا تو برس کر

بہار عمر قائم ہے کوئی دن
اسے جیوں گل پیارے کاٹ ہنس کر

موافقت کی بہت شہریوں سے میں لیکن
وہی غزال ابھی رم رہا ہے آنکھوں میں
وہ محو ہوں کہ مثال حباب آئینہ
جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

صحرا پہ گر جنوں مجھے لاوے عتاب میں
کھینچوں ہر ایک خار کو پائے حساب میں

دل تو کہے سنے سے سمجھتا بھی (دہے) کوئی
جو کچھ کہو سو دیدۂ خانہ خراب کو

روکے ہے کون تیغ مری عشق نے کہا
بولا ادھر سے داغ جگر لے سپر کہ ہم

نہ دل بھرا ہے نہ اب غم رہا ہے آنکھوں میں
کبھی روئے تھے سو خوں جم رہا ہے آنکھوں میں

یارو کیوں بکتے بے فائدہ مجھ سے جاؤ
اتنی کہتے ہو مجھے اتنی اد سے سمجھاؤ
وہ نہیں تو کہ تجھے غم ہو کسی عاشق کا
یا کوئی جیو نصیبوں سیتی یا مر جاؤ

سنگ کو آب کریں پل میں ہماری باتیں
لیکن افسوس یہی ہے کہ کہاں سنتے ہو

جی میں چہلیں تھیں جو کچھ سو تو گئیں یار کے ساتھ
سر پٹکتا ہی رہا اب در و دیوار کے ساتھ
میں دوانا ہوں سدا کا مجھے مت قید کرو
جیو نکل جائے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھ

موقوف شغل گریہ مری چشم اگر کرے
اتنا رہے نہ آب کہ لب کوئی تر کرے

دہن کو تیرے پایا بات کہتے
ہماری جز رسی میں کیا سخن ہے

نہ لگا دل کو اس کے مژگاں سے
اپنے حق میں تو کانٹے مت بو دے

میں جاتا ہوں کعبہ سے اب دیر کو
بھلا یہ بھی دیکھو خدا کیا کرے

نہ مرنے دیتے ہم قائم کو لیکن
خداوندی سے کچھ چارہ نہیں ہے

یارب کوئی اس چشم کا بیمار نہ ہووے
دشمن کے بھی دشمن کو یہ آزار نہ ہووے

مرا کوئی احوال کیا جانتا ہے
جو گزرے ہے مجھ پر خدا جانتا ہے

بھٹکا پھروں ہوں یاں میں اکیلا ہر ایک سمت
اے ہمرہان پیش قدم تم کدھر گئے

افغان آہ کشتۂ بیداد کیا کرے
جو قتل ہو چکا ہو سو فریاد کیا کرے

کیا پشم ہے دنیا ہے سوئے اہل نعیم
بے قدر کریں ہم کو جو دے کر زر و سیم
مسجد میں خدا کو نہ کیجے سجدہ
محراب جو خم نہ ہو برائے تعظیم

قدر

قدر تخلص۔ شخصے[1] است وارستہ از قید مذہب و ملت، او باش وضع
در دہلی می باشد۔ از وست:۔

آئے ہو آج تو رہ جاؤ سجن رات کی رات
لیلۃ القدر سے بہتر ہے ملاقات کی رات

قدرت

قدرت اللہ، قدرت تخلص۔ تقی میر[2] در تذکرہ خود می نویسد اگرچہ عاجز سخن
است لکن برائے خاطر میر عارف کہ از یاران درست فقیر است نوشتہ شد۔
از وست:

قاصد شتاب جا کے خبر لا تو یار کی
حالت نپٹ بری ہے دل بے قرار کی

---

(۱) نکات: ص ۱۳۱
(۲) نکات: ص ۱۳۷

شاہ قدرت اللہ مرد یست صاحب انصاف کسے از و پرسید کہ میر چنیں نوشتہ است۔ دراں وقت ہمیں حالت بود۔ الحال از فضل الٰہی خوب شعری گوید و پسر ایشاں نیز فکر شعری کند۔ غرض حق تعالیٰ سلامت دارد۔ دریں روز ہا تشریف در ڈھاکہ می دارند۔ از وست :

کیا ہے شمع نے کیا سر فروشی میں ہنر پیدا
کٹاتے دیر نہیں ہوتی کہ پھر ہوتا ہے سر پیدا

بر سر جلوہ جو کل وہ بت ہر جائی تھا
سو جگہ چاک مرا جیب شکیبائی تھا

کب تلک اے نالہ زیر لب رہے گا تو گرہ
حوصلہ باقی نہیں بس جی تو گھبرانے لگا
مجھ کو غفلت نے خبر ایام فرصت کی نہ دی
آہ جب جاتے رہے دن تب میں پہچانے لگا

کچھ دیر ہوئی اشک نہیں آنکھوں سے تی گرتے
شاید تہ مژگاں کوئی لخت جگر آیا

بے تابیوں سے یہ دل بے تاب رہ گیا
اپنی تپش میں جل کے یہ سیماب رہ گیا

دل ہوا اسیر زلف سیہ فام رہ گیا
صید ضعیف مر کے تہ دام رہ گیا

جہاں نظر پڑے پاؤں تلے ملے کاغذ
سمجھ کے نامہ مرا ہاتھ میں نہ لے کاغذ
میں کیونکر تجھ کو لکھوں خط جب اشک و آہ سے یاں
ادھر جلے قلم اور اس طرف جلے کاغذ

از خویش رفتگاں کو کیا کام گفتگو سے
گویا سنی نہ ہم نے ہرگز زبان تصویر

سینے کو دیکھ اس دل سوزاں کے داغ داغ
جلتی ہے شمع اشک سے ہے گا چراغ داغ

جب گرے تیری نظر سے کوئی ہم جیتے ہیں
کشتۂ تیغ تغافل ترے کم جیتے ہیں
ہر قدم میں ترے اعجاز مسیحائی ہے
جس زمیں پر تو چلے اہل عدم جیتے ہیں

رقم زنجیر ہو جاوے ہے مضموں چل نہیں سکتا
حدیث زلف کا قدرت میں جب افسانہ لکھتا ہوں

نامہ بر جلد پہنچ ٹک تو کہ دن تھوڑا ہے
جی دھڑکتا ہے نہ پڑ جائے تجھے شام کہیں

ابر آیا ہے سوئے میکدہ رو کرتا ہوں
ہو سو ہو پھر میں تُرُزمن سبو کرتا ہوں
دست چالاک جنوں تو نہ رہے گا بیکار
پھر گریباں تری خاطر میں رفو کرتا ہوں
تا سوئے قبلہ ابرو کوئی سجدہ ہو قبول
ہر سحر خون جگر سے میں وضو کرتا ہوں

اب ہمیں تاب انتظار کہاں
صبر کیدھر ہے اور قرار کہاں

گراں ہے ترے جی پہ بار گریباں
کروں گا جدا تار تار گریباں

آہ یہ زخم جگر پاوے گا کیوں کر التیام
یاں سدا ناخن کو شغل کاوش انگور ہے

ہو گئے ہم تو خاک، پر اس سے
نئیں دل سے غبار نکلے ہے

خاک میں اپنی زبس آوارگی کا جوش ہے
ہر بگولا دشت کا یاروں سے ہم آغوش ہے

سرگشتگی نصیب کی جاوے نہ بعد مرگ
بنتی ہے آسیا مرے لوح مزار کی

وابستہ دم اپنے ہی کا سب کون ومکاں ہے
پیارے دو مثل ہے گی کہ جی ہے تو جہاں ہے

دم نہ لے گریۂ ندامت بن
چشم غم تا کہ نہ رہے باقی

اپنے سے ترک کوے یار ہو سکے یا نہ ہو سکے ؟
ایسے مقام سے کنار ہو سکے یا نہ ہو سکے ؟

لب قدرت سے جز فریاد کچھ اب رس نہیں گرتا
یہ کچھ شاعر نہیں ہے اپنے دل کا مرثیہ خواں ہے

قلندر

منشی یار محمد[۱] قلندر تخلص، ساکن دہلی۔ قبل ازیں از قوم کایستھ بود آخر

---

(۱) منشی یار محمد قلندر کا ذکر حاشیے پر ہے۔

اسلام آمدہ و بہ ارادۂ روزگار، در مرشد آباد رسیدہ۔ در سرکار نواب شہامت جنگ نوکر شدہ۔ گاہے فکر شعر فارسی و گاہے ریختہ می نمود۔ از وست :

خوب رویاں سے قلندر کیوں نہ ہو حاصل خدا
ہے کھلا صورت میں ہو کر راہ بیت اللہ کا

قاسم

قاسم دکھنی۔ از شاگردان عزلت است۔ از وست :

دیکھ تجھ چہرۂ طلا کا رنگ
اڑ گیا آج کہربا کا رنگ

مجھے اے سرو قد تجھ ناز نے مارا نزاکت سے
بجائے گل ہماری قبر اوپر ناز بو رکھیو

قادری

سید خلیل[2]، قادری تخلص، متوطن دکن۔ از وست :

خوش لگا سب سے فقر کا کمبل
پشم کر بوجھتا ہوں دنیا کو

قلندر

شاہ غلام قلندر، قلندر تخلص۔ ساکن قصبہ تکھرہ سرکار صوبہ بہار۔ مرید

---

(۱) گردیزی ص ۱۲۶
(۲) گردیزی ص ۱۲۷

حضرت میر محمد اسلم عظیم آبادی قدس سرہ ونور مرقدہ۔ قریب بست سال است که طرف مغرب تشریف می دارند۔ اشعار ایشاں وقت تحریر تذکرہ بدست نہ آمدہ۔ آنچہ شعر از فکر قدیم یاد بود ارقام نمودہ۔ از وست :

قلندر انہیں تنہا گناہ ہے ہم سے
ازل میں کھایا تھا نان خطائی آدم نے

قلندر وقت مرنے کے جو یار آیا تو کیا حاصل
جو اتنی عمر گزری ہے تو یہ بھی دن گزر جاتے

کیا[1] کہوں غم میں ترے عمر کس عنواں گزری
دن تو گردش میں کٹا رات پریشاں گزری
عرصۂ عشق میں کچھ ہم نے نہ پایا آرام
حالت وصل و جدائی مجھے یکساں گزری
وصل کے روز شب ہجر کے اندیشے سے
اتنا رویا میں کہ گویا شب باراں گزری
گر تجھے تخت حکومت کی قلندر ہے ہوس
فرض کر دل میں کہ ہم دوش سلیماں گزری

قاسم

قاسم شاعر است احوال او ہیچ معلوم نیست۔ از وست :

---

(۱) یہ غزل حاشیے پر درج ہے۔

زباں نہیں ہے مرے کیا کروں بیان فراق
جگر کو چاک کرو دیکھ لو نشان فراق
ہزار طرح کی آتش بلند ہوتی ہے
اگر بیان کروں ایک داستان فراق

قبول

مرزا گرامی قبول تخلص پسر غنی بیگ کشمیری۔ چوں[1] دید کہ ہنگامہ ریختہ گرم شد حواشی شعر ریختہ گفتہ

حاضری بن محل نہیں کھاتا
بیکلی ہے پنیر منعم کا

قاسم

از قاسم مرزا در تذکرہ[2] تقی میر ہمیں قدر مرقوم است۔ دیگر خبر ازدست:
گلے میں سر کی لٹ سیلی سوال سے نال کا دانا
ہوئے جوگی تو کیا یہاں وہاں جدھر نکلے ادھر نکلے

کلیم

محمد حسین کلیم ساکن دہلی برادر نسبتی تقی میر، صاحب دیوان ریختہ۔ مرد یست کامل روزگار۔ بزبان حضرت عشق مدظلہ بسمع فقیر رسیدہ کہ ترجمہ خصوص دوہ مجلس بزبان ریختہ نمودہ۔ ازدست:

---

(۱) نکات ص ۲۹
(۲) نکات ص ۱۰۰

تا صبح تجھ بغیر عجب میرا رنگ تھا
روشن تھی شمع آہ دل اس پر تپنگ تھا

نہ کچھ برا ہوا پرویز کا نہ شیریں کا
ترے ہی سر سے ملے فرہاد جو ہوا سو ہوا

نشاں مجھ دل کا مت پوچھو یہ مجنوں
کہیں اس طرف ویرانے کے ہو گا

قبر میں بھی لیے ہمراہ گیا اپنے کلیم
آہ کیوں درد دل اپنا نہ کسو کو سونپا

اے دل سمجھ کے جائیو ہے راہ مار پیچ
رکھتا ہے زلف یار کا کوچہ ہزار پیچ

جو صدا آتی ہے اس وادی سے ہے سینہ خراش
یہ کوئی دل روتا جاتا ہے نہیں بانگ جرس

پوچھ مت غم کی داستاں ملے دل
گر پڑا ٹوٹ آسماں اے دل

مانند سرو ہوں کہ نہ گل ہے نہ بر مجھے
بے کار باغ ہوں پہ سزاوار باغ ہوں

درازیٔ شب ہجران زلف یار کلیم
مجھی سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں

صبح دم گلشن میں جا کیا تم نے زلفیں کھولیاں
لے گئی باد صبا خوشبو کی بھر بھر جھولیاں

آتی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست
وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

اب دم شمردگی سے مجھے کاروبار ہے
ہر دم مرے حساب میں روز شمار ہے

سو روضۂ رضواں میں ٹک آن ہیں دیکھا
جب گل کی طرح جھانک گریباں میں دیکھا

اس کے ابرو کی اگر تصویر کھینچا چاہیے
اول اپنے قتل پر شمشیر کھینچا چاہیے

غرورِ حسن ممکن نہیں کسی داد کو پہنچے!
غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

عرق ہے منہ پہ ترے یا گلاب ٹپکے ہے
عجب ہے مجھ کو کہ شعلہ سے آب ٹپکے ہے
رکھوں میں کیونکے تجھے چشم میں کہ ہے برسات
یہ ایک گھر ہے سو خانہ خراب ٹپکے ہے

کمال

کمال علی ولد سید فضل علی بن سید محمد نصیر خاں، کمال تخلص، ساکن قصبہ گیامان پور نبیرہ حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ العزیز، متوطن موضع دیورہ، علہ پرگنہ اردل۔ فاضل جید شاگرد حضرت مولوی محمد وحید قدس سرہ۔ شاعر فارسی۔ گاہ گاہ فکر ریختہ ہم می نماید۔ از وست:

لیلیٰ چھپی ہے عکس ہو پردے میں آب کے
پھرتے عناں گسستہ ہیں محمل حباب کے

پیری میں دم سرد نہ ہوں کیونکے غنیمت
کھل جاوے ہے غنچہ کی گرہ بادِ سحر سے

کافر

میر علی نقی، کافر تخلص۔ ساکن دہلی۔ در وقت حکومت نواب میر محمد قاسم خاں

بہادر عالی جاہ ملاقات بود۔ می گویند کہ بجنت شتافت۔ از دست :-

حسرت سے ان بتوں کے دل پر کدورتیں ہیں
مٹی کی مورتیں ہیں کافر یہ صورتیں ہیں

کس کس طرح بتوں کی صورت نے رنگ پکڑے
کافران انکھڑیوں نے دیکھے ہیں کیا جھگڑے

(۱) در تذکرۂ تقی میر مرقوم است کہ در دہلی مشاعرہ بخانۂ ایشاں می شد آخر از وضع ناہمواراں برہم خوردہ۔ وکافر شک تخلص می نمود و در محفل دو مجلس ہمیں تخلص ظاہر می نمود۔ شعر دویم داخل تذکرہ میر مذکور است و می نویسد کہ در بزرگ زادگی ایشاں شکے نیست۔

کمترین

میاں کمترین مرد بست وارستہ۔ مزاجش میلان ہزل بسیار دارد از از شعر او معلوم می شود :

پلا اس مست نعرانی کو تاڑی
اکاڑی اصطبل کے جا پچھاڑی

تم بادشہ پسند ہو، ہم کمتریں تمہارے
کے بیر ہم کو دوگے نازک بدن ہمارے

(میر) گھاسی

میر گھاسی، ساکن [مغل پورہ من محلات بلدہ شاہ جہاں آباد۔ جوان فہمید](1)
احوال او در تذکرہ ندیدہ کہ مرقوم نماید۔ از وست:

تو ہو اور باغ ہو اور زمزمہ کرتا بلبل
تیری آواز سے جیتا ہوں نہ مرتا بلبل

کریم بخش

حضرت شاہ کریم بخش، ساکن عظیم آباد، فاضل جید و منشی و خوشنویس۔
گاہ گاہ فکر شعر ہم می فرمایند برائے میمنتِ ایں تالیف یک بیت مرقوم می شود
لیکن از انتخاب نیست۔ از وست:

عاشق پہ سب حرام ہے لذت جہان کی
دولت بڑی ہے دوست کے ہر دم دھیان کی

گریاں

راجہ بھوانی سنگھ بہادر، گریاں تخلص، فرزند مہاراجہ شتاب رائے بہادر
ممتاز الملک، مدیں ولا فکر شعر ریختہ می نمایند و اصلاح از میاں قدرتی
می گیرند۔

ترے دہن کی ثنا نے زباں کو لعل کیا
پرے خیال سے پایا میں جب خیال کیا

---

(۱) یہ فقرے حاشیے پر درج ہیں۔

شمع ساں تا صبح روئے شام سے
کام نکلا کچھ نہ اوس خودکام سے
جب سے ہستی نے جگایا ہے ہمیں
ایک دن سوئے نہیں آرام سے
جیوں نگیں گریاں رہے ہے جان کئے
آشنا کس کے ہوئے ہیں نام سے

غلام کبریا

غلام کبریا[1]۔ مردیست طالب العلم، چنانچہ از بنگالہ برائے تحصیل علم عربی در عظیم آباد رسید۔ الحال بطرف قصبات رفتہ۔ جوانے غریب وشائستہ روزگار است و دریں روزہا فکر شعر ہم می نماید :

مے و مینا ہے چمن ہے اور شب مہتاب ہے
فضل حق سے سب میسر عیش کا اسباب ہے

لسان

لسان،[2] جوانے بود خوش رو و خوش خو رفیق سید فتح علی گردیزی[1]۔ در عین جوانی رخت ازیں عالم بربست و بجنت شتافت۔ از وست :

جدا ہو مجھ سے میرا یار یہ خدا نہ کرے
خدا کسو کے تئیں یار سے جدا نہ کرے

---

(۱) بعض تذکروں میں غلام کبریا کا تخلص گویا بتایا گیا ہے۔
(۲) گردیزی ص ۱۳۰

تو جب تلک کرے انکار وعدہ مجھ سے سجن
غضب ہے عمر اگر تب تلک وفا نہ کرے

سجن جو تجھ سے ہوا آشنا سو جی سے گیا
خدا کسو کے تئیں تجھ سے آشنا نہ کرے

گناہ مرنے میں لستاں کے چارہ گر کا نہیں
طبیب کیا کرے، تاثیر جو دوا نہ کرے

لطفی

لطفی راست۔ در تذکرۂ غیر ازیں چیز دیگر بہ نظر نہ آمدہ کہ تحریر نماید۔ از دست:

(۱) میں عشق کی گلی میں گھائل مرا تھا اس پر
جویں کا ماتا اُکر مجھ کو کھنڈل گیا ہے

مظہر

ذات شریف از علائق دنیا مظہر۔ حضرت مرزا جان جاں مظہر اکبر آبادی والد آں حضرت میرزا جان نام داشت، از فرط محبت و شفقت مرزا جان جاں می گفت۔ ازیں سبب ہمیں اسم موسوم گشتہ۔ در علم ظاہر و باطن فرید وقت است۔ خوش تقریر بمرتبۂ است کہ در تحریر نمی گنجد۔ دیوان مختصر شعر فارسی در عظیم آباد رسیدہ و اشعار ریختۂ دل اول ازاں شہرت یافتہ۔ اگرچہ شعر گفتن دون مرتبہ است لکن گاہے متوجہ ایں فن بے حاصل نیز می شوند۔ انعام اللہ خاں یقین و میر محمد باقر حزیں ہر دو شاعران ریختہ شاگرد مستعد آں جناب اند و در فارسی فقیہ صاحب در دمند

---

(۱) نکات ص ۱۰۲

وشی بسادن لعل بیدار۔ غرض ذوات والاصفات در دہلی اکمل واقع شدہ است کہ اکثر مردم رشک از شاگردان آں حضرت می برند وچہ خون جگرہا کہ نمی خواند۔

ازوست :

گئی آخر جلا کر گل کے ہاتھوں آشیاں اپنا — نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

ہمارے ساتھ سے یہ دل بھی بھاگا لیکے جاں اپنا

ہم اوس کو جانتے تھے دوست اپنا مہرباں اپنا

یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزے سے زندگی کرتے — اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا

میرا جلتا ہے جی اوس بلبل بے کس کی غربت پر

کہ گل کے آسرے پر جس نے چھوڑا آشیاں اپنا

کوئی آزردہ کرتا ہے سجن ایسے کو بھی ظالم — یہ دولت خواہ اپنا مظہر اپنا جان جاں اپنا

غزالاں بیچ تیرے ابرواں کی دھوم ہے ظالم !

ہمیں سے تنگ دیکھا جا رہے میاں ترکش کماں اپنا

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار

ہاتھ کچھ چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

لالہ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہے شور

کیا قیامت ہے موؤں کو بھی ستاتی ہے بہار

نرگس و گل کی دیکھو کلیاں کھلی جاتی ہیں سب

پھیران خوابیدہ فتنوں کو جگاتی ہے بہار

ہم گرفتاروں کو اب کیا کام ہے گلشن میں لیک

جی نکل جاتا ہے جب سنتے ہیں آتی ہے بہار

اتنی فرصت دے کہ رخصت ہولیں اے صیاد ہم
مدتوں اس باغ کے سائے میں تھے آباد ہم

الٰہی مت کسو کے پیش رنج انتظار آوے
ہمارا دیکھیے کیا حال ہو جب تک بہار آوے

یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے
کہاں اوس کو دماغ اور دل رہا ہے
نہیں ملتا کسی تکیے سے آرام
یہ سر پاؤں سے تیرے ہل رہا ہے
خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

گر گل کو گل کہوں تو تیرے رو کو کیا کہوں
بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

تجلی گر تیری پست و بلنداں کو نہ دکھلاتی
فلک یوں چرخ کیوں کھاتا زمیں کیوں فرش ہو جاتی

جواں مارا گیا خوبوں کے اوپر میرزا مظہر
بھلا تھا یا برا تھا زور کچھ تھا خوب کام آیا

مرتا ہوں میرزائی گل دیکھ ہر سحر
سورج کے ہاتھ چونسری و پنکھا صبا کے ہاتھ

توفیق دے کہ شور سے یکدم تو چپ رہے
آخر یہ میرا دل ہے الٰہی جرس نہیں

حنا تیرے کف پا گر نہ اس شوخی سے سہلاتی
یہ آنکھیں کیوں لہو روتیں انھوں کی نیند کیوں جاتی
اگر یہ سرد مہری تجھ آسایش نہ دکھلاتی
تو کیوں کر آفتاب حسن کی گرمی میں نیند آتی

مخلص

رائے[1] آنند رام مخلص تخلص، ساکن دہلی۔ وکیل نواب وزیر اعتماد الدولہ شاعر متقررے فارسی۔ اول از مرزا بیدل اصلاح می گرفت، بعدہ بخدمت خاں آرزو چنانچہ احوال او در تذکرہ خان مرحوم مرقوم است از مدت آزار نفث الدم داشت، آخر از دنیا درگزشت۔ از دست:

دھوم آدے کی کس کے گلشن میں پڑی ہے
ہاتھ ارگجے کا پیالا نرگس لیے کھڑی ہے

زبان خوب نیست، مضمون شعر خوب است۔

---

(۱) نکات ص ۲۹۔

مضمون

شیخ شرف الدین مضمون تخلص، شاعر ریختہ، شاگرد میرزا مظہر و خان آرزو از ابنائے حضرت فرید الدین فرید الحق گنج شکر قدس سرہ و نور مرقدہ است، چنانچہ خود می گوید :[1]

کریں کیوں شکر لبوں کو مرید
کہ دادا ہمارا ہے بابا فرید

چوں دندان او نزلہ افتادہ بودند، خان موصوف اورا شاعر بیدانہ می گفتند۔ می گویند کہ باوجود برودت پیری بسیار گرم جوش وخوش اختلاط بود۔ حق تعالیٰ رحمت کند۔

ہم نے کیا کیا نہ ترے غم میں اے محبوب کیا
صبر ایوب کیا گریہ یعقوب کیا

ایک تو تھا ہی وہ سرو خود پسند
ہو گیا دیکھ آرسی کے تئیں دوچند

میکدے میں گر سراسر فعل نامعقول ہے
مدرسہ دیکھا وہاں بھی فاعل مفعول ہے

ناحق ستم کسی پر وہ شوخ کد کرے ہے
دیتا ہے ٹانگ اوس کو جو فعل بد کرے ہے

---

(1) ص ۱۳۴

میرے پیغام کو تو اے قاصد
کہیو سب سے اوسے جدا جدا کر کر

میاں محمد حسین کلیم اصلاح نمودہ اند، از نوشتہ تقی میر[1] معلوم شدہ۔

میرا پیغام وصل اے قاصد
کہیو سب سے اوسے جدا کر کر

مضموں تو شکر کر کہ تیرا اسم سن رقیب
غصہ سے بھوت ہو گیا لیکن جلا تو ہے

شاعر در مصرع اول نام موزوں کردہ بود، اسم اصلاح خاں آرزو داستہ کہ برائے دفع بھوت اسم می خوانند نہ نام، اگرچہ اسم و نام ہر دو یکے لیکن زبان زد اسم است۔

چلا کشتی میں آگے سے جو وہ محبوب جاتا ہے
کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی دل ڈوب جاتا ہے
میرا یہ اشک قاصد کی طرح یکدم نہیں تھمتا
کسی بیتاب کا گویا یہ مکتوب جاتا ہے

کرے ہے دار ہی کامل کو سر تاج
ہوا منصور سے نکتہ یہ حل آج

اگر پاؤں تو مضموں کو رکھوں باندھ
کروں کیا جو نہیں لگتا میرے ہاتھ

---

(1) نکات ص ۲۵

سبزۂ خط کے دیکھ پیارے عجب نہیں
ہو کر کے مست بھنگ بھی تنکے اگر چنے

موزوں

نواب خواجم قلی خاں موزوں، ہفت ہزاری، صوبیدار برہان پور[1]
از وست :

موزوں نیں راہ عشق میں پھر اب قدم رکھا
ہے مصلحت سے دور نجانے کرے گا کیا

محسن

محمد محسن سامریہ محسن تخلص، برادر زادہ تقی میر و شاگرد میر۔ از وست :

حرف تیرے عقیق لب کا شوخ
زندہ کرتا ہے نام عیسیٰ کا

یوسف مصر پہنچتا ہے کوئی
تجھ سے دلبر عزیز دلہا کو

دوری گئی وہ کو و قیس کی جو تھی
میرے جنوں کا اب تو زمانے میں شور ہے
محسن تمام عمر مجھے روتے ہی کٹی
اس غم کدہ میں آہ کہیں بھی سرور ہے

(۱) نکات ص ۱۰۷

میرا رنگ دیدہ اس قدر زرد ہے
کہ یہاں زعفراں زار بھی گرد ہے
اگر شیخ گرمی ہے دوزخ میں زور
میرے پاس بھی ایک دم سرد ہے

دل پر آبلہ میرا محسن
رشک آئینہ حبابی ہے

اوس کے کوچہ میں ہے کچھ نالۂ شب کا چرچا
دیکھیو کوئی میاں میرا تو مذکور نہیں

کیا جانیے وہ شوخ کدھر ہے کدھر نہیں
ہم کو تو تن بدن کی بھی اپنی خبر نہیں

اس دشت پرخطر کا میں باشندہ ہوں جہاں
آدم کا ذکر کیا ہے ملک کا گزر نہیں
دل دیجیے پر ہے جیو تو کر خانماں خراب
یہ عاشقی ہے شیخ جی خالہ کا گھر نہیں

محسن نہ روؤں میں تو بھلا کہہ کہ کیا کروں
اک دل بساط میں تھا میرا اس کو بھی کھو چکا

دل میرا وابستۂ زنجیر زلف یار ہے
ہے تو دیوانہ پر اپنے کام کا ہشیار ہے
اور یہ عاجز تمھارا کچھ نہیں رکھتا مگر
جان بر لب آمدہ حاضر ہے گر درکار ہے

مر گیا پوچھی نہ پر تم میری زحمت دل
جی کی جی ہی میں رہی ہائے مری حسرت دل

دریں شعر تامل است "مر گئے" می باید "مر گیا" نمی شاید۔ تقی میر در اصلاح و انتخاب تامل نہ کردہ باشد۔ 'الانسان مرکب من الخطاء والنسیان' اکثر شعر را باعث موقوف نمودہ، در تحریر نہ آوردہ۔

جاں بلب ہوں میں نکل جائے نہ یہ جان کہیں
دل میں حسرت ہی نہ رہ جاتی ہے آ مان کہیں
کب تلک نزع کی حالت میں رہوں میں تجھ بن
ہو اے مردن دشوار اب آسان کہیں

جس دن تیری گلی سے میں عزم سفر کیا
ہر اک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا
پیمانہ کی شکست و درستی کعبہ شیخ
یہ سب کیا پہ شیخ نے دل میں نہ گھر کیا

ایں رباعی بسیار خوب است، ازیں جہت کہ مضمون عمدہ یافتہ است:

جب تخم محبت ہم نے دل میں بویا
دین و دنیا سے ہاتھ اپنا دھویا
اس عشق کا ہووے خانہ ویراں یارب
دونوں عالم سے ہم کو ان نے کھویا

میر

شاعر بے نظیر میر محمد تقی میر تخلص۔ متوطن اکبرآباد۔ باعث گردش لیل و نہار در شاہجہان آباد اقامت ورزیدہ و شاگردی سراج الدین علی خاں آرزو اختیار نمودہ در تذکرۂ خود ہم عصر خود را در پایۂ الزام کشیدہ و اکثرے را ہجو نمودہ مگر بعضے اعزہ کہ ازو مربوط بودند آنرا محفوظ داشتہ۔ غرض عجب کسے است۔ الحال دیوان ایشان بہ عظیم آباد رسیدہ لکن بسیار غلط بنظر آمدہ۔ بنابرآں انتخاب نکردہ کہ شاید غلطی کاتب باشد۔ آنچہ شعر در تذکرۂ خود کہ قریب دو صد و پنجاہ خواہد بود، نوشتہ اند، ازاں مرقوم ساختہ۔

وخود را سید نوشتہ اند، مرداں می گویند کہ شیخ است چنانچہ مرزا محمد رفیع سودا می فرماید

دلی کا ایک شیخ زادا گنجے کا میر ہے

یعنی در حقیقت میر نیست، شاید ایں حدیث شریف بگوش ہوش ایشاں نرسیدہ لعنت اللہ علی داخل النسب وعلی خارج النسب۔ وسوائے ازیں سید فتح علی تبریزی در تذکرۂ خود تقی میر را سید نہ نوشتہ است۔ پس ایشاں برائے استحکام سیادت کاذبہ خود میر تخلص نمودہ اند۔ وجہ تخلص میر الحال معلوم گشتہ۔ بہر حال مارا ازیں چیزہا چہ کار است، دروغ برگردن راوی۔ ازدست

سیر کے قابل ہے دل صد پارہ اس نخچیر کا
جس کے ہر ٹکڑے میں ہو پیوستہ پیکاں تیر کا

جس مصرع اولیٰ اضافت طرف "صدپارہ" می باید یعنی "دل صدپارہ" اینجا قطع اضافت درست داشتہ اند۔ دیگر اینست نوشتہ است "اس نخچیر کا" این درست نمی شود۔ می باید "اوس نخچیر کا" تا از مصرع ثانی التزام یابد و معنی پیدا کند والا شعر بے معنی شود۔

جو تیرے کوچہ میں آیا پھر نہیں گاڑھا اسے
تشنۂ خوں میں تو ہوں اس خاک دامنگیر کا

در مصرع اولیٰ لفظ "گاڑھا" آوردہ اند۔ در حق بایاں سنداست لیکن در عظیم آباد مرد ماں فصیح نمی گویند مگر ازال می گویند "کھانا کھاڑھا گیا" بہر حال اگر شعر من بود، ایں طور می گفتم" براے "آیا" لفظ "گیا" ہم رسانیدہ ام۔ اگر خوب است بہتر والا نہ خیر۔

جو تیرے کوچہ میں آیا پھر نہ وہ باہر گیا
(حاشیے پر (جو تیر کوچے میں آیا پھر نہیں چھوڑا اسے)
تشنہ خوں میں تو ہوں اوس خاک دامنگیر کا

کس طرح سے مانئے یاراں کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اوڑ جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میر کا

شب درد و غم سے عرصہ میرے جیو پہ تنگ تھا
آیا شب فراق تھی یا روز جنگ تھا
مت کر عجب جو میر ترے غم میں مر گیا
جینے کا اس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا

جو اس شور سے میر روتا رہے گا
تو ہمسایہ کوئی کیونکے سوتا رہے گا
تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
ہمیں کچھ کہے گا سو ہوتا رہے گا

عید آئندہ تک رہے گا گلا
ہو چکی عید تو گلے نہ ملا

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر یار دیکھنا
عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا
ہونا نہ چار چشم اوس ظلم پیشہ سے
ہوشیار زینہار خبردار دیکھنا

تجھ سے ہر آں میرے پاس کا آنا ہی گیا
کیا گلا کیجیے غرض اب وہ زمانا ہی گیا
ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم
عمر گزری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا
جی گیا میر کا اس لیت و لعل میں لیکن
نہ گیا ظلم ہی تجھ سے نہ بہانا ہی گیا

بھری تھی آگ تیرے درد دل میں میر ایسی تو
کہ کہتے ہیں سجن کے روبرو قاصد کا منھ آیا

جو اے قاصد وہ پوچھے میر بھی ادھر کو جاتا تھا
تو کہیو جب چلا ہوں میں تب اس کا جی نکلتا تھا

دل میں بھرا زبسکہ خیال شراب تھا
مانند آئینہ کے مرے گھر میں آب تھا

نگئی تسبیح اوس کی نزع میں بھی میرے ہرگز
اسی کے نام کی سمرن تھی جو منکا ڈھلکتا تھا

مغاں مجھ مست بن یہ خندۂ قلقل نہ ہووے گا
مے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے رووے گا

اب تو جاتا ہی ہے کعبہ تو بت خانہ سے
جلد پھر یو تجھے اے میر خدا کو سونپا

خزاں التفات اس پہ کرنی بجا تھی
یہ غنچہ چمن میں ابھی وا ہوا تھا
معنی ایں شعر ہم درخاطر احقر می آید کہ خزاں درحق کسے رعایت نمی کند، حکم موت دارد۔

آنکھیں مری کھلیں جب جی میر کا گیا تب
دیکھے سے تجھ کو ورنہ میرا ہی دل جلا تھا

مر گیا تیشہ پہ سر سنگ سار کیا
نخل ماتم میرا یہ پھل لایا

دیر و حرم میں کیونکہ قدم رکھ سکوں میں میر
مجھ سے ادھر تو بت پھرا ادھر خدا پھرا

جب کہ تابوت مرا جائے شہادت سے اوٹھا
شعلہ آہ دل گرم محبت سے اوٹھا
عمر گزری مجھے بیمار ہی رہتے ہے بجا
دل عزیزوں کا اگر میری عیادت سے اٹھا

یک پارہ جیب کا بھی بجا میں نہیں سیا
وحشت میں کوئی سیا تو کہیں کا کہیں سیا

دل پہنچا ہلاکت کو نپٹ کھینچ کسالا
لے یار میرے سلمہ اللہ تعالیٰ
کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث
برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالا

جس گھر میں تیرے جلوہ سے ہو چاندنی کا فرش
وہاں چادر مہتاب ہے مکڑی کا جالا سا

افسوس میرے مرنے پر اتنا نہ کر کہ اب
پچھتاؤنا عبث ہے جو ہونا تھا ہو چکا
ہر صبح حادثہ سے یہ کہتا ہے آسماں
دے جام خون میر کو گر منہ وہ دھو چکا

سر سے باندھا ہے کفن عشق میں تیرے یعنی
جمع ہم نے بھی کیا ہے سر و ساماں یکجا

یک قطرہ خون ہو کے مژہ سے ٹپک پڑا
قصہ یہ کچھ ہوا دل غفراں پناہ کا
دریں شعر ہم تامل است لفظ "گو" فہمیدہ نمی شود کہ آنجا چہ کاری کند :-
گو گل و لالہ کہاں، سنبل سمن اور نسترن
خاک سے یکساں ہوئے ہیں ہائے کیا کیا آشنا

مت پوچھ کس طرح سے کٹی رات ہجر کی
ہر نالہ میری جان کو تیغ کشیدہ تھا

اے نکیلے یہ تھی کہاں کی ادا
کھب گئی جی میں تیری بانکی ادا

سنو ہو جل ہی بجھوں گا کہ ہو رہا ہوں میں
چراغ مضطرب الحال صبح گاہی کا

موند رکھنا چشم کا ہستی میں عین دید ہے
کچھ نہیں آتا نظر جب آنکھ کھولے ہے حباب
مت ڈھلک مژگاں سے میرے اے سرشک آبدار
مفت ہی جاتی رہے گی تیری موتی کی سی آب

دیکھ خورشید تجھ کو اے محبوب
عرق شرم میں گیا ہے ڈوب
میر شاعر بھی زور کوئی تھا
دیکھتے ہو یہ بات کا اسلوب

دست صیاد تلک بھی میں نہ پہنچا جیتا
بے قراری نے لیا مجھ کو تہ دام بہت

حال گلزار زمانہ کا ہے مانا یہ ... شفق
رنگ کچھ اور ہی ہوا جاتا ہے اک آن کے بیچ

نکلے گی میری قبر سے آواز میرے بعد
ابھریں گی دل سے عشق ترے راز میرے بعد
معنی ایں شعر ہم در خاطر نمی آید۔ اگر شعر من می بود، ایں طور می گفتم
نکلے گی میری قبر سے آواز میرے بعد
ایسی کہ سن کے رو دیں گے ہمراز میرے بعد

میرے سنگ مزار پر فرہاد
رکھ کے تیشہ کہے ہے یا استاد

اودھر تلک ہے عشق کی مشکل سے تنگ گزر
اے آہ پھر اثر تو ہے برچھی کی چوٹ پر
ہم تو اسیر کنج قفس ہو کے مر چلے!
اے اشتیاق سیر چمن تیری کیا خبر

پاس رہنے کا نہیں ایک بھی تار آخر کار
ہاتھ سے جائے گا سر رشتۂ کار آخر کار

نہ ہونا ہی بھلا تھا سامنے مجھ چشم گریاں کے
نظر اے ابر اب آپ ہی نہ آوے گا برس بہتر

دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آوے مجھے قرار
اے انتظار تجھ کو کسی کا ہو انتظار
ایں ہر دو مصرع مطلع خوب است لیکن ہر مصرع را مصرع دیگری باید۔
باہم خوش خوب ندارند۔

ساقی تو ایک بار توبہ توڑا میری
توبہ کروں جو پھر میں تو توبہ ہزار بار

دل دماغ اور جگر یہ سب ایکبار
کام آئے فراق میں اے یار
کیوں نہ ہو فتح ضعف اعضا پر
مر گئے اس فسوں کے سب سردار

مجھ کو پوچھا بھی نہ یہ کون ہے غمناک ہنوز
ہو چکی حشر، میں روتا ہوں تہ خاک ہنوز
اشک لغزش مستانہ پہ مت کیجیو نظر
دامن دیدہ گریاں ہے مرا پاک ہنوز

احوال نامہ بر سے مرا سن کے کر ذرا اٹھا
جیتا ہے وہ ستم زدہ مہجور کیا ہنوز

اے ابر تر تو اور کسی سمت کو برس
اس ملک میں ہمارے ہے یہ چشم تر ہی بس

مر گیا میں ملا نہ یار افسوس
آہ افسوس صد ہزار افسوس
یوں گنواتا ہے دل کوئی مجھ کو
یہی آتا ہے بار بار افسوس

سب پہ روشن ہے کہ شب مجلس میں جب آتی ہے شمع
تجھ بھبھوکے سے کو بیٹھا دیکھ بجھ جاتی ہے شمع

پاؤں پر سے اپنے میرا سر اٹھانے مت مجھکو
تیغ باندھی ہے میاں تم نے کمر میں خوش غلاف

بالیں پہ میرے گھر سے تو آوے گا جب تلک
کر جاؤں گا سفر ہی میں دنیا سے تب تلک

فصل خزاں میں سیر کی ہم نے بھی جائے گل
چھانی چمن کی خاک نہ تھا نقش پائے گل
اللہ ری عندلیب کی آواز دل خراش
جی ہی نکل گیا جو کہا اون نے ہائے گل

جیتے ہیں تو دکھا دیں گے دعوائے عندلیب
گل بن خزاں میں اب کے وہ رہتی ہے مر کے ہم

گرچہ آوارہ جیوں صبا ہیں ہم
لیک لگ چلنے کو بلا ہیں ہم
آستاں پہ ترے گزر گئی عمر
اسی دروازے کے گدا ہیں ہم

تیرے کوچہ میں تا بہ مرگ رکھا
کشتۂ منت وفا ہیں ہم

ہم چشم ہے ہر آبلۂ پا کا میرا اشک
ازبسکہ تیری راہ میں آنکھوں سے چلا ہوں
دامن نہ جھٹک ہاتھ سے میرے کہ ستم گر
ہوں خاک سرِ راہ کوئی دم میں ہوا ہوں
آتے ہیں مجھے خوب یہ دونوں ہنرِ عشق
لٹنے کے تئیں کیتیں اندھی ہوں کہ رہنے کو بلا ہوں

سن گوشِ دل سے اب تو سمجھ بے خبر کہیں
مذکور ہو چکا ہے مرا حال ہر کہیں
اب فائدہ سراغ سے بلبل کے باغباں
اطراف باغ ہوں گے پڑے مشتِ پر کہیں

تیری زلفِ سیہ کی یاد میں آنسو جھمکتے ہیں
اندھیری رات ہے برسات ہے جگنو چمکتے ہیں

عام حکمِ شراب کرتا ہوں
محتسب کو کباب کرتا ہوں

میرے آگو نہ شاعر نام پاویں
قیامت کو مگر عرصہ میں آویں

ملنے لگے ہو دیر دیر دیکھیے کیا ہے کیا نہیں
تم تو کرو ہو صاحبی بندہ میں کچھ رہا نہیں

عاشق ہے یا مریض ہے پوچھو تو میر سے
پاتا ہوں زرد زرد برو زاس جواں کو میں

مرے استاذ کو فردوس اعلےٰ میں ملے جاگہ
نہ سکھلایا بغیر از عشق مجھکو خورد سالی میں

یہ غلط کہ میں پیا ہوں قدح شراب تجھ بن
نہ گلے سے میرے اترا کبھی قطرہ آب تجھ بن

کوئی کانٹا سر رہ کا ہماری خاک پر بس ہے
گل و گلزار کیا درکار ہے گور غریباں کو

اس محلہ کی گو سیر کروں کب تلک کہ ہے
دست ہزار حسرت و دامان آرزو

جی سے جہاں میں ہر سحر کروں تیری کروں ہوں جستجو
خانہ بخانہ در بدر کوچہ بکوچہ کو بکو

دل پر خوں ہے یہاں تجکو گماں ہے شیشہ
شیخ کیوں مست ہوا ہے تو کہاں ہے شیشہ
شیشہ بازی تو تنک ایک دیکھیو آ آنکھوں میں
ہر مژہ پر مرے اشکوں سے رواں ہے شیشہ
جا کے پوچھا جو میں کل کارگہ مینا میں
دل کی صورت کا بھی اے شیشہ گراں ہے شیشہ
کہنے لاگا کہ کدھر بھٹکا پھرے ہے اے مست
ہر طرح کا جو تو دیکھے ہے کہ یہاں ہے شیشہ
دل ہی سارے تھے یہ ایک وقت میں کر کے گداز
شکل شیشہ کی بنائیں ہیں کہاں ہے شیشہ

دریں غزل میر گوئے نیکی بردہ است، حق تعالیٰ سلامت دراز:۔

جو ہوشیار ہو سو آج ہے شراب زدہ
زمین میکدہ یکدست ہے گی آب زدہ

حسن کو بھی عشق نے آخر کیا حلقہ بگوش
رفتہ رفتہ دلبروں کے کان میں بالے پڑے

اس واسطے کانپوں ہوں کہ ہے آہ بہت سرد
یہ باؤ کلیجے کے کہیں پار نہ ہووے

الم سے یہاں تپش میں مشق ناتوانی کی
کہ میری جان لے تن پر مرے گرانی کی

لیتا ہی نکلتا ہے مرا لخت جگر اشک
آنسو نہیں گویا کہ یہ ہیرے کی کنی ہے
اے میر جگر ٹکڑے ہوا دل کی طپش سے
شاید کہ میری جیو پہ اب آن بنی ہے

اپنے کوچہ میں نکلیو تو سنبھالے دامن
یادگار مژۂ میر ہیں وہاں خار کئی

میر پھر کہیو سرگذشت اپنی
بارے یہ کہہ مزاج تو خوش ہے

ہم سے دیوانہ پھریں شہر میں سبحان اللہ
دشت میں قیس پھرے کوہ میں فرہاد پھرے

گیا ر دبرد ادس کے کیوں آئینہ
کہ بے ہوش ادسکا دم اور ہوش ہے

بتاں تو چھوڑ دیئے کرکے خاک رلو کے صدقے
مجھے محفوظ رکھا اپنے میں اللہ کے صدقے

کیا خط لکھوں میں گریہ سے فرصت نہیں رہی
لکھتا ہوں تو پھرے ہے کتابت بہی بہی

ملوں کیوں کے ہمرنگ ہے تجھ سے ظالم
تیرا رنگ شعلہ مرا رنگ کا ہے

اب خدا مغفرت کرے ادس کو
میر مرحوم تھا عجب کوئی

ہوگئی شہر شہر رسوائی
اے میری موت تو بھلی آئی
میر جب سے گیا یہ دل تب سے
میں تو کچھ ہو گیا ہوں سودائی

صد کار داں وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں
گویا متاع دل کے خریدار مر گئے

تمام اوس کے قد میں سناں کی طرح ہے
نکیلے نیٹ اس جواں کی طرح ہے
اڑے خاک گاہے رہے گاہ ویراں
خراب اور پریشاں بیاباں کی طرح ہے
تعلق کرو میرا اس پر جو چاہو
مری جان یہ کچھ (یہاں) جہاں کی طرح ہے

آتش کے شعلے سر سے ہمارے گذر گئے
بس اے شب فراق کہ گرمی سے مرگئے

شب خواب کا لباس ہے عریاں تنی میں یہ
جب سوئیے تو چادر مہتاب تانیے

بے کلی مار ڈالتی ہے نسیم
دیکھیے اب کے سال کیا ہووے

ہے یہ بازار جنوں منڈی ہے دیوانوں کی
یہاں دوکانیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی

نہیں وسواس جی گنوانے کے
ہائے رے ذوق دل لگانے کے

غافل میں رہا تجھ سے نپٹ تا بجوانی
اے عمر گذشتہ تری میں قدر نہ جانی

بزم میں سے اب تو چل اے رشک صبح
شمع کے منہ پر تو پھر گئی مردنی

دہر بھی میر طرفہ مقتل ہے
جو ہے سو کوئی دم کو فیصل ہے
روز کہتے ہیں ملنے کو خوباں
لیکن اب تک تو روز اول ہے
ہجر باعث ہے بدگمانی کا
غیرت عشق ہے تو کب کل ہے
مر گیا کوہکن اسی غم سے
آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

کل ہم سے اوس سے بارے ملاقات ہو گئی
دو دو بچن کے ہونے میں ایک بات ہو گئی

چل قلم غم کی رقم کوئی حکایت کیجے
ہر سر حرف پہ فریاد نہایت کیجے

میرے عمداً ابھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

رباعی

مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دیکھا
میخانہ میں جوشش بادہ نوشاں دیکھا
اک گوشۂ عافیت جہاں میں ہم نے
دیکھا سو محلِ خموشاں دیکھا

کاہے کو کوئی خراب خواری ہوتا
کاہے کو کسی پر جان بھاری ہوتا
دل خواہ ملاپ ہوتا تو تو ملتے
اے کاش کہ عشق اختیاری ہوتا

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

پیغمبر حق نے حق دیکھا یا ادس کا
معراج ہے کمترین پایا ادس کا
سایہ جو ادسے نہ تھا یہ باعث ہو گا
کل حشر کو ہو گا سب پر سایا ادس کا

دل تجھ پہ چلے نہ کیوں کہ میرا بیتاب
یہاں تجھ کو توقع ہے کہ لایا ہے جواب
وہاں اس نے شراب پی کے مستی میں میر
گر کھائے بھی نامہ بر کبوتر کے کباب

محترم

خواجہ محترم خاں فرزند خواجہ محمدی خاں، محترم تخلص، ساکن دہلی۔ قریب بست و دو سال است کہ در ملک صوبہ بہار تشریف می دارند۔ در حق ایں فقیر مہربانی می فرمایند۔ از دست :-

جو دل سے گرا اہل دلوں کے وہ کدھر کا
دنیا کا نہ دیں کا نہ ادھر کا نہ ادھر کا

ہمدم نہ فکر کر کہ میرا کام ہو چکا
جو دل یہی ہے تو مجھے آرام ہو چکا

(اس کے بعد فدوی کا یہ شعر ہے :-
گر مرا آزار ہی مطلوب تھا
اس سے ملنے سے نہ ملنا خوب تھا)

مت اٹھا منت عبث تو ناخن تدبیر کی
گل جھڑی کھلتی ہے کوئی اس دل دلگیر کی

دل تو افسردہ ہوا اب شادمانی پھر کہاں
ہم تو وہ ہی ہیں و لیکن نوجوانی پھر کہاں

ترے کرم کی کرے تو کرے نگاہ سفید
نہیں نصیب کا کیا ہو لکھا سیاہ سفید

مجبور ہو گیا ہوں میں سخت دل کے ہاتھوں
دیکھا نہ تھا سو دیکھا کمبخت دل کے ہاتھوں
صبر و قرار و طاقت رخصت ہوئے سب ہم سے
بچھڑے ہیں یار کیا کیا ایک لخت دل کے ہاتھوں

کس بے وفا سے جا کے ہیں آشنا کیا
اس دل نے ہائے بیٹھے بٹھائے یہ کیا کیا

موزوںؔ

میر رحم علی موزوںؔ[1] ۔ در علم عربی و فارسی دخلے داشت۔ در دہلی گزران می کرد۔ از دست :

اگرچہ خوش کر موزوںؔ بہت ہیں
فدا ہے جیو مرا اوس مومیاں پر
زرد ہوتے بن نہ دیکھا ہم نے کچھ روئے بھی
پھل یہی پایا جہاں میں تجھ زنخ کو سیو کر

(۱) غالباً گردیزی ص ۱۳۰

مصیب

حضرت شاہ غلام قطب الدین ولد حاجی فخرالدین بن شاہ خوب اللہ مصیب تخلص، ساکن الہ آباد۔ بوقت حکومت نواب میر محمد قاسم خاں بہادر علی جاہ تشریف بہ عظیم آباد آوردہ، چندے در باغ خواجہ غلام مظفر قیام داشتہ۔ احقر بخانۂ اسد اللہ خاں مرحوم خلف شیخ عبد اللہ ملاقات نمودہ بسیار توجہ نمودہ۔ علم و فضل و درویشی موروثی داشتہ۔ آخرالامر موجب حکم الٰہی ارادۂ حج نمودہ۔ ہرگاہ از فرض فراغت کشیدہ بمدینہ رفت چوں باز از مدینہ در کعبہ آمدہ کہ حج دیگر نماید بتاریخ سلخ جان بجاناں دادہ۔ جاے مدفن بیرون حجرہ حضرت خدیجہ کبریٰ یافتہ۔ از حاجی غلام حسین کہ ہم سفر بودند، دریافتہ نوشتہ۔

در شعر فارسی مہارت کلی داشت و گاہے فکر شعر ریختہ ہم می نمودند۔

یک شعر بوقت تحریر بدست آمدہ :

ہزار وعدے کیے ایک بھی وفا نہ کیا
تمھارے قول کو دیکھا، قرار کو دیکھا

ملک

ملک راست۔ در تذکرہ چیزے دیگر مرقوم نبود کہ نوشتہ شود :-

(۱) تن من فدا کروں اوس ہوشیار ساقی اوپر
یک قطرۂ مے چکھا کر جن بے خبر کیا ہے

---

(۱) نکات ص ۱۰۲

محمود

محمود راست۔

(۱) محمود تجھ میں دستار پورا ہنر وفا کا
ہے کیا عجب لوبھاوے تو ہیو کو اس ہنر سے

مست

شاعرے بجا با میاں علی رضا، ساکن شاہجہان آباد تخلص تجلص مست
علی رضا و گاہے مست علی۔ حسب اتفاق در پتہ بھنتلہ پرگنہ بسارہ سرکار حاجی پور
مضافات صوبہ بہار باعث قرابت قریبہ سید غلام حیدر خاں صاحب وارد
بودند۔ احقر نیز ہمراہ خیر خواہ جمہور شیخ عبد الشکور غفرلہ عامل پرگنہ مذکور در آنجا
رسیدہ بوسیلہ میاں ثابت مذکور ملاقات نمودند و غزلہائے چند خواندند۔ آنچہ
بدانست او شاں بہتر بود نوشتہ دادند۔ از وست:-

اے سرو خوش قدوں سے تو یک رنگ ہے کہ ہم
ٹک چلیو ایک پاؤں سے تو لنگ ہے کہ ہم

از مصرع اول یک گونہ تعریف سرو و در مصرع ثانی مدح خود و مذمت سرو
و بنوعے طعن لنگ بر خوش قداں ہم می شود۔

سجدے ہی کرتے عمر کٹی بات بھی گئی
کیوں اے صنم بھلا تو ہے دل تنگ ہے کہ ہم
میں گزرا کہ صبر کا جامہ گشادہ ہے
اب اس لباس چست میں تو تنگ ہے کہ ہم

(۱) نکات ص ۱۰۱

اے مست علی دیکھ کے حیراں ہوگا خوباں کا جمال
دل زلف میں الجھے گا، پریشاں ہوگا، مت لے یہ وبال
یہ چال بری تجھ سے نبھنے کی نہیں انجام خیال
کیا ہنستا ہے بہت پشیماں ہوگا، مت دانت نکال

جیتا ہے رضا تو مجھ بن اب تک[1]
صد حیف رے تیری زندگانی

کرے ہے آج پھر آنکھوں میں ہشت پہلو بات
دو چار ہوتا ہوں لاچار دیکھیے کیا ہو

محزوںؔ

از مولوی غلام حسین، محزوںؔ تخلص، شاگرد مولوی برکت اللہ الہ آبادی

گر نہ ہوتی یہ گرفتاری او ہلے چند
حسرت وصل میں مرتے نہ یہ ناکامے چند

ستائے عبث تو لے کے جان محزوںؔ
ابھی تو ہیں آرزو تھی کسی کی

مائلؔ

سید ہدایت علی مائلؔ تخلص، ساکن محلہ میر شکاراں من محلات بلدہ عظیم آباد[2]

---

(۱) دو شعر حاشیے پر درج ہیں۔
(۲) حاشیے پر ہے۔

درمحفل مشاعرہ تشریف می آوردند۔ ازوست:
نہ کرشمہ تھا یہ نہ ناز تھا نہ یہ دل بری کا شعار تھا
ہمہ خاک میں جو ملا دیا ترے صاف دل میں غبار تھا

مجذوبؔ

ازغلام حیدر مجذوبؔ۔
بے چین جو رکھتی ہے ہمیں چاہ کسو کی
شاید کہ ہوئی کارگر اب آہ کسو کی
ازکلام ایشاں ظاہری شود کہ آہ معشوق در دل ایشاں اثرنمودہ شدہ باشد۔
دنیا سے گزرنا بھی عجب کچھ ہے کہ مجذوبؔ
کوئی نہ کبھو روک سکے راہ کسو کی

مفتونؔ

میاں علی بخش، مفتونؔ تخلص۔ ساکن عظیم آباد، جوانے غریب وخوش اختلاط، قابل صحبت، عالی سخن، درمشاعرہ تشریف بلاناغہ می آوردند و غزل طرحی فارسی می گفتند وگاہے فکر شعر ریختہ ہم می نمایند۔ حق تعالیٰ سلامت دارد۔ ازوست:
جس طرح پھریں لاش کو لیے
لے کر صبا پھرے ہے ہمارے غبار کو

نہ کلیجہ ہی غم سے جلتا ہے
دل تڑپتا ہے جی نکلتا ہے

جیب و دامن کو چاک کر لیویں
جب تلک اپنا ہاتھ چلتا ہے
کیا ہوا نخل آرزو گو ہرے
نہ تو پھولے ہے یہ نہ پھلتا ہے

مصدر

ماشاء اللہ جمعدار مصدر تخلص۔ در حکمت ہم دخل داشت :-

تیرے نقش قدم کو لائیے گا
کعبہ اپنا جدا بنائیے گا

ہمارے حق میں بے رحمی بہت صیاد کرتا ہے
نہ ہم کو قید کرتا ہے نہ اب آزاد کرتا ہے

مشتاق

خان صاحب مشفق و مہربان، محمد قلی خان، مشتاق تخلص، خلف رشید ہاشم قلی خان داروغہ دیوان خانہ نواب ہیبت جنگ شہید۔ ساکن محلہ مغلپورہ من محلات بلدہ عظیم آباد۔ مرد یست سپاہی وضع و آشنا پرست و خوش فکر و عاشق سخن۔ چنانچہ تمام شعر شاعران ہندوستان ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ و دکھن جمع نمودہ در فیق خود ساختہ۔ ان شاء اللہ شاعر پر زور خواہند شد۔ از دست :-

یہ دم کب تک مرا ہمدم رہے گا
یہاں کوئی کم رہا ہے کم رہے گا

اس عالم کی تو ہے کیا بات لیکن
خط آنے پر بھی اک عالم رہے گا

کیا دکھاویں گے منھ وفا کو ہم
چشم میں نام کو بھی نم نہ رہا
ہم نے دیکھا ہے اس کے مکھڑے کو
ایک دم جس نے دیکھا دم نہ رہا

نہ کرنا تھا کبھی اقرار عشق، انکار بہتر تھا
اگر مخفی ہی رہتا یار یہ اسرار بہتر تھا
جدا نظروں سے تو نے کیوں کیا بیمار کو اپنے
ترے آگے اگر مرتا ترا بیمار بہتر تھا

پرسش کو آیا اوس دم جس دم رہا نہ دم میں
خانہ خراب کر کے خانہ خراب آیا

اے جنوں جا خبر لے داماں کی
اب گریباں تو تار تار ہوا

کون سا نالہ تھا کہ سر نہ کیا
آہ دل میں ترے اثر نہ کیا

وعدے پہ کل کے مجھ کو نہ رکھ کل بھی بھیجیو
اک پیالا میرے ہاتھ سے اے یار لے لے آج

بیتاب بہت دیکھے ہیں سیماب کی طرح
بے تاب کب ہیں اس دل بیتاب کی طرح

فرمائیے قصور بھلا مجھ سے کیا ہوا
نامہربان کیوں ہے تو اے مہرباں عبث

فرہاد مر گیا پہ نشان اس کا رہ گیا
باور نہیں تو دیکھ کہ اب تک ہے سنگ سرخ

محو حیرت جو سدا دیکھو ہو آئینے کو
نظر آئینہ ہے اس کی نظر سے پیوند

اگر ملے تری ہیکل کا سیمبر تعویذ
تو اس کو دل کے برابر میں کر رکھوں تعویذ

---

(۱) لب میگوں سے اپنے اے ساقی
ایک بوسہ کہ رفع ہووے خمار
اس تلون سے ہم دوانے ہیں
کبھی اقرار ہے کبھی انکار

---

(۱) [illegible]

مشتاق ہیں جو تجھ سے کہا سر کے ساتھ ہے
سر جاوے بات گڑ کے نہیں جاتے مرد پھر

مزمل

(۱) محمد مزمل معاصر میاں آبرو بود۔ در سخن تلاش لفظ تازہ می نمود۔ آخر از جنوں فوت کرد۔

راز دل آنکھوں نے جب ظاہر کیا
ہائے کیسا رو دیا، رونا نہ تھا

منت

منت تخلص، می گویند کہ فراست کمال دارد۔ از دست

آکر ہماری خاک پر کیا یار کر چلے
خواب عدم سے فتنہ کو بیدار کر چلے
کیا سحر تھا نہ جانے کہ گلشن میں آن کر
بلبل کو گل کی شکل سے بیدار کر چلے
خواہی پیالہ خواہ سبو کیجیو گلال
ہم اپنی خاک پر تجھے مختار کر چلے

جس طرح لگی دل کو مرے چاہ کسو کی
اس طرح نہ لگیو مرے اللہ کسو کی

---

(۱) گردیزی، ص ۱۳۶

بلبلو تم کو یہ گلزار مبارک ہووے
ہم کو وہ سایۂ دیوار مبارک ہووے

محوؔ

رحم علی خاں بنگالی۔ محوؔ تخلص۔ مردیست نوکری پیشہ۔ دریں روزہا در عظیم آباد وارد است۔ ہمیں یک بسمع فقیر رسیدہ کر نوشتہ

یہ رنگ پان نہیں لبوں کو لال کیا
کسی کے خون کو ظالم نے پھر حلال کیا

مہدیؔ

میر مہدی ولد حاجی علی اکبر نیشاپوری۔ ہنوز جوان نہ شدہ است لیکن در کاروبار دنیاوی بسیار چست و چالاک۔ گاہے گاہے از ملاقات مسرور می شود[1] از دست :-

مرتضیٰ

شاعر اہل صفا، میر مرتضیٰ، عرف میر ابو صاحب مدظلہ العالی خلف رشید میر قدرت اللہ بن شاہ شکر اللہ قدس سرہ۔ مرتضیٰ تخلص۔ ساکن عظیم آباد دریں روزہا نوکر نواب وزیر بودند۔ ازیں سبب در لکھنؤ قیام می دارند۔ از فضل الٰہی ہم خوبیہا دارند لیکن سخاوت و شجاعت کہ ہر دو شان سیادت است، دریں امور دست کوتاہ نیست و اخلاق کریمانہ نیز یافتہ می شود، گاہے فکر شعر ہم می نمایند۔

از دست :-

---

(1) نسخہ میں اشعار درج نہیں ہے۔

چھوڑ کر مجھ کو مرے یار کہاں جاتا ہے
دیکھ روتا ہوں پڑا زار کہاں جاتا ہے
ہاتھ سے اب تو نہ چھوڑوں گا ترے دامن کو
قتل کر مجھ کو اے خونخوار کہاں جاتا ہے

تری نہ چشم ہمیں خانہ خراب ٹپکے ہے
تری جدائی سے دل ہو کے آب ٹپکے ہے

منتظر

خواجہ بخش میاں منتظر، ساکن الہ آباد، شاگرد شاہ محمد علیم، شاعر ریختہ در عظیم آباد وارد بودند۔ لکن از احقر ملاقات نشدہ، مشتاق ماندہ، ظاہرا طرف دہلی رفتہ۔ از وست :۔

زلفوں میں گر نہ تیرے جائے پناہ ٹھہرے
بتلا تو کس جگہ جا یہ روسیاہ ٹھہرے
(۱) جب دست قہر تیرا باہر ہوا ستیں سے
ہم کو سوائے دامن کیدھر پناہ ٹھہرے
یہ بھی تیرا کرم ہے اے آتش محبت
دل سے متاع جل کر سینہ میں آہ ٹھہرے
گھر سے نکل کے جیوں اشک آوارہ ایک ہم ہیں
سب پھر پھرا اپنے گھر میں مثل نگاہ ٹھہرے

---

(۱) آخری تین شعر حاشیے پر درج ہیں۔

مجنوںؔ

میر حمایت علی مجنوں تخلص، الحال در مرشد آباد قیام می دارند و از شاہ قدرت اللہ سلمہ اللہ اصلاح می گیرند و غزل بوضع احسن سر براہ می نمایند۔ از وست:

میں تجھ سے نہ بولوں گا یہ یار نہ پھر کہنا
مر جاؤں گا میں ظالم زنہار نہ پھر کہنا

آج ہی کے دنوں کو میں کہتا تھا تجھے مجنوں
جی اپنا دیا ہوتا پر دل نہ دیا ہوتا

کہتا تھا سبھوں سے کل بے طرح سے سمجھوں گا
کوچہ میں جو پھر میرے مجنوں نظر آوے گا

ترے دیکھے سے یار جیتے ہیں
ورنہ کوئی بے قرار جیتے ہیں

وہ پھر ہم سے آنکھیں لڑانے لگا [1]
دل اب کے معتبر ٹھکانے لگا

آج تم سے جو ملاقات نہیں ہونے کی
زندگی قبلۂ حاجات نہیں ہونے کی

(۱) آخری پانچ شعر حاشیے پر درج ہیں۔

آہ میری جدھر بھٹکتی ہے
اوس طرف آگ سی دہکتی ہے

آج کچھ آواز رونے کی نہیں آتی مجھے
چل بسا شاید جو پہلو میں دل رنجور تھا

منہ لیا موڑ تیغ قاتل سے
یہ توقع نہ تھی ہمیں دل سے

مخلص

میر باقر مخلص، ساکن مرشد آباد، شاعر دلچسپ، شوخ طبع، ہشاش و بشاش، بود، در اندک زمانہ جان بجاناں دادہ، مخاطب بخطاب مخلص علی خاں از دست :-

آئینہ رو کے دل میں کوئی راہ کیا کرے
دم مارنے کی بات نہیں آہ کیا کرے

نام تیرا ورد ہے اس دل کو یا مشکل کشا
کر تو آساں میری ہر مشکل کو یا مشکل کشا

میرے کمال کے تیں درک سخن کہاں ہے
سمجھے گا وہ سخن کو جس کو کمال ہو گا

نومید میں نہیں ہوں حق کے کرم سے ہرگز
آخر کبھی تو مجھ کو اوس کا وصال ہو گا

نہیں عاشق کو عجز کی پروا
ہوں غلام اوس کی بے نیازی کا

حال مخلص جو کرم سے تو کبھی پوچھے گا
کیا قصور آئے گا اے جان تری شان کے بیچ

لب کے تیں رکھتا ہے گستاخانہ لب پر یار کے
نیں پسند آتی ہے ہرگز مجھ کو پیمانے کی طرح

مخلص کیا دریافت ہیں یہ سنگ محک سے   جو عیب کسو کا کہے منھ اوس کا ہو کالا
صاف دل سر پہ بٹھلاتے ہیں سخن سنجاں کو   جس جگہ دیکھا ہیں سہو حرف کے بائیں کاغذ

مجبور

(۲) منشی خوشحال رائے، مجبور تخلص، ساکن عظیم آباد۔

شفق نہیں ہے فلک پر غلط خیال کیا
لہو کے آنسو واں رو رو کسی نے لال کیا
برنگ شمع جلایا یہی مراد تھی کیا
کرم کیا میرے اوپر مجھے نہال کیا

---

(۱) آخری دو شعر حاشیہ پر درج ہیں۔
(۲) مجبور کا ترجمہ "رخ" کے باب میں حاشیہ پر درج ہے۔

ناجیؔ

محمد شاکر ناجی، جوانے بود، آبلہ رو، سپاہی پیشہ، مزاجش بیشتر مایل[1]
بہ ہزل بود، معاصر میاں آبرو۔ شعر ہزل خودی خواند و مردماں را بخندہ می آورد
و خود ہم تبسم می نمود۔ وطنش شاہجہاں آباد ہنوز دنیا را ندیدہ بود کہ ازیں جہاں
رفت۔ از وست :۔

روا کب... محمد اپنی تیغ کو ہر دم علم کرنا
میری تقصیر بھی کچھ کی ہے ثابت یا ستم کرنا

بلند آواز سے گھڑیال کہتا ہے کہ اے غافل
گھٹی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اور تو نہیں چیتا

نمکیں حسن دیکھ کر پینکا
رنگ گل کا مجھے لگا پھیکا

دیکھ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھ چشم کرم
لب صدف کے تر نہیں ہر چند ہے گوہر میں آب

تقی میر مصرع اول را اصلاح دادہ

مت رکھے چشم کرم دولت سے اپنے خورد کی
لب صدف کے تر نہیں ہر چند ہے گوہر میں آب

مجھ کو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہ گیا
لے چلا جب دل کے تیں منہ دیکھتا میں رہ گیا

(۱) نکات ص ۴۰

ڈوب گئے کتنے ملک جب کھولی لب دریا پہ زلف
حیف ناجی کو نہ پوچھا کس لہر میں بہ گیا

گر سلیماں کو تخت دیں، مت لے
کہ سب آخر کو جائے گا برباد

تیری نگاہ کی کثرت سے لے کماں ابرو
ہمارے سینہ میں تودا ہوا ہے تیروں کا

نہ جانا یہ کہ کون اس پر مرے ہے
عبث کرنے گیا میں گور بر گور

اغنیا کے در اوپر مقدور جب تک ہو نہ جانا
سخت حاجت ہو تو جا لاچارگی ہے جا ضرور

چاہئے اشراف کو مفلس ہو مجلس میں نہ جا
گو کہ وہ دبلا نہ ہو پر بوجھتے ہیں سب حقیر

خون کا پیاسا تھا میرے بن نے کھلایا تجھ کو پان
کیا بلا لاوے گی تیرے لب کی لالی الحفیظ

دیکھ دل بر تیری کمر کی طرف
پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف
حشر میں پاکباز ہیں ناجی
بدعمل جائیں گے سقر کی طرف

نرگس کے تیں میں ہرگز لاتا نہیں نظر میں
دیکھی ہے میں نے آخر پیارے تمہاری انکھیں

ملنے کو نوخطاں کے واعظ برا کہے ہے
مجہول ہیں یہ باتیں ہم خوب جانتے ہیں

عید ہوتی تھی جو کوئی افطار کرتا جس کے گھر
اب بتا دیں سلے کا روزہ دیکھ کر مہمان کو

آج تو ناجی سجن سے کر تو اپنا عرض حال
مرنے جینے کا نہ کر دسواس پڑتی ہو سو پڑ

غم نہیں جو دلبری سے دل کو لیجاتا ہے وہ
پاس میرے تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

ایں شعر در حاشیہ کسے نوشتہ است معلوم نیست کہ از کیست۔ بنا بر نوشتہ
کہ مرقوم بود :۔

کیا میری آہ کیا صنم کی نگاہ
ایک ترکش کے تیر ہیں باللہ

کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے
قیامت کا جو دن سنتے تھے کل ہے

ہوا جب آئینہ میں جلوہ گر تب میں لیا بوسہ
جو آیا اپنے قابو میں تو پھر منہ دیکھتا کیا ہے
ایں شعر ناجی برابر ہزار شعر است۔ حق تعالیٰ رحمت کند، خوب کسے بود۔
جہاں دل بند ہو ناجی کا واں آوے خلل کرنے
رقیب لاولد ناصح گویا لڑکوں کا بابا ہے

نثار

[1]"میر عبدالرسول، نثار تخلص، شاگرد تقی میر، ساکن اکبر آباد، جوان سعادت مند
از دوست :-

جو ہے یعقوب یوسف دیکھنا منظور آنکھوں سے
تو اتنا پھوٹ کر مت رو کر جاوے نور آنکھوں سے

ٹک دیکھ تو چمن کا کب ہے وہ ڈھنگ تجھ بن
منہ سے اڑا ہے گل کے گلشن میں رنگ تجھ بن

---

(۱) نکات ص ۱۳۱

یہاں گل رکھے پھرے ہے دستار پر تو اپنی
وہاں عاشقوں کے سر پر پڑتے ہیں سنگ تجھ بن

اکثر ہیں دل فگار و لیکن نہ اس قدر
کہتے ہیں بے قرار و لیکن نہ اس قدر

ہاتھ سے ان جامہ زیبوں کے نکل جاویں گے ہم
یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلاویں گے ہم

طوفان خلق ہو ہی گا اشک ستم زدہ
ایسا نہ ہووے یار کہ میں آب دیدہ ہوں

ندیمؔ

علی قلی خاں ندیم تخلص۔ ساکن دہلی۔ حسب اتفاق در عظیم آباد تشریف آوردہ۔ از احقر نیز ملاقات کردہ۔ مرد بزرگ بود، حق تعالیٰ رحمت کند۔ اول مرثیہ ایشاں در عظیم آباد رسیدہ و شعر ریختہ کم چنانچہ نزد احقر نبود۔ از میر علی نقی صاحب گرفتہ۔ از وست :

قمری تو خوش قدوں کی ٹک اک چال دیکھنا
جیوں سایہ سرو ہے یہاں پامال دیکھنا
گلشن میں جوش گل سے قیامت لگی ہے آگ
بلبل جلیں نہ تیرے پر و بال دیکھنا

ایک یار نے زروئے نصیحت کہا ندیم
کب تک تجھے بتوں کا خط و خال دیکھنا
آئینہ دل سا ہیگا بغل میں ترے کبھی
لازم ہے اپنا صورت احوال دیکھنا

میں[1] نے دیا جواب اسے اوسے یہ کہ اے ندیم
مت پوچھ محض قال، مرا حال دیکھنا
آئینہ عارفوں کو ہے جس پر نظر کریں
اس میں بھی ہم کو اپنا ہی تمثال دیکھنا

اک دن رکھا تھا گوشۂ دستار پر جو گل
سایہ سے اس کے یار کا رخسار چھل گیا

نالاں

میر احمد علی نالاں تخلص، شاگرد مرزا محمد رفیع سودا، از احقر ملاقات نبود لکن دیگر دوستاں دیدہ اند۔ در عظیم آباد چندے تشریف داشتہ بطرف دہلی رفتہ۔ آواز شاگردی خود می نماید، از دیگراں نشنیدہ، واللہ اعلم۔ از دست ؎

غیر سے کیا امید کیا شکوہ
اپنا، اپنا ہی دل اگر نہ ہوا

---

(۱) آخری تین شعر حاشیے پر درج ہے۔

یہ میری آستیں جل جائے ہے پوچھوں ہوں جب نالاں
اثر رکھتا ہے میرے اشک کا یہ آب آتش کا

اگرچہ حسن لاثانی سجن مہتاب رکھتا ہے
ولے ہو روبرو تیرے کہاں یہ تاب رکھتا ہے

حسرت دل کے سوا یاں سے نہ لے جاویں گے ہم
ایک دن دست تہی ہم بھی چلے جاویں گے

دل سوزاں کو یاراں یوں نہاں رکھتا ہوں پہلو میں
کہ اخگر جیسے خاکستر میں کوئی ڈھانپ رکھتا ہے

نعیم

میر محمدی، نعیم تخلص۔ ساکن شاہ جہاں آباد، شاگرد خواجہ میر درد مدظلہ العالی۔
از چند سال در عظیم آباد قیام می دارند۔ در محفل مشاعرہ تشریف می آوردند۔ از دست :-

صبا جن دنوں جستجو تھی کسی کی
تلاش ہم کو بھی کو بکو تھی کسی کی

عبث ہم سے ہوتا ہے اتنا تو برہم
تیرا ذکر نیں گفتگو تھی کسی کی

(۱) عبث گوہر اشک آنکھوں نے کھوئے
جو رہتے تو آبرو تھی کسی کی

(۱) آخری تین شعر حاشیے پر درج ہیں۔

مجھے رشک آتا ہے گل سے اے بلبل
اسی طرح ہنسنے کی خو تھی کسی کی
نعیم اس قدر بھی تو کیا بے خبر ہے
تمنا ہمیں بھی کبھو تھی کسی کی

نعیم

نعیم تخلص۔ شاعر شاہجہاں آباد است۔ دیگر احوال او معلوم نیست از بیاض میر اولاد علی نوشتہ کسے خواہد بود۔ از وست :-

تو گو نعیم سے ملتا ہے سرسری لیکن
خیال جی میں مر سو ہزار گزرے ہے

نثار

محمد قائم نثار تخلص۔ مردیست تیرہ رنگ۔ از فقیر چنداں ربط ندارد، روزے ملاقات نمودہ۔ از وست :-

دل لگا ہے اوس سے جو اس کام سے واقف نہیں
ہم ہوئے بدنام اور وہ نام سے واقف نہیں

صبا کہیو ذرا جا کر تو اس زلف پریشاں کو
کروں میں کب تلک یاں تار تار اپنے گریباں کو

اے چشم عبث زلف یار کو
غارت کیا ہے تو نے دل بے قرار کو

ہے بعد مرگ بھی ترے دامن سے یہ لگا
ایسا نہ ہووے بھولیو اس خاکسار کو

(۱) مضمون ایں شعر بعینہ مضمون شعر جرأت فیض آبادی است۔ شعر اینست :-

جس کے غم میں آہ ہم آرام سے واقف نہیں
کیا غضب ہے وہ ہمارے نام سے واقف نہیں

صبا کہیو ذرا جا کر تو اس زلف پریشاں کو
کروں میں کب تلک یاں تار تار اپنے گریباں کو

اے چشم . . . ہے عبث زلف یار کو
غارت کیا ہے تو نے دل بے قرار کو
ہے بعد مرگ بھی ترے دامن سے یہ لگا
ایسا نہ ہووے بھولیو اس خاکسار کو

نالاںؔ

جان دوستاں میاں محمد وارث نالاںؔ، ساکن عظیم آباد۔ فرزند حضرت سید راستی قدس سرہ، در مشاعرہ بلاناغہ ہر روز جمعہ تشریف می آوردند و غزل طرحی می گفتند بداد برسیدند۔ با فقیر دوستی بسیار است۔ حق تعالیٰ سلامت دارد۔ از دست :-

کون سا تیر ناز یار نہیں
جو کلیجے کے وار پار نہیں

---

(۱) یہ عبارت حاشیے پر درج ہے۔

دل نہ کر قصد سیر کوچۂ زلف
زندگانی کا اعتبار نہیں

کس کے سینہ میں شعلہ رویوں کا
ایک دو داغ یادگار نہیں

آشنائی تجھے خدا کی قسم
اب مجھے تاب انتظار نہیں

مثل سیماب آتش غم سے
دل بے تاب کو قرار نہیں

اوس کی تیغ نگہ کے زخموں کا
اپنے سینے میں کچھ شمار نہیں

جیب و داماں کو کیا ہوا نالاں
ان دنوں رشک لالہ زار نہیں

شب کو مثل شمع تو روتا ہے کیا
صبح تک تو دیکھ لے ہوتا ہے کیا

داغ دل تو ہے کسی کا یادگار
آنسوؤں سے اس کو تو دھوتا ہے کیا

سرزمین عشق میں کر کشت کار
دل میں تخم یاس تو بوتا ہے کیا

ہار دے دل مت قمار عشق میں
جیتی بازی ہاتھ سے کھوتا ہے کیا

گر ارادہ وصل کا رکھتا ہے تو
پھیر نالاں اس قدر سوتا ہے کیا

نادرؔ

شیخ نظام الدین علی، نادر تخلص۔ ساکن شاہجہاں آباد۔ در [تذ] کرۂ احوال ایشاں مرقوم نیست۔ لکن ایں غزل از مرزا الف بیگ رسیدہ۔ از دست :-

بد وضع کو کون چاہے گو کہ وہ اشراف ہو
کون لیتا ہے وہ نافہ جس میں آوے بوئے شیر
حسن کی صافی نہ ہوگی خط کے سبزے مٹ گھٹا
سانپ تو جاتا رہا پیٹے سے کیا ہوئے لکیر
راست رو ہے تو اگر نادر تو کج رو سے نہ مل
دیکھ تو کج سے کماں کی کس طرح بھاگے ہے تیر

ولیؔ

واقف رموز خفی وجلی، ولی۔ اسم با مسمیٰ بود، صاحب دیوان می گویند کہ در شاہجہاں آباد آمدہ بود و بخدمت حضرت شاہ .... و از اشعار خود پارہ خواندہ چیزے در حق ولے فرمودند۔ چناں شہرت یافتہ کہ احتیاج تعریف ندارد۔ حق تعالیٰ رحمت کند۔ مقبول ولی اللہ بود۔ بہ سخن او قبولیت کلی دارد۔ از دست :-

اے غنچہ نہ کر تو فخر، یہ دل
تکمہ ہے سخن کی بکتری کا

نہ پوچھو عشق میں جوش و خروش دل کی ماہیت
برنگ ابر دریا بار ہے رومال عاشق کا

دیکھ کر تجھ نگاہ کی شوخی
ہوش عاشق رم غزال ہوا

کیوں کے سیری ہو حسن سے تیرے
دھوپ کھانے سے پیٹ بھرنا ہے

اے جان دلی وعدۂ دیدار کو اپنے
ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو

کیا غم ہو اس کو گرمی خورشید حشر سے
بخت سیاہ جس کے سر اوپر ہے سائباں

مت راہ دے رقیب سیہ رو کو ایک بار
ڈریے ہزار بار بلائے مہیب سوں

دشمن دیں کا دین دشمن ہے
راہزن کو چراغ رہزن ہے

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے اس کو
کرتی ہے نگہ جس قد نازک پہ گرانی

کہاں ہے آج یارب جلوہ مستانہ ساقی
کہ دل سے تاب جی سے صبر سر سے ہوش لیجاوے

جلد چل ٹک عشق کی رہ میں کہ تا پہنچے کہیں
سالکی کو رہ نہ دے سالک کہ منزل دور ہے

سن ولی رہنے کو دنیا میں مقام عاشق
کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

دل چھوڑ کے یار کیوں کے جاوے
زخمی ہے شکار کیوں کے جاوے

ولایت

میر[1] ولایت اللہ خاں ساکن شاہجہان آباد۔ بعد ترک روزگار شاہ ولایت موسوم شدند و ولایت تخلص نمودند۔ از دست :-

ہماری نیستی ہے حق کی ہستی
جہاں تک ہم نہیں واں تک خدا ہے

(۱) ولایت کا ذکر حاشیے پر ہے۔

وحشی

(۱)"پیر بخش، وحشی تخلص۔ ساکن شاہ جہاں آباد۔

واقف

از واقف شاہ۔

خنیٔ اہل فنا کو ہے فنا ہی سے مدام
خندہ بخش شمع نت خمیازہ گلگیر ہے

اول شق ادا بندھتی اس سے قاصد
اب تو کیا بات ہے استاد ہوا ہوئے گا

وارث

از شیخ محمد وارث۔ وارث تخلص، شاگرد میاں شاہ غلام قطب الدین الہ آبادی قدس سرہ۔ از دست:۔

وارثا اپنا دل سوزاں تو کر شمع مزار
ورنہ ہو جاویں گے آخر یہ گل کے گل

لاکھوں کڑیوں کے تئیں دیکھا اوٹھاتے لیکن
جو کرا دیدہ و دل سے وہ اوٹھایا نہ گیا

---

(۱) وحشی کا ذکر ناتمام ہے اور حاشیے پر ہے۔

(۱) ہم تو ہستی میں سبک مثل صبا رہتے ہیں
بار خاطر نہ کسی کے نہ غبار دامن

از مولوی خیر الدین گوئند

والہ

مبارک علی والہ پسر شاہ قدرت اللہ سلمہ اللہ۔

ان دنوں تھم رہے ہیں ہائے سرشک
لخت دل تو ہی آ بجائے سرشک

یار غیروں کا ہوا یار خدا خیر کرے
ہم کو دینے لگا آزار خدا خیر کرے

خواب غفلت ستی ٹک چونک تو اے والہ
آج بالیں پہ ترے اس کے قدم آتے ہیں

---

(۲) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جس نے یک نظر دیکھا
پھر اوسے ہم نے چشم تر دیکھا
اب ترا آسرا ہے آہ سحر
نالہ شب کو بے اثر دیکھا

---

(۱) یہ شعر حاشیے پر درج ہے۔
(۲) آخری تین شعر حاشیے پر درج ہیں۔

لخت دل جم رہے ہیں آنکھوں میں
تخم الفت کا یہ اثر دیکھا

ہمدم

میر محفوظ علی ہمدم تخلص خلف میر محمد حیات حسرت موصوف۔ ساکن عظیم آباد
دریں روزہا در مرشد آباد تشریف می دارند۔ از وست :-

گو گور میں نہ کھولیں جیب کفن ہمارا
کچھ واں بھی کر رہے گا دیوانہ پن ہمارا

سخت مشکل ہے آشنا ہونا
بے وفاؤں سے باوفا ہونا

یوں ہی ویران رہا یہ خانۂ دل
تیرے ناوک کا اس میں گھر نہ ہوا

واہ وا ایسے ہی قرار کیا
ایک شب کے تئیں ہزار کیا

ملے ہے دیدہ و دانستہ سب سے
اٹھاتا ہے مری چھاتی پہ دیوار

میاں وہم و دکار ہے ان دنوں میں
یہ دل تو گرفتار ہے ان دنوں میں

تن جلے شمع وار اب کب تک
دل رہے داغ دار اب کب تک
رات دن صبح وشام ہے وعدہ
اے تغافل شعار اب کب تک

وقف ناوک کیا جگر اپنا
تیر اس پر سرا ہے ہمدم
آہ کی بھی نہیں رہی طاقت
آہ کیوں کر کراہے ہمدم

تونے اپنا گر ہیں جانا نہیں
دوست دشمن اپنا پہچانا نہیں

سنے حال پروانے کا یا الٰہی
زباں کے عوض شمع کو گوش ہووے
ملے کیوں نہ آئینہ گرد اپنے منہ پر
جہاں اس صفا کا پڑ وو دوش ہووے

---

(۱) آخر میں چند شعر حاشیے پر درج ہیں۔

نکلتا ہے جی اس کی باتوں پہ یارو
کسی طرح ہمدم بھی خاموش ہووے

ہدایت

میاں[1] ہدایت اللہ۔ ہدایت تخلص۔ از دہلی است۔ ریختہ رابطرزی گوید۔ از یاران خواجہ میر صاحب است۔ از وست :-

حیرت میں ہوں کہ تیرے تئیں اے شب فراق
ظاہر میں دیکھتا ہوں کہ عالم ہے خواب کا

قطعہ

بھلا بتادے مری جان کچھ ہدایت نے
تمھارے جور سے شکوہ کبھی کیا ہوگا
مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہوکے کبھو
کچھ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا

تیری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات
روتے ہی روتے گزری ساری رات

تجھ بن اے خونخوار ہر دم یاں دم شمشیر ہے
سانس جب الٹی ہے گویا بازگشت تیر ہے

---

(۱) نکات ص ۱۲۵

ہاتفی

(1) ہاتفی راست

تیری انکھاں ہور زلف سے کافر ہوا سارا جہاں
اسلام ہور تقویٰ کہاں، زہد اور مسلمانی کدھر

ہاشم

(2) ہاشم راست :

دکن ہور ہند کے دلبر ہیں سے بے حجاب اچھے
کر مکھڑے چاند سے پرجن کے خط پیچ و تاب اچھے

یک رنگ

مصطفیٰ خاں یکرنگ، شاعر ریختہ، معاصر میاں آبرو(3) می گویند کہ بسیار آشنائے درست بود۔ از دست :۔

ترک عاشق نے ننگ و نام کیا
کام اپنا جو تھا تمام کیا

لب شیریں سے بے زبانوں کو
بولنا تلخ کام ہے تیرا
ہاتھ اٹھا جور اور جفا سے تو
بس گویا سلام ہے تیرا

---

(1) نکات ص ۱۰۳
(2) نکات ص ۱۰۳
(3) نکات ص ۳۶

در مرثیہ حضرت امام الہمام امام حسین علیہ السلام می گوید :-

زخمی برنگ گل ہیں شہیدان کربلا
گلزار کے نمط ہے بیابان کربلا
کھانے چلا ہے زخم ستم ظالموں کے ہاتھ
دھو ہاتھ زندگی سیتی مہمان کربلا
اندھیر ہے جہاں ہیں کر اب شقیوں کے ہاتھ
ہے سر بریدہ شمع شبستان کربلا

نہ کر گوہر سیتی ہرگز برابر
اگر معلوم ہے رتبہ سخن کا

مجھے مت بوجھ پیارے اپنا دشمن
کوئی دشمن بھی ہو ہے اپنی جان کا

کم نہیں کچھ بوئے گل سیتی فغان عندلیب
برگ گل سے ہیگی نازک تر زبان عندلیب

مسخر حسن کے شاہ و گدا ہیں
رکھیں ہیں خوب رو ظاہر کرامات
خیال چشم و ابرو کر کے تیرا
کوئی مسجد گیا، کوئی خرابات

سچ کہے جو کوئی سو مارا جائے
راستی ہیگی دار کی صورت

نقل میر در تذکرۂ خودی نویسند کہ باعتقاد فقیر بجائے "سچ" حرف "حق" اولیٰ است :-

بدانکہ "سچ" ہندی و "راست" فارسی و "حق" عربی۔ ہر سہ یک معنی دارد غالب است کہ شاعر از حرف حق غافل نباشد لکن بمثل مشہور ہمیں طور است: سچ کہے جو کوئی سو مارا جائے۔ "حق کہے جو کوئی سو مارا جاے" ایں مشہور نیست۔ و در مثل دخل نمودن درست نیست و "حق" برائے دار خوب اسپ اگر مثل نمی بود، مضائقہ نداشت۔ سوائے ازیں .... معنی غریب۔ لفظ سچ است وانصاف شرط است۔ احقر طرف نمی کند۔

پھر گیا ہم سے ہائے وہ مہ رو
سرد مہری عشق ہوا کی طرح

بنا بر مصلحت ہے یہ جو تم سے
رہا ہے روٹھ دن دو چار یک رنگ

محبت کا عجب یک رنگ ہے رنگ
کبھی عاشق کبھی معشوق ہیں ہم

دریں شعر تخلص لطف نمی دہد، مصرع ثانی متحمل بر نیرنگی است، یک رنگی فائدہ نمی کند۔

تا گلے تیرے لگوں لے یار میں
رو ٹھتا ہوا اس سبب ہر بار میں

کیوں کھینچتے ہو تیغ سجن ہم میں دم نہیں
پنہاں نگہ تمھاری یہ گپتی سے کم نہیں
کہتے ہیں ہم پکارے سنو کان دھر سجن
گر غیر سے ملوگے تو دیکھو گے ہم نہیں

تجھ زلف کا یہ دل ہے گرفتار بال بال
یکرنگ کے سخن میں خلاف ایک مو نہیں

پارسائی اور جوانی کیوں کے ہو
ایک جاگہ آگ و پانی کیوں کے ہو

اس پری پیکر کو مت انسان بوجھ
شک میں کیوں پڑتا ہے لے دل جان بوجھ

برگ حنا اوپر لکھو احوال دل میرا
شاید کبھی تو جا لگے اس دل ربا کے ہاتھ

جو کوئی توڑتا ہے غنچۂ گل
دل بلبل شکستہ کرتا ہے

دیکھو یہ کر یار رہا جاتا ہے
میرا صبر و قرار جاتا ہے

گر غضب لینا ہے تو لے صیاد
ہاتھ سے یہ شکار جاتا ہے

کیا جانیے وصال ترا ہو کسے نصیب
ہم تو ترے فراق میں اے یار مر گئے

نہ تو ملنے کے اب قابل رہا ہے
نہ مجھ کو وہ دماغ اور دل رہا ہے

جس کے درد دل میں کچھ تاثیر ہے
گر جواں ہے وہ تو میرا پیر ہے

چشم پیارے کے دیکھ مژگاں میں
گویا سبزے کے بیچ آہو ہے

دوستی کو مت پوچھو سجن اوروں کی طرح
مصطفےٰ خاں آشنا یک رنگ ہے

تقی میری نویسند کہ اگر شعر من بود، پیش مصرع ایں قسم موزوں می کردم:

مت تلون اس میں سمجھے آپ سا
مصطفےٰ خاں آشنا یکرنگ ہے

مصطفےٰ خاں در مصرع اول مذمت رقیباں نمودہ است۔ تقی میر تلون کہ شیوہ

مشوقانست موزوں کردہ اند، بہر صورت شعر خوبست۔

اب تو تمھیں نباہے ہی ہم سے سجن پڑے
ہم سب طرح سوں ہار تمھارے گلے پڑے
یکرنگ پاس کیا ہے سجن اور کچھ بساط
رکھتا ہے دو نین جو کہو تو نظر کرے

یکرو

عبدالوہاب یکرو تخلص، شاگرد میاں آبرو۔ تقی میر در تذکرۂ خودمی نویسند کہ ہیچ مدانِ فنِ ریختہ بود لکن ہیچمداں نمی شمرد۔ از وست :-

دل پر مرے ہیں داغ ترے ہجر کے کئی
گنتی میں جن کی عمر مری سب گزر گئی

یقین

مظہر خاص رب العالمین، انعام اللہ خاں یقین غفرلہ، تقی میر در تذکرۂ خود می نویسند کہ :-

"انعام اللہ خاں یقین تخلص، شاعر ریختہ، صاحب دیوان۔ ازبسکہ اشتہار دارد، قابل تعریف و توصیف نیست و تربیت کردۂ مرزا مظہر است۔ پدرش اظہر الدین خان نام دارد و با جدش در سرہند ملاقات کردہ بودم، بسیار آدم بامزہ یافتہ، بسلوک پیش می آمد و ضیافت فقیر کردہ تا دیر نشستہ، صحبت مستوفی داشتم۔ شعر فارسی بطرزی گوید آدم بر سر مطلب۔ میاں یقین رام دہاں می گفتند کہ مرزا مظہر او را شعر گفتہ می دہد و دامت شعرہاے ریختہ خود گردانیدہ۔ از قبول کردن این سخنش بندہ را خندہ می آید

کہ ہمہ چیز بوارث می رسد الا شعر، مثلاً کسے بر شعر پدر خود یا مضمون او متصرف شود۔ ہمہ کس او را دزد خواہند گفت تا بہ شعر استاد چہ رسد۔[1]

جواب :- احقر از انعام اللہ خاں یقین و از اظہر الدین خاں صاحب سلامت ندارد و بخانۂ جد ایشاں چیزے نخوردہ کہ حق نمک ادا بکند۔ انچہ در فہم آمد نوشتہ می شود۔ کسے راکہ اندک شعور است دریافت خواہد نمود۔ اول دریں احتمال صدق و کذب می آید و دوست نقصانِ دوست نخواہد کرد و دروا ازخفت نخواہد شد مگر دشمن۔ گفتہ دشمن چہ اعتبار دارد۔ چنانچہ بزرگاں گفتہ اند: باطل است آنچہ مدعی گوید۔

ونیز باید دانست انچہ شعر مرزا مظہر سلمہ اللہ تعالیٰ خود فرمودہ است بنام او مشہور و معروف است و انچہ یقین غفرلہ گفتہ است بنام او مشہور است و در تذکرۂ سید فتح علی تبریزی نیز مرقوم است۔ و ایں قدر ہم مردم می دانند کہ مرزا شعر یقین را اصلاح فرمودہ است۔ اگر غلطی در شعر یقین یابند، البتہ الزام آں آید، طرف مرزا می شود نزدیک ناقصاں، نزدیک کاملاں نہ۔ ازیں سبب کہ مرزا انسانست، و انسان مرکب از خطا و نسیان است، مضائقہ ندارد۔ بوقت اصلاح غلطی در خاطر مبارک او نہ آمدہ باشد۔ و اینکہ می گوید کہ شعر مرزا گفتہ او را دادہ اند، شاگرد است اگر یک مصرع و یا یک بیت در اوائل فکر گفتہ دادن کہ مردماں تحسین کنند تا زیادہ دل ایشاں باعث آفریں راغب شود، باک نیست۔ اکثر استاداں کردہ اند۔ دریں صورت دزدی یقین ثابت نمی شود کہ مرزا خود مرحمت فرمودہ است۔ و انچہ شعر کہ بنام مرزا مشہور است، اگر یقین بنام خود شہرت دہد، البتہ دزدی او ظاہر گردد۔ ایں خود نیست مگر بحث از تہمت ہمہ کس ناگزیر است۔

---

(۱) نکات ص ۹۲

ونیز باید دانست کہ استاداں باین نیت شاگرد را وارث اشعار خود ہا نمودہ اند کہ در حضور یا غیبت دیوان استاد درست نمایند و ہر جا کہ غلطی از بشریت ماندہ باشد آں را درست سازند، باک نیست۔ اکثر بزرگاں بعد وفات دیوان استاد خود درست نمودہ اند چنانچہ حضرت مولوی جامی دیوان استاد خود درست کردہ اند و میر باقر حزین دیوان و ساقی نامہ وغیرہ را حوالہ میر محمد حیات حسرت پیش از انتقالِ خود باین نیت نمودہ بودند کہ درست نمایند و ہر جا کہ غلطی ماندہ باشد، آں را رفع سازند لکن در حقیقت کمال شاگرد عین کمال استاد است کہ درست نمودہ چنانچہ فرمودۂ فخر شاگرد ہنرمند بہ استاد رسد۔ وایں وصیت کسے استاد در حق شاگرد نکردہ است کہ شعر من بنام خود خواہید خواند۔ بفرزندی دہند شاگرد مسلوم۔ مرزا کامل بشر است، چگونہ روادار خفتِ یقین خواہد شد۔ ویقین ہم عاقل و بالغ بود، ہرگز قبول نکردہ باشد۔ وفہم ایں مقدمہ دور نیست، طفل ہم می داند کہ شعر کسے درکار کسے نمی آید۔ انچہ خلاف عقل و رواج باشد براں اعتبار نباید کرد کہ مردماں بیشتر باہم مخالف اند چنانچہ کفار مذمت اسلام و اہل اسلام می کردند و بجاے نفرین، آفرین بر عقل و فراست خود ہا نمودند۔ مرزا مرد مسلمان است ویقین ہم مسلمان بود۔ اکثر مردم از و راضی بودند و اکثر ناراضی۔ منافق است کہ ہم راضی باشند۔ ہرچند شیخ سعدی قدس سرہ فرمودہ :۔۔۔۔

لکن ایں ہم بزرگاں گفتہ اند :۔

جو کوئی دیکھے اندھے کے تیں چاہ پر
تو لازم ہے لاوے اسے راہ پر

بنا بر نوشتہ والا آنہ مرا ازیں چیز ہا چہ کا۔

وباز تقی میری نویسند :۔

"پرو پوچ چندے کہ یافتہ است کہ ما و شما نیز توانم یافت۔ ایں قدر بر خود چیدہ است کہ رعونت فرعون پیش او پشت دست بر زمین می گزارد۔ بعد از ملاقات ایں قدر رخود معلوم شد کہ ذائقۂ شعر فہمی مطلق نمی دارد۔ و شاید از ہمیں راہ مرداں گرانبار ناموزونیت در حق او داشتہ باشند۔ عجبے بر ایں اتفاق دارند کہ شاعری او یقینی نیست چرا کہ شاعر ایں قسم کم فہم نمی باشد۔"

در خاطر احقر می آید کہ شاعراں شاگرد حق سبحانہ تعالیٰ و تقدس اند۔ چنانچہ در خطبۂ مفصل بقید قلم آوردہ و در جناب اقدس، سعدی می فرماید :

برادر حسید یا و منی

کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

اگر گاہے شاگرد او سبحانہ دعویٰ انا لا غیری، نماید، می سزد۔ میاں اصالت خاں ثابت مذکور گفتند کہ شخصے تقی نام شاعر در دشت او بار پا پیادہ می رفت۔ شاہ قدرت اللہ قدرت تخلص ہمشیرزادہ میر شمس الدین فقیر غفرلہ بر احوال او رحم نمودہ، بر رتبہ خود سوار کردہ، چہار منزل آوردہ۔ در اثنائے راہ شاعر مذکور از راہ غرور با شاہ موصوف یک حرف نگفتہ۔ بجاست کہ رعونت فرعون پشت دست بر زمین می گزارد و اگر ذائقۂ شعر فہمی می داشت، از شاہ قدرت اللہ سخن می آمد!

بہر حال اہل غرور ناقص العقل اند، از ایں سبب اہل غیرت را صاحب غرور مثل خود تصور نمودہ، شکوہ می نمایند۔ اگر یقین واقعی غرورے داشت، سید فتح علی تبریزی ہم در تذکرۂ خود می نوشت۔ و مرزا محمد رفیع سودا مصرع یقین را خمس ہم فرمودہ و آں مصرع کہ تضمین فرمودہ است، ایں است :-

کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

باز تقی میرمی نویسند کہ :-

" از شخصے منقول است کہ بر خانۂ عطیۃ اللہ خاں پسر نواب عنایت اللہ خاں مرحوم یقین نشستہ بود و می گفت کہ ازاں روزے کہ مرزا دستِ استادی از سرِ من برداشتہ است، شعرِ من ترقی کردہ۔ شخص مذکور ایں مصرع نظامی بہ آواز بلند پیش حضار مجلس خواندند۔ آں مرغ کو خایہ زریں نہاد، حاصل او را بیضہ در کلاہ شکست "

یاراں بشنوید ! دروغ گو را حافظہ نی باشد۔ گاہے می گویند کہ یقین فہم و فراست شاعری ندارد و گاہے می نویسند کہ استادیِ مرزا بخاطر نی آرد۔ ازیں معلوم می شود کہ ہم غلط است ۔

یقین مردے خوب بود بلکہ مثل گل بود کہ در خارِ زندگی می نمود۔ ناچار بجنت شتافت ۔

سوائے ازیں، میر صاحب انصاف فرمایند کہ یقین در دیوان خود گفتہ رفتہ است :-

جوں نماز اپنے پہ صبح و شام لازم کر یقیں
حضرت استاد یعنی شاہ مظہر کی ثنا

ثنائے مرزا مظہر از تحریر بہ اثبات می رسد، و مذمت از گفتۂ مخالف۔ و بیش تحریر تقریر بکار نمی آید !!

باز می نویسد کہ :-

" میاں ثاقب کہ احوال او بالا مرقوم گشتہ، نقل می کرد کہ من محض برائے امتحان بخانہ او رفتم و یک غزل طرح کردم۔ من غزل بانصرام رسانیدم و از و مصرع موزوں نشدہ، واللہ اعلم "

جواب این مفصل در احوال ثاقب نوشتہ شدہ، قدرے این جا ہم می نگارد۔ تقی میر در تذکرۂ خود در حق میاں ثاقب نوشتہ اند کہ ہمہ چیزی دانند و ہیچ نمی دانند، اصل است کہ ہیچ نمی دانند۔ بس کسے کہ ہیچ ندانستہ باشد چگونہ مثل یقین شاعرِ ہم طرح او شود۔ اگر ہم چشم خود دانست، چیزے می فرمود و این ہم احتمال دارد کہ آں غزل میاں ثاقب پیشتر گفتہ باشند و سبع میاں یقین رسیدہ باشد، از راہ ستاری چیزے نگفتہ باشد۔

باز می نویسد کہ :

" میاں محمد حسین کلیم کہ احوالش گزشت، قصیدہ گفتہ مسمی روضتہ الشعرا در و نام تمام شعرا را نقل کردہ۔ از آں جملہ نام ایشاں را نیز آوردہ لکن بکنایۂ عجیبے کہ سخن فہم می فہمد و آں اینست :

یقیں کے شعر پہ ہیں بدگماں بعضے کہ اس کے نہیں

غلط ہے، ہم نے بوجھا ہے گا مرزا جان جاناں کو "

میاں محمد حسین کلیم این شعر برائے رفع بدگمانی تقی میر وغیرہ نوشتہ اند، و این ہر دو صاحبان بدگماں در حق خود نہ فہمیدہ اند بنا بر گنا بہ طرف یقین تصور نمودہ اند۔ وائے بر حال سخن کہ بسخنداں نہ رسد۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم، " ظن المومنین خیر " آنکس مومن نیست کہ ظن او خیر نباشد، بد باشد۔

باز می نویسند کہ :

" در بزرگ زادگی و شرافت و نجابت میاں یقین سخنے نیست۔ از خانوادۂ بزرگ است۔ با بندہ ہم آشنائے سرسری دارد "

یاراں بفہمید کہ از زبان تقی میر معلوم شدہ کہ یقین بزرگ زادہ است و آشنائی سرسری دارد، بنا بر تقی میر این قدر نوشتہ اند کہ از احوال آں مفصل آگاہی

نہ دارد۔ ایں جانا انصافی تقی میر ظاہر و معلوم می شود کہ از احوال یقین مفصل واقف نیستند و ایں چنیں در کتاب می نویسند! آشنائے سرسری را چہ اعتبار؟ انساں دریافتہ نمی شود مگر بسیار بدید!!

نقل است کہ شخصے بزرگے بود، بنام ہر کس گر در مجلس او بتقریب می آمد، می فرمود کہ از ما خوب است۔ شخصے پرسید کہ حضرت! ہمہ کس را از خود خوب می فرمایند، فہمیدہ نمی شود۔ فرمودند کہ احوال خود معلوم است، احوال دیگراں معلوم نیست، پس خوب باید گفت، مبادا خلاف شان او واقع شود، گناہ لازم آید۔ "چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی" و حضرت مولوی می فرمایند: مرد آخر بیں مبارک بندہ است۔

روزے بر سر تقریب انتخاب میاں محمد روشن جوشش گفتند کہ دیوان یقین چگونہ انتخاب خواہید نمود کہ تمام غزل او قابل انتخاب است۔ نزد اہل فہم واقعی است کہ تمام دیوان یقین انتخاب است۔ ناچار قدرے بنویسد۔ اول آنچہ تقی میر در تذکرۂ خود نوشتہ اند، نوشتہ می شود و آں اینست:

دل میں زاہد کے جو جنت کی ہوا کی ہے ہوس
کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا

روا گر دیجیے اس کو بھی تو کچھ عیب نہیں
آئینہ سے بھی گیا گیا دل حیراں میرا

یقیں اس کے در دنداں کی باتیں جو کیا چاہے
صدف کی طرح دھو لے آب گوہر سے دہن اپنا

کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامے کا بند
برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہوگیا

تقی میر در تذکرۂ خود نوشتہ است کہ :

" شعر یقین لفظاً لفظاً تبدل رائے آنند رام مخلص است کہ گزشت۔ طرفہ تر اینکہ آنہم در سلیقۂ سرقہ یکہ بودہ است۔ خداوند گرایں معنی در اصل از کیست شعر اینست :

ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل
بند قبائے کیست کہ وا می کنیم ما "

ایں جا گمان تقی میر بیجا است۔ اگر آنند رام مخلص ایں شعر اول می گفت، بنام او مشہور می شد کہ مضمون عالی بود۔ شعر میاں یقین مغفور مدت است کہ میر علی اسمٰعیل مستمند تخلص از شاہجہان آباد یاد کردہ بطریق تحفہ بشاعران عظیم آباد آوردہ و ازاں جا بہ مرشد آباد و بہ پرینہ وغیرہ رسیدہ۔ بعد ازاں دیوان ایشاں رواج یافتہ و شعر آنند رام مخلص در تذکرہ نوشتہ دیدہ، از زبان کسے نہ شنیدہ۔ غالب است کہ دزدی کردہ باشد۔

آنکھ سے نکلے پر آنسو کا خدا حافظ یقیں
گھر سے جو باہر گیا لڑکا سو ابتر ہوگیا

یقیں سوز و گداز اپنے کو گر اظہار میں کرتا
خدا شاہد ہے آتش کا بھی زہرہ آب ہو جاتا

اگر ہر گز نہ میں اس شوخ کی خاطر نشاں کرتا
خدا جانے وفا میری کے حق میں کیا گماں ہوتا

زباں فولاد کی ہو جب جواب کوہکن دیوے
تماشا ہوتا گر پرویز کا عشق امتحاں کرتا

کہتے ہیں کہ تسخیریں آئینے کو آتی ہیں
دل سے نہ ہوا جو کچھ، آئینے سے کیا ہوگا

نہ دیتا عیش کی خسرو کو فرصت قصر شیریں میں
جو میں ہوتا تو جائے شیر جوئے خوں رواں کرتا

ناچار دل اپنا گیا گور میں یقیں
اس جنس کا جہاں میں [کوئی] قدرداں تھا

عاشق اور معشوق عالم کی سند کرتے ہیں سب
تجھ سے غمخواری کی طرح اور مجھ سے غم کھانے کی طرح

اب جو آکر بیٹھ قفس کے بام پر مقدور نیں
حیف ہم پہلے نہ بوجھی اپنے بال و پر کی قدر

کیا کروں مژگاں تری کی ابر نے ڈالا ہے شور
آج بادل بے طرح اٹھے ہیں یہ برسیں گے زور

خال گو سے لکھ کا لیتا ہے مرے دل کو چرا
اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پھرتے ہیں چور

دل نہیں کھنچتا ہے بن مجنوں بیاباں کی طرف
خوش نہیں آتا نظر کرنا غزالاں کی طرف
اس ہوا میں رحم کر ساقی کہ بے جام شراب
دیکھ کر چھاتی بھری آتی ہے باراں کی طرف

ہمارے درد کی دارو اگر کچھ ہے تو دارو ہے
یہ سب کچھ سن کے ساقی بات پی جانے کا کیا حاصل

جب دیکھتا ہوں تنہا تجھ کو سجن چمن میں
کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میرے من میں
مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجھ کو
کیا عیش کر گیا ہے ظالم دوانہ پن میں

تقریر میری نویسندہ :-
" اگر بجائے خوش نصیبی، خوش معاشی می گفت ایں شعر بسیار تازہ
می شد "

در خاطر احقر الناس می آید کہ ہمہ چیز از نصیب تعلق دارد چنانچہ گفتہ :
انچہ نصیب تست، بتو می رسد، کسے کہ چیزے در ظاہر بہ تدبیر بہم رساند و بے جا
خرچ می نماید، آں را خوش معاش می گویند۔ و دیوان پن محض از نصیب بدست

می آید بنا بر خوش نصیبی گفتہ۔ و خوشی معاش از عقل تعلق دارد و دیوان پن از بے عقلی۔ پس سودا را خوش معاش نباید گفت۔ ایں جا رائے میر غلطی کردہ است، لہٰذا مردمان می گویند کہ شعور کلی دریں فن ندارد، خان آرزو دیوان درست کردہ دادہ است، چنانچہ کسے گفتہ است :

ہر ورق پر ہے میر کے اصلاح
لوگ جانے ہیں سہو کاتب ہے

دوبارہ زندگی کرنا مصیبت اس کو کہتے ہیں
پھر اٹھنا بے دماغوں کا قیامت اسکو کہتے ہیں

[نہ گزرا ہوگا مجھ سا کوئی رنگیں باؤلے پن میں]
گریباں آ پڑا ہے پھٹ کے گل کی طرح دامن میں
یقیں سے جلتے بلتے کی خبر کیا بوجھ کر لوگے
پڑا ہے گا دوانہ سوختہ سا کنج گلشن میں

کرتا ہے کوئی یار و اس وقت میں تدبیریں
مرتا ہے یہ دیوانہ اب کھول دو زنجیریں

وہ ناخن ابروے خوباں سے خوشنماتر ہے
کسو کے کام کی جس سے کوئی گرہ وا ہو

خواب میں کس طرح دیکھوں تجھ کو بے خوابی کے ساتھ
جمع آسائش کہاں ہوتی ہے بے تابی کے ساتھ
مفت نیں لیتے وفا کو شہر خوباں میں لییتیں
کس قدر بے قدر ہے یہ جنس نایابی کے ساتھ

زنجیر میں زلفوں کی پھنس جانے کو کیا کہیئے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیئے

اگرچہ عشق میں آفت بھی ہے بلا بھی ہے
نرا بُرا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے
اس اشک و آہ سے سودا بگڑ جاوے کہیں
یہ دل کچھ آب رسیدہ بھی ہے جلا بھی ہے
یہ کون ڈھب ہے سجن خاک میں ملانے کا
کسی کا دل کبھی پاؤں تلے ملا بھی ہے

ایک پل بھی ٹھہرتا ہائے آنسو کی طرح
اس دل بے تاب کی کوئی تسلی کیا کرے
وصل کی گرمی سے مجھ کو ضعف آتا ہے یقیں
دیکھیے مجھ ساتھ خوبوں کی جدائی کیا کرے

اس بسنتی پوش سے آغوش رنگیں کیجیے
جی میں ہے اس مصرع موزوں کو تضمیں کیجیے

مزے سے عشق کے دوزخ بھی اس فرقہ پہ جنت ہے
خدا ہم کو کرے محشور امت میں محبت کی

نہ نکلا کام کچھ اس صبر سے اب نالا کرتا ہوں
مری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے

[دوانہ ہوں میں اپنے جیو سے مجنوں کے سلیقے کا]
مزہ لے لے کے مرنے کی طرح فرہاد کیا جانے

یار اگر منظور ہے دنیا تو عقبیٰ سے گزر
منزل مقصود ہے دونوں جہانوں کے پرے

خوش آئی ہے مجھے یہ بات اک مجنون عریاں سے
کیا کیجے کہاں تک چاک گزرے اس گریباں سے

میر در تذکرۂ خود می نویسد کہ فقیر نیز یک شعر دارد، قریب ہمیں معنی و بہ اعتقاد خود بمراتب
ازیں شعر بہتری دارد و آں است :-

چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے
اب گریبان ہی سے ہاتھ اٹھایا ہم نے

ہر گاہ خود می نویسند کہ قریب ہمیں معنی۔ ضرور نیست کہ چیزے در جواب نوشتہ بود
لکن یاراں انصاف فرمائید، بنائے شعر بر مضمون مصرع ثانی است۔ مضمون مصرع ثانی
تقی میر ہماں است انچہ یقین گفتہ۔ مگر مصرع اول یقیں برائے رعایت مصرع ثانی لفظ

مجنوں و عریانی آوردہ است وایشاں ایں چنیں آوردہ اند لکن زبان مصرع اول یقیں خوب است۔ نزدیک صاحب مصرع ثانی ایشاں خوب نیست۔ اگر ایں طور می گفتند، اندک خوب می شد :-

چاک ہوتا ہی گیا جوں جوں سلایا ہم نے

مثل مشہور است : پھٹے کا کیا پھٹے گا، (چاک پر چاک خوب نیست) سوائے لفظ عریانی در مصرع یقیں ہیچ نگذاشتہ است۔ "چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے"، دریں مصرع نام ونشاں جامہ باقی می ماند۔ دریں صورت مصرع یقیں اولیٰ است۔ شعر فہمی میر صاحب معلوم شد، بنا بر بزرگے فرمودہ

شعر گفتن گرچہ در سفتن بود
لیک فہمیدن بہ از گفتن بود

وسوائے ازیں میاں یقیں صاحب دیوان بود، تقی میر مالک یک شعر بودند۔ چنانچہ سید فتح علی تبریزی آں شعر را در تذکرۂ خود نقل کردہ است[1] :

انتخاب سید فتح علی تبریزی :-

صاحب تلاش معنی رنگیں، انعام اللہ خاں یقیں۔ پسر اظہر الدین خاں بہادر مبارک جنگ، نبیرۂ حضرت شیخ مجدد الف ثانیست و نبیرۂ نواب حمید الدین خاں مرحوم، شہباز خیالش بصید معنی بلند پرواز است و ہمائے اندیشہ اش ۔ بر قلہ قاف سخن بہ پر فشانی ممتاز است۔ بے اغراق ریختہ گوئی را بر طاق بلند گزاشتہ۔ و تخم معنی در زمین کاشتہ۔ استفادہ سخن از افادت گاہ میرزا جان جاں مظہر گرفتہ۔ چنانچہ

---

(۱) گردیزی نے اپنے تذکرے میں (ص ۱۴۰) میر کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے۔ شعر یہ ہے :-

بھلا تم نقد دل لے کر ہمیں دشمن گنو اب تو
کبھو کچھ ہم بھی کر لیں گے حساب دوستاں در دل

می گوید :

جوں نماز اپنے پہ صبح و شام لازم کریئے تیں
حضرت استاد یعنی شاہ مظہر کی ثنا

با مولف اخلاص خالص دارد و اکثر با ملاقات می پروازد۔ از وست :

ہے تیرے داغ سے تر سینۂ سوزاں میرا
آب و رنگ آگ سے رکھتا ہے گلستاں میرا
غم کے ہاتھوں نہ رہا کچھ بھی رفو کے قابل
بسکہ سو بار ہوا چاک گریباں میرا

اڑا دی ان ہوائے مشت خاک ے کشاں ناحق
غبار ان کا اگر رہتا تو پیمانے کے کام آتا
یہ کوہ طور سرمہ ہو گیا سارا ہی کیا کہیے
کوئی پتھر اگر بچتا تو دیوانے کے کام آتا

ہمیشہ کھینچتا ہوں اشک خوں کو دار مژگاں پر
اگر رونے کو میرے دیکھتا منصور رو دیتا

ہے زخم مرا کاری اس سینے سے کیا ہوگا
اب مرنا ہی بہتر ہے اس جینے سے کیا ہوگا

طلا اُس حسن کے شعلے کے آگے آب ہو جاتا
تجھے گر دیکھتا رو پا پگھل سیماب ہو جاتا

کمی کی خنجر قاتل نے اس کی پیاس کے حق میں
کئی زخم اور اگر لگتے تو دل سیراب ہو جاتا
اگر تجھ کو زلیخا دیکھتی سب کچھ بسر جاتی
تماشا ماہ کنعانی کا اس کو خواب ہو جاتا

سر پر سلطنت سے آستان یار بہتر تھا
ہمیں ظل ہما سے سایۂ دیوار بہتر تھا
ہموں نے ہجر سے کچھ وصل میں دھڑکے بہت دیکھے
ہمارے حق میں اس راحت سے وہ آزار بہتر تھا

شکوہ ہجر سے آنسو ہمارے سوکھ جاتے ہیں
یقیں سورج کے آگے کب اثر رہتا ہے شبنم کا

اجل نے کوہکن کی خوب رکھی شرم خسرو کی
دگر نہ اس کے سنگ زور کو یہ کب اٹھا سکتا

یہ (دل) ایسا خراب کوچہ و بازار کیوں ہوتا
اگر ملتا نہ اتنا گل رخوں سے خار کیوں ہوتا
تری الفت سے مرنا خوش نہیں آتا مجھے ورنہ
یہ ایسا کار آساں اس قدر دشوار کیوں ہوتا

گرائیں آنکھ سے تیری جہاں کے ہاتھ کیا آیا
مجھے پٹکا زمیں پن آسماں کے ہاتھ کیا آیا
مرے ان آنسوؤں نے کھو دیا نور بصر میرا
یہ یوسف بیچ کر اس کارواں کے ہاتھ کیا آیا

اب جوں سرشک خاک سے سکتا نہیں ہوں اٹھ
آگے میں دل کی آنکھ سے اتنا گرا نہ تھا

صبر کیجے کب تلک ناصح کر کر دیتا ہے عشق
حوصلے کا شہر غارت، خانۂ تمکیں خراب
پاؤں کو اپنے یقیں کی چشم گریاں پر نہ رکھ
مت کرائے گل آب جو میں دامن رنگیں خراب

تری آنکھوں کی کیفیت کو میخانے سے کیا نسبت
نگہ کی گردشوں کو دور پیمانے سے کیا نسبت

تصور کر کے لیتا ہوں مزا میں اس کی باتوں کا
مرے اس چپکے رہنے کا ہے وہ شیریں سخن باعث
معنی ایں شعر بسیار بلند است، در حقیقت برابر ہزار شعر است و نوشتن ز...
مناسب حال است۔

حق کو کب پہونچے بندے جب تک زبان لغو سے دل
کیوں کرہو زنجیر پا ایسے دوانے کا علاج

رنگ سے مہندی کے ہو جاتے ہیں آنسو لعل تر
رکھ کے ان پاؤں پہ سر کوئی اٹھا دے کس طرح

نہ میرے زخم سے مرہم کی آرزو گستاخ
مرے نہ چاک گریباں سے ہے رفو گستاخ

کون ریجھے قامت جاں فزا پہ تیرے جز یقیں
غیر شاعر کون دے اس مصرع موزوں کی داد

پوچھتا ہے خوب کیفیت نظارے کی یقیں
اس نگاہ مست سے لیتا ہے خانے کا حظ

اس ہوا میں رحم کر ساقی کہ بے جام شراب
دیکھ کر چھاتی بھری آتی ہے باراں کی طرف

فہرست و ترتیب شعرا

ماخذ و مراجع

تاریخ اودھ — نجم الغنی — مطبع مطلع العلوم مراد آباد (سنہ ۱۹۰۹ء)

تاریخ بہار و اڑیسہ — سید اولاد حیدر — (اشاعت اول)

تاریخ شعرائے بہار — سید عزیز الدین بلخی — پٹنہ (سنہ ۱۹۳۱ء)

تذکرۂ ریختہ گویاں — سید فتح علی گردیزی٭ — انجمن ترقی اردو (سنہ ۱۹۳۳ء)

تذکرۂ شعرائے اردو — میر حسن مرتبہ حبیب الرحمٰن خاں شیروانی (سنہ ۱۹۴۰ء)

تذکرۂ مسرت افزا — امیر اللہ ابوالحسن مترجمہ ڈاکٹر مجیب قریشی (اشاعت اول)

تذکرۂ ہندو شعرائے بہار — فصیح الدین بلخی — پلامو (سنہ ۱۹۶۲ء)

دو تذکرے (ہر دو جلد) — پروفیسر کلیم الدین احمد — (اشاعت اول)

سیر المتاخرین — غلام حسین طباطبائی — (اشاعت اول)

قطعات تاریخ — ریسناتھ سنگھ بیدار — خطی نسخہ مملوکہ پروفیسر نور الحسن ہاشمی

٭ غلام حسین شورش نے گردیزی کی جگہ تبریزی کا لفظ استعمال کیا ہے۔

گلشن سخن — مبتلا لکھنوی مرتبہ پروفیسر مسعود حسن رضوی (اشاعت اول)

گلشن ہند — مرزا علی لطف (اشاعت ثانی)

گنج ارشدی — خطی نسخہ مملوکہ سید ہاشم علی سبزپوش، گورکھپور

مجموعۂ نغز — قدرت اللہ قاسم مرتبہ پروفیسر محمود شیرانی (لاہور ۱۹۳۳ء)

معاصر، پٹنہ — شمارہ نمبر ۲۰

نکات الشعرا — میر مرتبہ عبدالحق انجمن ترقی اردو

نکات الشعرا — میر مرتبہ ڈاکٹر محمود الٰہی (دہلی، اشاعت اول)

نوائے ادب، بمبئی — شمارہ ۱۹۵۹ء